قندیل حق

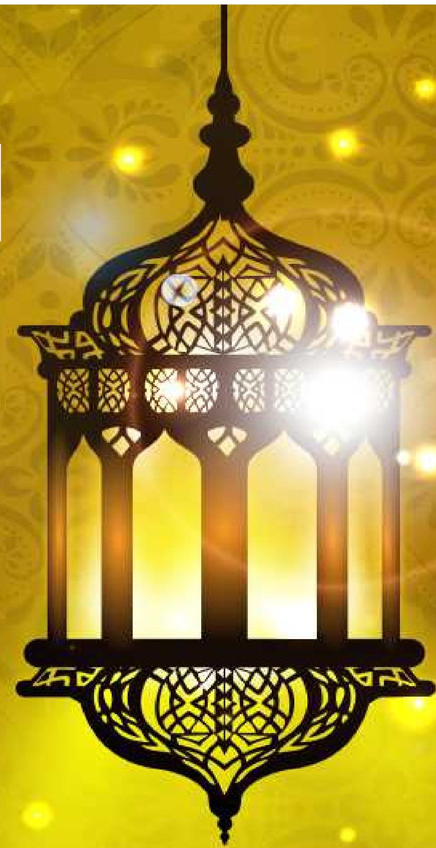
سہ ماہی

لندن

QINDEEL-E- HAQ LONDON

مدیر: اے آر خان۔لندن

alibhatti602@gmail.com (M) 0022792195433



شمارہ:3

جولائی،اگست،ستمبر 2018





شہادت مسجد احمدیہ سیالکوٹ۔ (عرشی ملک)

دُشوار کام کس قدر آسان ہوگیا
ابلیس خود بھی ششدر و حیران ہوگیا
مسمار کرکے گھر کو خدائے عظیم کے
شہر سیالکوٹ... مسلمان ہوگیا

مسجدیں گرا کے تم خود کو کیا سمجھتے ہو

سانحۂ سیالکوٹ پر







مسجدیں گرا کے تم خود کو کیا سمجھتے ہو
ناخدا سمجھتے ہو یا خدا سمجھتے ہو
جس کا گھر گراتے ہو اس کا ڈر نہیں تم کو
اس کے غیض سے خود کو ماورا سمجھتے ہو
کیا کبھی جواخانہ آج تک گرایا ہے
معبدوں کو کیوں آخر تم برا سمجھتے ہو
کیا سیالکوٹیوں میں دیدہ ور نہ تھا کوئی
جاہلوں کی ٹولی کو قافلہ سمجھتے ہو
روشنی سے تم نے کیوں جنگ چھیڑ رکھی ہے
رات کے اندھیرے کو راہنما سمجھتے ہو
شمر اور یزیدوں کو دائیں بائیں رکھتے ہو
اور خود کو ورثانِ کربلا سمجھتے ہو
ہم تو لکھتے جائیں گے لَا اِلٰہ اِلَّا اللّٰہُ
تم اِسے مٹانے کو معرکہ سمجھتے ہو

عبدالکریم قدسی

مجلس ادارت

مدیر : اے آر خان
معاونین : اصغر علی بھٹی۔ رند ملک۔ جمیل احمد بٹ
نجم الثاقب کاشغری

فہرست مضامین

اداریہ

اے آر خان

برکتوں کا مہینہ رمضان

روزہ کے التزام اور اس کی برکات سے فیض یاب ہونے کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرمایا:

"میری تو یہ حالت ہے کہ مرنے کے قریب ہو جاؤں تب روزہ چھوڑتا ہوں۔ طبیعت روزہ چھوڑنے کو نہیں چاہتی۔ یہ مبارک دن ہیں۔ اور اللہ کے فضل و رحمت کے نزول کے دن ہیں"۔ (الحکم جلد ۵ مورخہ ۲۴ جنوری ۱۹۰۱ ص ۵)

مریض اور مسافر کو روزے نہیں رکھنے چاہییں۔ حضور فرماتے ہیں:

"جو شخص مریض اور مسافر ہونے کی حالت میں ماہِ صیام میں روزے رکھتا ہے۔ وہ خدا تعالیٰ کے حکم کی صریح نافرمانی کرتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے کہ مریض اور مسافر روزہ نہ رکھے۔ مرض سے صحت پانے اور سفر ختم ہونے کے بعد روزے رکھے۔ خدا کے اس حکم پر عمل کرنا چاہیئے کیونکہ نجات فضل سے ہے نہ کہ اپنے اعمال کا زور دکھا کر کوئی نجات حاصل کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرض تھوڑی ہو یا بہت اور سفر چھوٹا ہو یا لمبا ہو بلکہ حکم عام ہے اور اس پر عمل کرنا چاہیئے مریض اور مسافر اگر روزہ رکھیں گے تو ان پر حکم عدولی کا فتویٰ لازم آئے گا"۔

(اخبار بدر مورخہ ۱۷۔ اکتوبر ۱۹۰۷ء ص ۷)

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

یہاں جو شھر رمضان واسطے صیام کے اللہ تعالیٰ کے کلام میں مخصوص فرمایا گیا اس میں ایک عجیب سِر ہے کہ مہینہ آغاز سنِ ہجری سے نواں مہینہ ہے۔ ظاہر ہے انسان کی تکمیل جسمانی شکمِ مادر میں نو ماہ میں ہی ہوتی ہے۔ اور عدد نو کا فی نفسہٖ بھی ایک ایسا کامل عدد ہے کہ باقی اعداد اس کے احاد سے مرکب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ لاغیر پس اس میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ انسان کی روحانی تکمیل بھی اس نویں مہینے رمضان میں ہونی چاہئے۔ (خطبات نور ص ۲۳۱)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

روزوں کے ذریعہ انسان ہلاکت سے اس طرح بھی محفوظ رہتا ہے کہ روزے انسان کے اندر مشقت برداشت کرنے کا مادہ پیدا کرتے ہیں اور جو لوگ ہر قسم کی مشقت برداشت کرنے کے عادی ہوں وہ مشکلات کے آنے پر ہمت نہیں ہارتے بلکہ دلیری سے ان کا مقابلہ کرتے اور کامیاب ہوتے ہیں۔ (تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۳۷۶)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ فرماتے ہیں:

رمضان کا مہینہ نفسِ امارہ کو کچلنے کیلئے قائم کیا گیا۔ یعنی رمضان کے روزے اور اس کی دیگر عبادات اس لئے فرض کی گئی ہیں اور اس میں بجالانے والے نوافل اس لئے قائم کئے گئے ہیں کہ انسان نفس امارہ کے حملوں سے نجات پائے۔ اور انسان کا نفس امارہ مرتا نہیں، بدی کی رغبت اسی طرح قائم رہتی ہے انسان کی زبان اور اس کا دل اور اس کے جوارح پاک نہیں ہوتے تو اسے بھوکا رہنے اور پیاسا رہنے سے کیا فائدہ؟۔ اگر اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کی قبولیت انسان کو حاصل نہ ہو اور خدا تعالیٰ محبت اور پیار کے ساتھ اس کی طرف ملتفت اور متوجہ نہ ہو۔ (خطبات ناصر جلد ا ص ۹۷۷)

اے احمدی اس رمضان کو فیصلہ کن رمضان بنا دو

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے پاکستان میں گزارے ہوئے اپنے آخری رمضان (۱۹۸۳) میں احباب جماعت کو الٰہی جہاد میں فیصلہ کن معرکے کے لئے رمضان کو فیصلہ کن بنانے کی طرف توجہ دلائی۔ آپ نے فرمایا:

"پس اے احمدی اس رمضان کو فیصلہ کن رمضان بنا دو، اس الٰہی جہاد کے لئے تیار ہو جاؤ۔ مگر تمہارے لئے کوئی دنیا کا ہتھیار نہیں ہے۔ دنیا کے تیروں کا مقابلہ تم نے دعاؤں کے تیروں سے کرنا ہے۔ یہ لڑائی فیصلہ کن ہوگی لیکن گلیوں اور بازاروں میں نہیں، صحنوں اور میدانوں میں نہیں بلکہ مسجدوں میں یہ فیصلہ ہونے والا ہے۔ راتوں کو اٹھ کر اپنی عبادت کے میدانوں کو گرم کرو اور اس زور سے اپنے خدا کے حضور آہ و بکا کرو کہ آسمان پر عرش کے کنگرے بھی ہلنے لگیں۔ متیٰ نصر اللہ کا شور بلند کر دو۔ خدا کے آگے گریہ زاری کرتے ہوئے اپنے سینوں سے زخم پیش کرو، اپنے چاک گریبان اپنے رب کو دکھاؤ اور کہو کہ اے خدا!

قوم کے ظلم سے تنگ آ کے میرے پیارے آج... شورِ محشر ترے کوچے میں مچایا ہم نے

پس اس زور کا شور مچاؤ اور اس قوت کے ساتھ متیٰ نصر اللہ کی آواز بلند کرو کہ آسمان سے فضل اور رحمت کے دروازے کھلنے لگیں اور ہر دروازے سے یہ آواز آئے۔ اَلَآ اِنَّ نصر اللہ قریبٌ، اَلَآ اِنَّ نصر اللہ قریب اَلَآ اِنَّ نصر اللہ قریب، سنو سنو کہ اللہ کی مدد قریب ہے اے سننے والو سنو کہ اللہ کی مدد قریب ہے اور وہ پہنچنے والی ہے۔ (خطبات طاہر جلد ۲ ص ۳۴۹)

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے فرمایا:

"رمضان برکتوں والا مہینہ ہے ان لوگوں کے لئے جو خالص ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہتے ہیں اور عبادت کرتے ہیں۔ یہ برکتوں والا مہینہ ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرتے ہوئے ہر اس نیکی کو بجالانے کی کوشش کرتے ہیں اور بجالا رہے ہوتے ہیں۔ جس کے کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور ہر اس برائی کو چھوڑ رہے ہوتے ہیں۔ جس کے چھوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے لیکن بعض جائز چیزوں کو بھی ایک خاص وقت کے لئے اس لئے چھوڑ رہے ہوتے ہیں کہ ان کے چھوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے"۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۵۔ اکتوبر ۲۰۰۴ء)



ایک تعارف
حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

خاندانی پس منظر

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا تعلق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقدس خاندان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو مبشر اولاد عطا فرمائی ان میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب بھی شامل تھے۔ ہمارے موجودہ امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرالعزیز حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کے نواسے اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے پوتے ہیں۔ یوں آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پڑپوتے ہیں۔ یہ وہ مقدس خاندان ہے جس کے بارہ میں آنحضور ﷺ نے پیشگوئی فرمائی تھی کہ اگر ایمان ثریا ستارے پر بھی پہنچ گیا تو فارسی نسل کا ایک آدمی یا فارسی نسل کے لوگ اس کو واپس لے آئیں گے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الہام میں اللہ تعالیٰ نے اس خاندان کے افراد کو ''ابنائے فارس'' کے نام سے یاد کیا ہے کہ اے فارس کے بیٹو! توحید کو مضبوطی سے پکڑو یعنی توحید کا قیام ابنائے فارس کے ذریعہ ہوگا۔

نیک والدین

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کے نیک والدین کا تعارف یہ ہے کہ آپ کے والد ماجد حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب سابق ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان تھے جو 13 مارچ 1911ء کو حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے گھر پیدا ہوئے۔ آپ ایک لمبا عرصہ تک امیر مقامی ربوہ بھی رہے۔ آپ نے 10 دسمبر 1997ء کو وفات پائی۔ حضور ایدہ اللہ کی والدہ ماجدہ حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ تھیں جو ستمبر 1911ء میں حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی کے ہاں پیدا ہوئیں۔۔ آپ کے والدین کی شادی 26 اگست 1934ء کو ہوئی جبکہ حضرت مصلح موعود نَوَّرَ اللّٰہُ مَرْقَدَہٗ نے ان کے نکاح کا اعلان 2 جولائی 1934ء کو فرمایا تھا۔

پیدائش، تعلیم و تربیت

حضرت مرزا مسرور احمد صاحب مورخہ 15 ستمبر 1950ء کو حضرت مرزا منصور احمد صاحب اور حضرت صاحبزادی ناصرہ بیگم صاحبہ کے ہاں ربوہ میں پیدا ہوئے۔ عمر میں آپ اپنے بہن بھائیوں میں سب سے چھوٹے ہیں۔ آپ کے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں۔ سایہ خلافت، نیک والدین اور پاکیزہ ماحول میں آپ کی تعلیم و تربیت ہوئی۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ نے ابتدائی تعلیم سے لے کر بی ایس سی تک کی تعلیم ربوہ سے حاصل کی۔ آپ نے میٹرک تعلیم الاسلام ہائی سکول ربوہ اور بی۔ ایس۔ سی تعلیم الاسلام کالج ربوہ سے کیا پھر ایم ایس سی کے لئے زرعی یونیورسٹی فیصل آباد میں داخلہ لیا۔ اور 1976ء میں اس یونیورسٹی سے ایگریکلچر اکنامکس میں ایم ایس سی کی ڈگری حاصل کی۔

شادی اور اولاد

حضرت مرزا مسرور احمد کی شادی حضرت سیدہ امۃ السبوح بیگم صاحبہ اَطَالَ اللّٰہُ عُمْرَھَا بنت محترم سید داؤد مظفر شاہ صاحب و محترمہ صاحبزادی امۃ الحکیم صاحبہ مرحومہ کے ساتھ ہوئی اور مورخہ 31 جنوری 1977ء کو دعوت ولیمہ کا انعقاد ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بیٹی مکرمہ امۃ الوارث فاتح صاحبہ اہلیہ مکرم فاتح احمد ڈاہری صاحب انچارج انڈیا ڈیسک لندن اور ایک بیٹے محترم صاحبزادہ مرزا وقاص احمد صاحب مقیم لندن سے نوازا ہے۔

وقف زندگی اور افریقہ روانگی

آپ نے 1977ء میں وقف کیا۔ نصرت جہاں سکیم کے تحت آپ کی تقرری غانا، مغربی افریقہ میں ہوئی۔ اگست 1977ء میں آپ غانا تشریف لے گئے۔ 1977ء سے 1985ء تک آپ غانا میں خدمات بجالاتے رہے۔ پہلے دو سال بطور ہیڈ ماسٹر احمدیہ سیکنڈری سکول سلاگا، اگلے تین سال 5 ماہ بطور ہیڈ ماسٹر اکمفی ٹی آئی احمدیہ سیکنڈری سکول ایسار چر اور پھر تقریباً دو سال احمدیہ زرعی فارم ٹمالے میں بطور مینجر خدمات بجالاتے رہے۔ زراعتی خدمات کرتے ہوئے آپ نے غانا میں پہلی بار گندم اُگانے کا کامیاب تجربہ کیا۔

پاکستان واپسی اور خدمات

1985ء میں آپ غانا مغربی افریقہ سے پاکستان تشریف لائے۔ 17 مارچ

1985ء سے آپ نے نائب وکیل المال ثانی کی حیثیت سے تحریک جدید میں خدمات کا آغاز کیا اور نو سال تک اس عہدہ پر کام کیا۔ 18 جون 1994 کو آپ کا تقرر بطور ناظر تعلیم صدر انجمن احمدیہ ہوا اور آپ کو شعبہ تعلیم میں غیر معمولی خدمات کی توفیق ملی۔ 1994ء سے 1997ء تک آپ ناصر فاؤنڈیشن ربوہ کے چیئر مین رہے۔ اسی عرصہ میں آپ تزئین کمیٹی ربوہ کے صدر بھی تھے۔ اسی حوالہ سے آپ نے گلشن احمد نرسری ربوہ کی توسیع اور ربوہ کو خوبصورت بنانے کیلئے ذاتی کوشش اور نگرانی کی۔ آپ 1988ء سے 1995ء تک ممبر قضا بورڈ ربوہ رہے۔ یوں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا الہام ''ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے'' ظاہری طور پر بھی آپ کی ذات پر پورا ہوا۔ اگست 1998ء میں آپ صدر مجلس کار پرداز مقرر ہوئے۔

ناظر اعلیٰ و امیر مقامی

آپ اپنے والد ماجد حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کی وفات کے بعد 10 دسمبر 1997ء کو ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ پاکستان اور امیر مقامی ربوہ مقرر ہوئے اور تا انتخاب خلافت اس منصب پر فائز رہے۔

ذیلی تنظیموں میں خدمات

حضور انور ایدہ اللہ مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ و پاکستان اور مجلس انصاراللہ پاکستان میں بھی مختلف شعبوں میں خدمات بجالاتے رہے۔ سال 1976-77ء میں آپ مہتمم صحت جسمانی خدام الاحمدیہ مرکزیہ تھے۔ 1984-85ء میں مہتمم تجنید، 1985-86ء تا 1988-89ء مہتمم مجالس بیرون رہے اور سال 1989-90ء میں آپ نائب صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان تھے۔ مجلس انصار اللہ پاکستان میں 1995ء میں قائد ذہانت وصحت جسمانی اور پھر 1997ء تک قائد تعلیم القرآن کے طور پر خدمات بجالاتے رہے۔



اسیر راہ مولیٰ کا اعزاز

آپ کو ایک جھوٹے مقدمہ میں 30 اپریل 1999ء کو گرفتار کیا گیا اور جھنگ جیل میں اسیر کر دیا گیا۔ 10 مئی 1999ء کو آپ کی رہائی ہوئی۔ یوں آپ نے اسیر راہ مولیٰ ہونے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔

انتخاب خلافت

حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ 19 اپریل 2003ء کو لندن میں انتقال فرما گئے۔ 22 اپریل 2003ء کو بیت الفضل لندن میں انتخاب خلافت ہوا۔ لندن وقت کے مطابق 11:40 بجے رات حضرت مرزا مسرور احمد صاحب کا بطور خلیفۃ المسیح الخامس اعلان ہوا اور آپ قافلہ احمدیت کے سالار مقرر ہوئے۔ اب آپ کی قیادت میں احمدیت کا یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور صحت میں برکت ڈالے اور اشاعت دین کے کاموں میں روح القدس کی تائید سے نوازے اور ہم سب کو آپ کا سچا فرمانبردار رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔



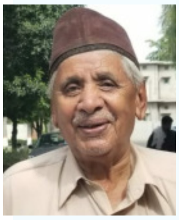
قربان مال و آبرو تجھ پر ہزار بار

مکرم سیّد قاسم احمد شاہ صاحب
ناظر امور خارجہ و ناظر زراعت۔ ربوہ

جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ بیمار تھے تو بعض احباب آکر حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب کو مشورہ دیتے کہ ان ایام میں آپ کو لندن ہونا چاہیے۔ حضرت میاں صاحب ایسے لوگوں کو آخر تک یہی جواب دیتے رہے کہ ان کے بارے میں حضرت صاحب کا منشاء مبارک ربوہ ہی ٹھہرنے کا ہے اس لئے تعمیل میں ہی برکت ہے۔ ہمارا تو یہ ایمان ہے کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور خلیفہ وقت کی طرف سے کیے گئے فیصلہ جات میں ہی لازماً برکت ہوتی ہے۔ خلیفہ وقت کے ملنے والے حکم کی سو فیصد اطاعت ہم پر واجب ہے ہم اسی طرح اطاعت کریں گے تو ہمیں برکت ملے گی ورنہ نہیں۔

عظیم رؤیا اور اس کی تکمیل

حضرت میاں مسرور احمد صاحب فیصل آباد میں M.S.C میں پڑھتے تھے۔ آپ کو فائنل امتحان کے وقت طبعاً فکر تھی۔ ایک دن خاکسار کو فرمانے لگے کہ رات میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ کوئی مجھے کہہ رہا ہے یَنۡصُرُكَ رِجَالٌ نُّوۡحِیۡۤ اِلَیۡهِمۡ مِنَ السَّمَآءِ (تیری مدد وہ لوگ کریں گے جنہیں ہم آسمان سے وحی کریں گے) میں نے یہ خواب سن کر بے تکلفی سے عرض کی کہ یہ امتحان کونسی بڑی بات ہے جس کے لئے خدا تعالیٰ لوگوں کو الہام کرے۔ کوئی اور تعبیر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ اس امتحان میں اے گریڈ میں پاس ہوگئے۔ اس کے کم و بیش 30 سال بعد جب حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب کو ناظر اعلیٰ و امیر مقامی کے عہدہ پر فائز فرمایا تو خاکسار کو یہ رؤیا یاد آئی۔ عرض کی کہ خاکسار کی رائے میں اب اس خواب کے پورا ہونے کا وقت آیا ہے اور یہی اصل تعبیر معلوم ہوتی ہے۔ سن کر فرمایا کہ وہ بھی ہوگی اور یہ بھی ہوسکتی ہے۔ خاکسار سوچتا ہے تو یہ احساس ہوتا ہے



خدا تعالیٰ نے ایم ایس سی کے امتحانات کے وقت یہ تسلی دی تھی کہ فکر کی کیا بات ہے میں تو تیری مدد کے لیے لوگوں کو آسمان سے وحی کرتا رہوں گا اور آج دنیا اس بات کی گواہ ہے کہ کس کس طرح خدا کا وعدہ آپ کے ساتھ پورا ہوتا رہا اور انشاء اللہ ہوتا رہے گا۔ اور کیا ہی خوش قسمت وہ لوگ ہیں جو خدا سے وحی پا کر اس مقدس ''مسرور'' کی مدد پر کمر بستہ ہیں۔ کیونکہ خدا آج ''مسرور'' کے ساتھ ہے۔ جو اس ''مسرور'' کے ساتھ ہوا وہ فیض پا گیا۔ اللہ تعالیٰ جماعت میں ایسے رجال بکثرت پیدا کرتا رہے۔ خاکسار یہ بھی سمجھتا ہے کہ اس رؤیا میں خلافت کے عظیم منصب پر فائز ہونے کی پیشگوئی بھی تھی اور حقیقتاً جس طرح آپ کی خلافت کے متعلق لوگوں کو خوابیں آئی ہیں اور رؤیا و کشوف ہوئے ہیں انتہائی حیران کن امر ہے۔ مختلف ممالک کے لوگ جن میں سے بعض لوگ آپ کو جانتے تک نہیں تھے یا جنھوں نے آپ کو دیکھا تک نہیں ان کو خدا تعالیٰ رؤیا و کشوف کے ذریعے آپ کے خلیفہ بننے کی خبر دے رہا ہے۔

افریقہ میں غیر معمولی قربانی کی کیفیت

حضرت میاں صاحب نے افریقہ میں اپنے فرائض کی ادائیگی میں جو زندگی بسر کی وہ نہایت شاندار ہے۔ اس قسم کے نمونے آپ کو قرون اولیٰ کے مسلمانوں میں ہی ملیں گے۔ نہایت سختی تنگی ترشی میں آپ نے وہاں گزارا کیا ہے اور کوئی ایسی بات نہیں کی جو وقار کے خلاف ہو۔ بعض اوقات کافی دور سے پانی لا رہے ہیں تو کبھی سکول کا سامان اکٹھا کرنے کے لئے کئی سو کلومیٹر کا سفر طے کر رہے ہیں۔ گاڑیاں جو میسر تھیں وہ بذات خود ایک مسئلہ تھیں۔ تعمیر ہو رہی ہے تو سامان ناپید۔ اس کے لئے مشقتیں برداشت کر رہے ہیں۔ بجلی کے بغیر بیوی بچوں کے ساتھ مچھروں والے علاقوں میں گزر بسر بھی کوئی آسان کام نہیں تھا۔ مناسب غذاؤں کا نہ ملنا ایک علیحدہ مسئلہ تھا اور دستیابی کی صورت میں انتہائی درجہ کی مہنگائی بھی راہ میں حائل تھی۔ خاکسار یہ تمام مسائل بیان نہیں کرسکتا ڈرتا ہوں کہ کہیں حضور اقدس کو ناگوار نہ گزرے۔ البتہ یہ ضرور کہوں گا کہ اس کو وہ وقار کے سامنے جب اپنے آپ کو دیکھتا تو شرمندگی ضرور ہوتی۔ حضور ایدہ اللہ نے سکولوں میں بھی کام کیا اور احمدیہ زرعی فارم بھی establish (قائم) فرمایا۔ ہر دو شعبوں کے اپنے اپنے مسائل تھے مگر انتہائی بشاشت، صبر اور تحمل کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتے رہے۔ جس گھر سے خدمت دین کے لیے نکلے اور جس میدان عمل میں پہنچے دونوں جگہوں کا ماحول انتہائی مختلف تھا۔ زمیندار گھرانہ ہونے کی وجہ سے کھانے پینے کی جو عادت ربوہ میں تھی، غانا میں مکمل طور پر بدلنا پڑی۔ نتیجۃً صحت پر بھی اثر پڑا مگر مجال ہے کہ کبھی زبان پر کوئی ہلکا سا ذکر بھی آ جائے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے خلیفہ بننے سے قبل آپ کے نام ایک خط میں بھی اس بات کا اظہار کیا تھا کہ مجھے اندازہ ہے کہ آپ کس قدر تکلیف کے ساتھ وہاں رہ رہے ہیں اور مجھے پتہ ہے کہ گھر میں آپ کے کیا کیا شوق تھے۔ حضرت میاں صاحب کے گھر کا ناشتہ خالصتاً دیسی قسم کا ہوا کرتا تھا۔ یعنی لسی، دہی، پراٹھے اور مکھن وغیرہ۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ان ہی باتوں کا اس خط میں ذکر فرمایا تھا۔ بہر حال حضرت میاں صاحب افریقہ میں باوجود اس کے کہ کٹھن زندگی تھی بڑے پرسکون طریق سے رہے ہیں۔ گھر میں مرغیاں رکھ لیں۔ گوشت اور انڈوں کی ضرورت ایک حد تک ان سے پوری کر لی۔ سبزیاں لگا لیں اور وقتاً فوقتاً ان موسمی سبزیوں سے گزر اوقات کر لی۔ گویا آپ ہم واقفین زندگی اور مربیان کے لیے وہاں ایک مثال اور نہایت اعلیٰ نمونہ تھے۔ ہمیں تو ایسے لگتا تھا کہ اللہ تعالیٰ انھیں ہمارے لیے نمونہ بنانے کے لیے غانا لے کر آیا ہے کہ اس طرح کے حالات میں کس طرح کفایت شعاری سے پرسکون زندگی گزارنی ہے اور خدا کی رضا پر راضی رہنا ہے۔

جرأت و بہادری

جب حضور ناظر اعلیٰ و امیر مقامی تھے تو آپ کو اسیر راہ مولیٰ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہوا۔ ایک جھوٹے بے بنیاد مقدمہ میں آپ کو گرفتار کر لیا گیا اور آپ 10 دن تک جھنگ جیل میں رہے۔ چنیوٹ کے ایڈیشنل سیشن جج نے جب عبوری ضمانت کینسل کی اور گرفتاری کا لمحہ آیا تو خاکسار نے مشاہدہ کیا کہ آپ نے کسی قسم کی کوئی پریشانی اور گھبراہٹ محسوس نہیں کی۔ جیل کے دوران بھی اُسی طرح ہشاش بشاش رہے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے فضل فرمایا اور 10 مئی کو رہائی کے سامان ہوئے اور اللہ تعالیٰ کا یہ پیارا بندہ عید کی سی خوشیاں بکھیرتا واپس ربوہ آ گیا۔ مولویوں نے پھر شور ڈالا کہ ربوہ کے مجسٹریٹ نے رہائی کے لیے جو روبکار ایشو کی ہے اس کا حق اس مجسٹریٹ کو نہیں تھا۔ اس بنا پر ہائی کورٹ نے دوبارہ آرڈر دے دیا کہ اس امر کو دوبارہ دیکھا جائے۔ کیس جس جج کے پاس جانا تھا بعض واقعات سے اس کا متعصب ہونا ظاہر تھا۔ ایک ہمدرد پولیس آفیسر نے کھل کر بتا دیا تھا کہ اس نے فیصلہ آپ کے خلاف ہی کرنا ہے اس لیے انتظار کرنا مناسب ہوگا۔ اس کی عدالت میں مقدمہ نہ ہی پیش کیا جائے تو بہتر ہے۔ کیس کی فائل اسی افسر نے عدالت میں پیش کرنی تھی۔ اسی افسر نے کچھ عرصہ کے بعد بتایا کہ جج چھٹی پر جا رہا ہے اور اس کی جگہ پر جو صاحب آ رہے ہیں وہ غیر متعصب ہیں اور اس کیس میں سمجھتے ہیں کہ آپ سے زیادتی ہو رہی ہے۔ اس لیے اگر اجازت ہو تو یہ معاملہ اس کی عدالت میں لگوایا جائے۔ چنانچہ مشورہ کے بعد کیس اس نئے جج کی عدالت میں پیش کرنے کا فیصلہ ہو گیا۔ جس دن معاملہ عدالت

میں پیش ہونا تھا، اس سے ایک دن پہلے مغرب کی نماز کے بعد ہم بیت المبارک میں بیٹھے تھے۔ میاں خورشید احمد صاحب ان دنوں قائم مقام ناظر اُمور عامہ تھے۔ مجھے طبعاً گھبراہٹ بھی تھی کہ کہیں دوبارہ قید نہ کرلیں۔ چنانچہ میں نے آہستہ آواز میں میاں خورشید صاحب کو کہا کہ میاں صاحب دعا کریں مجھے تو خوف محسوس ہو رہا ہے۔ حضرت میاں مسرور احمد صاحب نے مجھے دیکھ لیا اور میاں خورشید صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے فرمانے لگے کہ قاسم کیا کہہ رہا ہے۔ خوف کس بات کا؟ زیادہ سے زیادہ قید ہی کرلیں گے۔ اور کیا کریں گے؟ تو کرلیں قید۔ کوئی بات نہیں۔ آپ کے چہرہ پر اور لب ولہجہ میں کسی قسم کی گھبراہٹ کے کوئی آثار نہیں تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اتنی زیادہ دلیری انسان اس وقت تک نہیں دکھا سکتا جب تک وہ کامل توحید پر قائم نہ ہو۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اگلے دن یہ مسئلہ بطریق احسن حل ہو گیا اور مخالفین کو کانوں کان خبر نہ ہوئی کہ اس کے خلاف اپیل کریں۔ جب حضور انور ایدہ اللہ مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو مولویوں نے کیس کو دوبارہ اُٹھانے کی کوشش کی تو معلوم ہوا کہ وقت گزر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ایسے تمام لوگوں کو اپنی رحمت کے سایہ میں رکھے جو ایسے تکلیف دہ حالات میں جماعت کی مدد کے لیے جرات رکھتے ہیں۔ خاکسار کی رائے میں حضور کی شخصیت بالکل بند اور مخفی تھی۔ جوں جوں ذمہ داریاں پڑتی گئیں کھلتے چلے گئے اور ہمیں پتہ چلتا گیا کہ کتنے عظیم جوہر اور خوبیاں ہیں جو آپ کی شخصیت میں پنہاں ہیں۔ رُعب کے ساتھ ساتھ سادگی اور انکساری بھی کمال کی ہے۔ ہمدردی اور حوصلہ افزائی کے اوصاف بھی بہت نمایاں ہیں۔ خود اعتمادی اور قوت فیصلہ بھی خدا تعالیٰ نے خوب ودیعت کی ہے۔

کئی دفعہ ایسا ہوا ہے کہ ارد گرد کا کوئی سیاستدان آیا ہے تو مجھے حضرت میاں صاحب کی کی محفل سے اُٹھ کر کہنے لگتا کہ آئیں علیحدہ بات کرنی ہے۔ میاں صاحب کے سامنے تو ہم سے بات ہی نہیں ہو پاتی۔

کارکنان کی قدر

سفارش کے متعلق اُصول تھا کہ اگر جائز سفارش ہوتی اور آدمی میرٹ پر پورا اُترتا تو قبول فرماتے اور بعض اوقات ایسے آدمیوں کی سفارش خود بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک نوجوان کے متعلق ارشاد فرمایا کہ اس آدمی کو رکھ لو اور ساتھ وجہ بیان کی کہ اگرچہ اس کے والد صاحب سندھ کی زمینوں کے منشی رہے ہیں لیکن اس نوجوان کے والد نے کوئی زمین نہیں بنائی اور نہ ہی اس نے زمین بنائی ہے۔ چنانچہ اس طرح آپ کارکنان سے محبت کا سلوک فرماتے اور کام کرنے والوں کی ہمیشہ قدر کیا کرتے۔

سخاوت

سخاوت کے میدان میں اس قدر بڑھے ہوئے ہیں کہ اپنی پرواہ نہیں کرتے۔ چنانچہ ہمارے ایک کارکن کی بیٹی کی شادی تھی۔ وہ پندرہ ہزار قرض لینا چاہتے تھے اور مجھے سفارش کے لیے کہہ رہے تھے۔ حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کو انہوں نے دعا کے لیے خط لکھا تو حضور نے پچاس ہزار روپے اخراجات کے لیے بھیج دیئے۔ ایسی اور بھی بہت سی مثالیں ہیں۔ اس موقع پر خاکسار کو حضور انور ایدہ اللہ کے والد محترم حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد کا ایک واقعہ یاد آ گیا۔ ایک دوست نے بتایا کہ وہ گندم خریدنے کے لیے حضرت میاں صاحب کے پاس گئے اور عرض کی کہ پیسے چند ماہ بعد دوں گا۔ چنانچہ چند ماہ بعد جب وہ رقم لے کر گئے تو حضرت میاں صاحب نے ان کو دونوں کاندھوں سے پکڑا اور رُخ دوسری طرف کر کے بغیر رقم لیے فرمایا کہ چلے جاؤ۔ درویشی اور سخاوت اس گھرانے کو خدا تعالیٰ نے خوب ودیعت فرمائی تھی اور ہے۔

بہترین منتظم

خاکسار کی رائے میں بہترین منتظم کی خوبی یہ ہے کہ اس کے ساتھی اس کا ساتھ دے رہے ہوں اور وہ بھی اپنے ساتھیوں کو اپنے ساتھ لے کر چلے۔ چنانچہ یہ وصف حضور انور میں بہت نمایاں ہے۔ حضور کے ساتھی دیوانہ وار حضور کا ساتھ دیتے اور حضور بھی انہیں ساتھ لے کر چلتے رہے۔

مشقت اور سخت جانی

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بہت سخت جان ہیں۔ چنانچہ مجھے یاد ہے کہ دو دفعہ ہم ایک ہی سائیکل پر ربوہ سے فیصل آباد گئے تھے اور سائیکل کا پیچھے بیٹھنے والا کیریئر بھی نہیں تھا۔ آگے جو بیٹھتا اس کی ٹانگ بار بار سو جاتی تھی۔ باری باری سائیکل چلاتے تھے۔ ایک دفعہ تو ہم شوقیہ فیصل آباد گئے تھے اور ایک دفعہ ضروری کام کی غرض سے۔ حضور ناظر اعلیٰ بننے سے پہلے صبح سویرے پیدل احمد نگر کی زمینوں پر جایا کرتے تھے اور پیدل واپس آتے۔ چلنے کی رفتار بہت تیز ہوتی۔

دینی غیرت۔ جلالی پہلو

میں نے حضرت میاں صاحب کو غصہ میں بہت ہی کم دیکھا ہے۔ غالباً دو دفعہ سے زیادہ غصہ میں نہیں دیکھا۔ ایک دفعہ ایک ڈاکہ کی واردات میں چند احمدی لڑکے بھی ملوث تھے۔ چنانچہ انہیں پولیس کو پکڑوا دیا گیا۔ ان کے عزیز واقارب نے کوشش کی کہ وہ کسی طرح رہا ہو جائیں۔ لیکن رہائی نہ ہو سکی۔ وہ لوگ آپ کے پاس نظارت علیا میں آ گئے اور آ کر کہا کہ آپ ہمارے لڑکوں کو پولیس سے چھڑوا دیں اور بیشک

اخراج از جماعت نظام کی سزا دے دیں۔ اس بات پر آپ شدید ناراض ہوئے اور بڑے غصہ سے فرمایا کہ اخراج از نظام کو تم نے پولیس کی نسبت معمولی سزا سمجھا ہوا ہے۔ اگر ہم اخراج کی سزا دیں تو اس صورت میں ہمارا اور تمہارا پھر تعلق کیا ہوا۔ اسی طرح ایک دفعہ جب جماعت کے ووٹ بنے تو ایک صاحب آپ کے پاس نظارت علیا کے دفتر آئے اور آ کر کہا کہ اب ووٹ بن گئے ہیں، اس لئے آپ نے پہلے کی طرح نہیں کرنا۔ کیونکہ پہلے بھی ہم کافی نقصان اُٹھا چکے ہیں۔ چنانچہ آپ نے اسے سخت لہجے میں شدید ڈانٹا اور مجھے مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ گویا یہ کہہ رہا ہے کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ان ایام میں غلط فیصلہ جات کئے تھے اب تم ویسے فیصلے نہ کرنا۔ آپ نے غصہ میں اسے کہا کہ جاؤ اس قسم کی باتوں کے لئے میرے پاس وقت نہیں ہے۔ نرمی، برداشت، وسعت حوصلہ بھی کمال کا ہے۔ اگر کسی بات پر خفا ہوئے بھی تو اگلے کو اس کا احساس دلانے کے لئے سخت الفاظ استعمال نہیں فرماتے بلکہ چہرے کے تاثرات اور لب ولہجہ کے زیر و بم سے مخاطب کو احساس دلا دیتے ہیں۔ آواز میں سختی آنے سے مخاطب سمجھ جاتا ہے کہ آپ نے اس امر کو ناپسند فرمایا ہے۔ سچائی کا اتنا نمایاں وصف ہے کہ خلاف واقعہ بات کی اشارۃً بھی گنجائش نہیں۔ ایک یہ بھی نمایاں وصف ہے کہ اپنی تعریف کسی کی زبان سے سننا ہرگز پسند نہیں کرتے۔ اور اس معاملے میں اس قدر محتاط ہیں کہ اگر واقعی وہ خوبی آپ میں پائی بھی جاتی ہے تو پھر بھی اس خوبی کو سننا ناپسند فرماتے ہیں۔

حوصلہ افزائی

حوصلہ افزائی کا انتہائی پیارا طریق ہے۔ آدمی کو نیچے سے اُٹھا کر اوپر لے آنے میں ماہر ہیں۔ مثلاً اگر کسی کو شکار کرنا سکھایا ہے اور نشانہ کی مشق کروائی تو بعد میں کئی دفعہ کہہ دیا کہ اب تو یہ مجھ سے بھی بہتر نشانہ بازی کر لیتا ہے۔ اپنے ساتھ اور ماتحت کام کرنے والوں کی بہت ہی حوصلہ افزائی فرماتے۔ اس قدر کہ انسان شرمندہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مجھ جیسے نہ جانے کتنے خدمت گزار ہوں گے جو محض آپ کی حوصلہ افزائی اور درگزر کرنے کی وجہ سے اپنے اندر کام کرنے کی ہمت پاتے ہیں۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ باوجود ایم ایس سی ایگریکلچر کرنے کے اصل زمینداری میں نے آپ ہی سے سیکھی ہے اور آج تک اس سے فائدہ اُٹھا رہا ہوں۔ ورنہ محض کتابی علم تو کسی بھی کام کا نہ تھا۔ مشغلہ۔ شکار بہت اچھا مشغلہ تھا۔ چنانچہ آپ کو جب بھی موقع ملتا شکار کیا کرتے۔ اس کے علاوہ کشتی رانی بھی کبھی کبھی کیا کرتے۔

ختم ہیں اس پر سب انداز دلبری

حضور انور ایدہ اللہ بطور اسیر راہ مولیٰ

جماعت احمدیہ کے مخالفین کا یہ دیرینہ مطالبہ تھا کہ ربوہ کا نام تبدیل کیا جائے۔ اس کی وجہ وہ یہ بیان کرتے ہیں کہ ربوہ کا لفظ قرآن کریم کی اس آیت میں آیا ہے۔ ترجمہ: اور ابن مریم اور اس کی ماں کو بھی ہم نے ایک نشان بنایا تھا اور ان دونوں کو ہم نے ایک مرتفع مقام کی طرف پناہ دی جو پر امن اور چشموں والا تھا۔

(المومنون:50)

یہ آیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ محترمہ کے متعلق نازل ہوئی ہے۔ جماعت احمدیہ کے مخالفین کہتے ہیں کہ جماعت احمدیہ نے 1948ء میں اس شہر کا نام قرآن کریم کی مذکورہ بالا آیت میں تحریف کر کے ربوہ رکھا تا کہ لوگوں کو دھوکہ دیا جا سکے کہ قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذکر میں جو لفظ ربوہ آیا ہے اس سے مراد یہ ربوہ ہے جو پاکستان میں دریائے چناب کے کنارے پہاڑوں کے دامن میں واقع ہے اور یہی ربوہ مسیح ابن مریم کا وطن ثانی ہے۔ مخالفین کے نزدیک اندرون ملک اور بیرون ملک جو لوگ اس موجودہ ربوہ کی تاریخ اور اس کے پس منظر سے واقف نہیں ہیں جب وہ قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت کرتے ہیں تو اس سے یہی ربوہ سمجھتے ہیں۔ مورخہ 17/نومبر 1998ء کو پنجاب اسمبلی کے اجلاس میں ایک قرارداد پیش ہوئی۔ قرارداد کے الفاظ یہ تھے۔ ''اس ایوان کی رائے ہے کہ ربوہ شہر کا نام تبدیل کر کے کاغذات مال کے مطابق چک ڈھگیاں یا کوئی اور نام رکھا جائے اور قرآن کریم کے مقدس لفظ کا استعمال غیر محل پر ممنوع قرار دیا جائے۔'' یہ قرارداد جو بغیر کسی بحث و تمحیص کے اور بغیر کوئی دلائل دیئے منظور کر لی گئی۔ اسی قرارداد کی بنا پر گورنر پنجاب نے حکومت کی طرف سے ایک نوٹیفیکیشن جاری کیا جس کے مطابق ربوہ کا نام تبدیل کر کے ''نواں قادیان'' رکھ دیا گیا۔ چند دنوں بعد مخالفین نے سمجھا کہ قادیان کا لفظ ایسا ہے کہ جماعت احمدیہ اس نام کا برا نہیں منائے گی۔ اس پر اس قرارداد کے محرکین کی طرف سے دوبارہ کوشش ہوئی اور حکومت پنجاب نے نواں قادیان کا نام تبدیل کر کے چناب نگر رکھ دیا۔ جماعت احمدیہ نے اس تیسرے نام پر بھی کوئی ردعمل ظاہر نہ کیا۔ یہ بات مخالفین کے جوش عناد کو ٹھنڈا نہ کر سکی اور ان کو بے چینی لاحق ہوئی کہ احمدیوں کی دل آزاری اور ان کو تکلیف پہنچانے کا کوئی سامان پیدا کیا جائے۔ چنانچہ کچھ دنوں بعد انہوں نے چناب نگر کی تختی کی تنصیب کی اور نقاب کشائی کی تقریب میں اس وقت کی حکومت پنجاب کے وزیر مال شوکت داؤد، ڈپٹی سپیکر پنجاب اسمبلی حسن اختر موکل اور لیڈر آف اپوزیشن پنجاب اسمبلی اور دیگر اکابرین کی شمولیت کا اعلان کر دیا۔ تاریخ مقررہ پر وزیر مال اور ڈپٹی سپیکر تو نہ آئے۔ لیڈر آف اپوزیشن نے تختی کی نقب کشائی کر دی۔ اس تختی کی نقاب کشائی پر بھی ربوہ میں کسی طور پر بھی کسی ردعمل کا اظہار کسی رنگ میں نہ کیا گیا۔ غالباً جو مقصود پیش نظر تھا وہ اب بھی بر نہ آیا۔ مخالفین اس کی آڑ میں

کوئی فساد کھڑا کرنا چاہتے تھے لیکن ان کی توقع کے برعکس جماعت احمدیہ نے کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا تو ان لوگوں نے حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی ربوہ، کرنل ایاز محمود احمد خان صاحب صدر عمومی ربوہ، ماسٹر محمد حسین صاحب صدر محلہ ناصر آباد شرقی ربوہ اور خاکسار محمد اکبر بھٹہ انچارج ایمرجنسی سنٹر دفتر صدر عمومی ربوہ کے خلاف قرآنی آیات کی بے حرمتی کرنے کے جھوٹے الزام کے تحت 295B کا مقدمہ درج کروا دیا۔ اس سے قبل ایک اور مقدمہ بھی 16MPO کے تحت کرنل ایاز محمود احمد صاحب، ماسٹر محمد حسین صاحب اور خاکسار کے خلاف درج کروایا گیا تھا۔ عدالتی کارروائی کے دوران ایڈیشنل سیشن جج چنیوٹ نے ہماری عبوری ضمانتیں کینسل کر دیں اور مکرم و محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب سمیت ہمیں گرفتار کر کے جیل بھجوا دیا گیا۔ مخالفین احمدیت نے اسے اپنی عظیم تاریخی کامیابی قرار دیا۔ اس کے متعلق بی بی سی لندن نے جو خبر نشر کی تھی اس کا متن یہ ہے: جماعت احمدیہ کے ناظم اعلیٰ مرزا مسرور احمد اور اس کے قریبی ساتھی سمیت تین اشخاص کو توہین رسالت کے خصوصی قانون کے تحت گرفتار کر لیا گیا ہے۔ انہیں اس وقت حراست میں لیا گیا جب ایڈیشنل سیشن جج نے ان کی ضمانت کی توثیق کرنے کا حکم جاری کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ جماعت احمدیہ کے ناظم اعلیٰ مرزا مسرور احمد اور دیگر تین اشخاص کے خلاف پولیس نے جو رپورٹ درج کی ہے اس میں رواں سال کے آغاز میں پنجاب اسمبلی کی ایک قرارداد کا ذکر ہے جس میں احمدی اکثریت کے حامل شہر ربوہ کا نام تبدیل کرنے کی سفارش کی گئی تھی۔ اس وقت احمدی فرقے نے اسے شہر کی شناخت تبدیل کرنے کی کوشش قرار دیا تھا۔ بعد میں جب چناب نگر کے نئے نام کا کتبہ نصب کیا گیا تو پولیس رپورٹ کے مطابق اس پر قرآن پاک کی آیت بھی تحریر کی گئی۔ شکایت کنندہ نے جو ایک رُکن اسمبلی اور مذہبی عالم مولانا منظور احمد چنیوٹی کے صاحبزادے ہیں، یہ الزام لگایا ہے کہ جماعت احمدیہ کے کارکنوں نے مرزا مسرور احمد اور ان کے قریبی ساتھی ریٹائرڈ کرنل ایاز کے حکم پر اس بورڈ کے الفاظ پر سیاہی مل کر آیت قرآنی کی تحقیر کی ہے۔ چاروں افراد کو آج اس وقت حراست میں لیا گیا جب چنیوٹ کے ایڈیشنل سیشن جج نے فریقین کے وکلاء کے دلائل سننے کے بعد ضمانت کی توثیق کرنے سے انکار کر دیا۔ آج شام ایک بیان میں جماعت احمدیہ کے ایک ترجمان نے دعویٰ کیا کہ احمدیوں کے مخالفین نے اپنے حواریوں کے ذریعہ نئے نام کے کتبوں پر سیاہی پھیری اور یہ مقدمہ درج کروا دیا۔ پاکستان میں انسانی حقوق کی تنظیمیں (توہین مذاہب کے قوانین پر یہ کہہ کر) نکتہ چینی کرتی رہی ہیں کہ ان کے بقول ان قوانین کو زیادہ تر مذہبی اقلیتوں کے خلاف استعمال کیا جاتا رہا ہے۔ اس ضمن میں تعزیرات پاکستان کی دفعہ 296C خاص طور پر مورد تنقید رہی ہے جس کے تحت توہین رسالت کا جرم ثابت ہونے کی صورت میں سزائے موت سنائی جاتی ہے لیکن 295C سے جس کے تحت ان چار افراد کو گرفتار کیا گیا ہے عمر قید کی سزا دی جا سکتی ہے۔ (شاہد ملک بی بی سی لاہور)

خاکسار کو کچھ عرصہ حضرت میاں صاحب کی ذاتی رہنمائی میں جماعتی کام کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ اس کے علاوہ جیل میں بھی آپ کی قربت میں وقت گزارنے کا موقع ملا ہے۔ کسی بھی قائد کو پرکھنے کا زمانہ مصائب کا دور ہوتا ہے۔ ہم مصائب کے دور میں حضرت میاں صاحب کے ساتھ رہے ہیں۔ آپ میں وہ تمام خوبیاں ہیں جو کسی بھی بہترین قائد میں ہونی چاہئیں۔ ہماری عبوری ضمانت کی درخواست پر ہائی کورٹ نے ہمیں ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج جھنگ کے پاس بھجوا دیا وہاں سے دوسری پیشی پر ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج چنیوٹ کو ہمارا کیس ریفر کر دیا گیا انہوں نے ہماری ضمانت کی توثیق کرنے کی بجائے ضمانت کینسل کر کے ہمیں جیل بھجوا دیا۔ خاکسار نے جیل میں پیش آنے والے واقعات کی روزانہ کی ڈائری جیل میں ہی تحریر کی تھی وہ پیش خدمت ہے۔

مورخہ 2/اپریل 1999ء کو خاکسار محمد اکبر اور ماسٹر محمد حسین صاحب کی مقدمہ نمبر 73 مورخہ 11-03-99 بجرم زیر دفعہ 2 95B تعزیرات پاکستان تھانہ چناب نگر میں عبوری ضمانت کے لیے ایڈیشنل ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج جھنگ کی عدالت میں درخواستیں دائر کی گئیں۔ بعد میں یہ کیس چنیوٹ عدالت میں بھیج دیا گیا۔ 30 اپریل 1999ء کی پیشی میں حضرت میاں صاحب، محترم کرنل ایاز محمود خان صاحب، ماسٹر محمد حسین صاحب اور خاکسار اکٹھے چنیوٹ پہنچے اور عدالت میں پیش ہوئے۔۔

ہاتھ آگے بڑھا دیئے

اپریل 30 کی بحث کے بعد ضمانتوں کی منسوخی کا فیصلہ جج صاحب نے بہت دھیمی آواز میں سنایا تھا جس کی وجہ سے حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب فیصلہ نہ سن سکے۔ انہوں نے دریافت کیا کہ کیا فیصلہ ہوا ہے تو خواجہ سرفراز صاحب نے کہا کہ جج نے ضمانتیں خارج کر دی ہیں۔ میں دوبارہ درخواست تیار کرتا ہوں اور کل ہی ضمانت کے لیے درخواست جمع کروا دونگا اور میاں صاحب کو وہاں سے خفیہ طور پر چلے جانے کا مشورہ دیا جس پر میاں صاحب نے ان کی طرف بڑے غصہ سے دیکھا اور کہا کیوں؟ اور ہمارے ساتھ اطمینان کے ساتھ کمرہ عدالت سے باہر آئے۔ برآمدے میں ایڈیشنل ایس ایچ او تھانہ ربوہ اور دیگر پولیس ملازمین نے کہا کہ چاروں ملزمان الگ ہو جائیں جس پر ہم علیحدہ ہو گئے۔ پولیس نے گرفتاری کے لیے ہتھکڑیاں آگے بڑھا دیں جس پر خاکسار محمد اکبر اور ماسٹر محمد حسین صاحب نے ہاتھ آگے کر دیئے

پولیس والوں نے ہمیں ہتھکڑی لگا دی۔محترم میاں صاحب نے بھی ہاتھ آگے کئے تو ایڈیشنل ایس ایچ او نے کہا کہ آپ رہنے دیں ۔میاں صاحب نے کہا کہ آپ اپنا فرض پورا کریں لیکن انہوں نے ایسا نہ کیا۔

عدالت سے ہم سب کو پولیس اہلکاران ہائی ایس وین میں بٹھا کر تھانہ ربوہ لے آئے راستہ میں ہتھکڑی لگانے والے پولیس ملازمین نے ہمیں ہتھکڑی کی چابی دے کر کہا کہ ہتھکڑی کھول لیں لیکن خاکسار اور ماسٹر محمد حسین صاحب نے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم اس سعادت سے محروم نہیں ہونا چاہتے جس پر وہ خاموش ہو گئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اگر گرفتاری کے وقت کی کیفیت کا ذکر نہ ہو تو تشنگی رہ جائے گی۔ہمیں ہتھکڑیاں لگتے ہی محترم سید قاسم شاہ صاحب نے پہلی مبارکباد دی اور اس کے ساتھ ہی مبارک باد کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ماسٹر صاحب نے ہتھکڑیوں کو بوسہ دیا اور خاکسار نے بھی عقیدت سے آنکھوں کو لگایا۔ پولیس والے حیرانگی سے دیکھ رہے تھے کہ یہ کیسے لوگ ہیں کہ گرفتاری پر ہتھکڑیوں کو بوسے دے رہے ہیں اور آنکھوں سے لگا رہے ہیں اور ان کے ساتھی انہیں گرفتاری پر مبارکباد دے رہے ہیں۔

عشاق کا ملاقات کے لیے آنا:

تقریباً پونے دو بجے احمدی احباب کی کثیر تعداد نے ملاقات کے لیے آنا شروع کر دیا کیونکہ جمعہ کے وقت بیت اقصیٰ میں گرفتاری کی اطلاع اور دعا کا اعلان ہو گیا تھا ۔ملاقات کا سلسلہ رات ساڑھے گیارہ بجے تک جاری رہا۔اسی دوران حوالات کے ساتھ والا کمرہ ہمیں دے دیا گیا اور رات تھانہ کے صحن میں چارپائیوں کا انتظام کر دیا گیا۔ ملاقات کے لیے آنے والے احباب کی کثرت کی وجہ سے حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب اور محترم کرنل ایاز محمود احمد خان صاحب تھانہ میں کھڑے سب سے ملتے رہے۔ کھڑے کھڑے کئی گھنٹے گزر گئے جس پر خاکسار نے رشید احمد صاحب کارکن نظارت اُمور عامہ سے کہا کہ میاں صاحب اور کرنل صاحب بہت دیر سے کھڑے ہیں اب دوستوں سے جانے کی درخواست کریں تا کہ انہیں تھوڑے سے آرام کا موقع مل جائے۔ جس پر رشید صاحب نے کچھ احباب سے جانے کی درخواست کی لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کوئی بھی جانے کے لیے تیار نہیں تھا اور بزرگوں کی صحبت میں زیادہ سے زیادہ وقت گزارنا چاہتے تھے۔ملاقاتیوں میں ہر طبقہ کے لوگ تھے۔عجیب ایمان افروز نظارہ تھا۔عام حالات میں اچھے برے کام کرنے والے بھی اس وقت فکرمند اور پریشان نظر آرہے تھے اور اپنے اپنے رنگ میں اپنی خدمات پیش کر رہے تھے جس پر میاں صاحب اور کرنل صاحب مسکراتے ہوئے ان کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔خدام الاحمدیہ نے تھانہ کے سامنے اور بائیں طرف کیمپ لگا دیئے تھے۔نماز عصر کے وقت میاں صاحب نے ماسٹر محمد حسین صاحب کو امامت کروانے کا فرض سونپ دیا جس کے بعد نمازوں کی امامت ماسٹر صاحب ہی کرواتے رہے۔رات بارہ بجے سب سونے کے لیے لیٹ گئے۔ ناصر ظفر بلوچ صاحب بھی اپنی چارپائی تھانہ میں لے آئے خاکسار اور وہ باتیں کرتے رہے اسی اثناء میں آندھی چلنا شروع ہو گئی اور آسمان پر بادل چھا گئے اور بجلی بند ہو گئی۔تقریباً آدھ گھنٹے کے بعد بجلی بحال ہوئی لیکن کچھ دیر بعد بجلی پھر بند ہو گئی۔ میرے خیال میں ہم سب پوری رات میں شائد ہی کچھ دیر سو سکے ہونگے۔نماز فجر کے بعد پھر ملاقات کے لیے لوگوں کا تانتا بندھ گیا۔سات بجے کے قریب ایک سپاہی ہم سب کو باری باری ناصر ظفر بلوچ صاحب کے گھر تیار کروانے کے لیے لے گئے۔

جھنگ جیل روانگی

تیاری کے بعد پولیس نے ہمیں جھنگ جیل روانگی کے لیے کہا تو ہم سب تھانہ سے باہر آ گئے اور گیٹ پر کھڑی وین میں بیٹھ گئے۔تھانہ کے گیٹ سے لے کر مین سڑک تک سڑک کے دونوں طرف لوگوں کا ہجوم کھڑا تھا اور سب لوگ سلام کرنے کے لیے دیوانہ وار گاڑی کی طرف لپک رہے تھے۔گاڑی چلنے سے قبل ملک خالد مسعود صاحب ناظر امور عامہ ربوہ نے محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب سے دعا کروانے کی درخواست کی جس پر محترم میاں صاحب نے دعا کروائی۔دعا کے دوران احباب پر رقت طاری ہو گئی جس پر میاں صاحب نے مختصر سی دعا کروائی اور دعا کے بعد ڈرائیور کو گاڑی چلانے کا حکم دیا۔ S-H-O دوسری گاڑی میں بیٹھ گیا۔قافلہ کی صورت میں روانگی ہوئی۔ دریائے چناب کے پل کے پاس محترم مرزا عبدالحق صاحب امیر جماعت احمدیہ سرگودھا کی گاڑی بھی قافلہ میں شامل ہو گئی۔قافلہ جب ریسٹ ہاؤس چنیوٹ پہنچا تو ایک سابقہ پولیس آفیسر حمید اللہ قریشی صاحب اور دیگر احمدی احباب پہلے سے وہاں موجود تھے۔ہمیں ریسٹ ہاؤس کے احاطہ میں لے جایا گیا۔ SHO مجسٹریٹ کی عدالت سے ہمارے لئے جھنگ جیل کے آرڈر کروا لایا۔ محترم مرزا عبدالحق صاحب اور دیگر احباب جماعت نے ہمیں چنیوٹ ریسٹ ہاؤس سے الوداع کر دیا اور ہم جھنگ جیل کے لئے روانہ ہو گئے۔راستہ میں کھیوا کے قریب ہوٹل پر رُک کر سارے قافلے نے کھانا کھایا اور دوبارہ جھنگ کے لئے روانہ ہو گئے۔ جھنگ پہنچ کر جب ہم لوگ جیل کے گیٹ پر پہنچے تو باقی تمام گاڑیاں باہر رُک گئیں جبکہ ہماری گاڑی اندرونی گیٹ تک لے جائی گئی۔باقی دوست پیدل ہی وہاں تک آ گئے محترم سید قاسم احمد شاہ صاحب ،صاحبزادہ مرزا ادریس احمد صاحب ، نواب فاروق احمد صاحب ،صاحبزادہ مرزا وقاص احمد صاحب ، شاہد سعدی



صاحب ، چوہدری ظہور احمد صاحب امیر جماعت احمدیہ جھنگ اور دیگر احباب جماعت نے ہمیں جیل کے گیٹ تک پہنچایا۔ (چوہدری ظہور احمد امیر جماعت ضلع جھنگ)

جیل میں تکالیف کا آغاز

اس کے بعد ماسٹر منیر احمد صاحب ہمارے ساتھ جیل کے ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کے کمرہ تک گئے وہاں کرنل صاحب اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کی بات چیت ہوئی۔ ڈپٹی نے کہا کہ آپکو اے کلاس بیرک میں رکھا جائے گا اور جیل کے چیف کو بلا کر اسے ہدایات دے کر ہمیں اس کے ساتھ جیل کے اندر بھجوا دیا۔ وہ ہمیں اے کلاس بیرک میں لے آئے۔ جب ہم بیرک میں داخل ہوئے تو یکدم سناٹا چھا گیا۔ بیرک کی دیواروں کے ساتھ بستر بچھے ہوئے تھے اور درمیان میں بمشکل گزرنے کا راستہ تھا۔ بیرک کے اندر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کسی تنگ سی جگہ پر ڈھیر ساری بھیڑ بکریوں کو بند کر کے رکھا ہو۔ چیف نے وہاں موجود قیدیوں کو بتایا کہ یہ لوگ بھی آپ لوگوں کے ساتھ رہیں گے انہیں بھی جگہ بنا دیں۔ جس پر ایک دو آدمیوں نے کہا کہ ٹھیک ہے جگہ دے دیں گے۔ یہ کہہ کر چیف صاحب واپس چلے گئے۔ ہم وہاں کا ماحول دیکھ کر حیران کھڑے تھے کہ ایک داڑھی والے شخص نے ہمیں ایک ٹین کے کنستر کے پاس بیٹھنے کی دعوت دی لیکن ہم کھڑے ہی رہے اور اس تردّد میں تھے کہ بیٹھیں یا نہ بیٹھیں۔ ہمیں تردّد میں مبتلا دیکھ کر محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خود نیچے بیٹھ گئے اور ہمیں بھی کہا کہ بیٹھ جائیں ان کے کہنے پر ہم بھی بیٹھ گئے۔ داڑھی والا شخص بھی ہمارے پاس آ گیا اور اپنا تعارف کروایا اور کہا کہ وہ اور اس کا چھوٹا بھائی قتل کے مقدمہ میں دفعہ 302 میں بند ہیں اور ہمارے تعارف اور جرم کے متعلق دریافت کیا۔ حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب نے نہایت مختصر جواب دیا کہ ہم ربوہ کے رہنے والے ہیں ۔ ہمارے شہر کا نام تبدیل کر کے ہمارے ہی خلاف نئے نام کے بورڈ پر سیاہی پھیرنے کے الزام میں مقدمہ درج کر کے جیل بھجوا دیا گیا ہے۔ لیکن جواب ایسے انداز میں دیا کہ اسے دوبارہ سوال کرنے کی جرات نہ ہوئی۔ ابھی ان سے بات ختم ہوئی ہی تھی کہ دوسری طرف بیٹھے گروپ نے مجھے آواز دی کہ اِدھر آ جائیں لیکن میں بیٹھا رہا جس پر حضرت میاں صاحب نے مجھے کہا کہ جاؤ بھئی سن لو ان کی باتیں میں اُٹھ کر ان کے پاس چلا گیا انہوں نے مجھ سے محترم میاں صاحب اور کرنل صاحب کے متعلق دریافت کیا کہ یہ کون ہیں۔ میں نے انہیں جواب دیا کہ یہ ہمارے صاحب ہیں۔ یہ جواب سنتے ہی میرے ساتھ بیٹھے ہوئے موچھوں والے شخص نے اونچی آواز میں اپنے ساتھیوں کو تنبیہہ کی کہ ''اُوئے اے صاحب سیشن صاحب نے۔ دھیان نال گل کریو، انکوائری آئی جے۔''

میں نے انہیں بتایا کہ صاحب سیشن جج نہیں ہیں اس وقت ہم آپ کے ساتھی ہیں لیکن وہ میری بات پر یقین کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ میرے استفسار پر ان میں سے ایک نے بتایا کہ قیدی کا جیل میں پینٹ شرٹ پہننے کا تصور ہی نہیں ہے۔ پینٹ شرٹ صرف صاحب لوگ ہی پہنتے ہیں اور بیگ لانا بھی منع ہے یہاں ٹین کے کنستر ہی بیگ یا صندوق کی جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ (کیونکہ ہمارے پاس بیگ بھی تھے اور کرنل صاحب نے پینٹ شرٹ پہن رکھی تھی) اس لئے وہ ہمیں قیدی ماننے کے لئے تیار نہیں تھے۔

جب انہیں مکمل یقین آ گیا کہ ہم لوگ واقعی ان کے نئے ساتھی ہیں تو انہوں نے اپنی اپنی اصلیت پر آنا شروع کر دیا۔ ہر آدمی بڑے فخر سے بتاتا کہ اس نے قتل کیا ہے یا ڈاکہ ڈالا ہے۔ ڈاکوؤں کو اور خطرناک قیدیوں کو بیڑیاں لگی ہوئی تھیں اور ان کے آنے جانے سے چھن چھن کی آوازیں آتی تھیں۔ کچھ دیر بعد پرانے قیدیوں نے کھل کھلا کر آپس میں گندی گالیوں اور غلیظ اور لچر زبان کا استعمال شروع کر دیا۔ میں بھی ان لوگوں کے پاس سے اُٹھ کر اپنے ساتھیوں کے پاس بیٹھ گیا جو پہلے ہی بڑی تنگ جگہ پر بڑی مشکل سے بیٹے ہوئے تھے۔ جس جگہ پر ہم بیٹھے ہوئے تھے وہ جگہ کھڈے کے نام سے موسوم ہوتی ہے اور وہ ایک کنستر ٹین کے ڈبے کے برابر چوڑی اور قریباً چھ فٹ لمبی ہوتی ہے۔ جس پر ایک آدمی لیٹ سکتا ہے ایک آدمی کے لیٹنے کی جگہ پر چار آدمیوں کا بیٹھنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ کرنل صاحب دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر سو گئے جب کہ محترم میاں صاحب ہمارے ساتھ خوش دلی سے باتیں کرتے رہے۔ کچھ دیر بعد جیل کا ایک ہرکارہ مجھے بلانے آ گیا کہ آپکی ملاقات آئی ہے (یعنی آپکو کوئی ملنے آیا ہے) محترم میاں صاحب سے اجازت لے کر میں ملاقات کے لئے چلا گیا۔ ملاقات والی جگہ پر ماسٹر منیر احمد صاحب موجود تھے۔ سلام دعا کے بعد انہوں نے پوچھا کہ کوئی تنگی تو نہیں ہے؟ میں نے انہیں تلخی سے جواب دیا کہ کوئی تنگی نہیں ہے۔ آپ لوگ صرف یہ مہربانی کر دیں کہ میاں صاحب اور کرنل صاحب کے لئے بیٹھنے کے لئے جگہ لے دیں کیونکہ پرانے قیدی ہمیں جگہ دیتے نظر نہیں آتے۔ پرانے قیدیوں نے چیف کے سامنے جگہ دینے کا وعدہ تو کیا تھا لیکن اب ان کے آثار ٹھیک نہیں ہیں۔ ماسٹر منیر صاحب نے کہا کہ آج رات تنگی ہے کسی نہ کسی طرح گزارہ کر لیں انشاء اللہ کل انتظام ہو جائے گا کیونکہ سپرنٹنڈنٹ جیل جھنگ میں نہیں ہیں اور ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ کچھ نہیں کرے گا۔ ان کی یہ بات سن کر مجھے بہت مایوسی ہوئی۔ واپسی پر میں نے میاں صاحب کو ساری رپورٹ دی تو آپ مسکرا دیئے لیکن میری تشویش کم نہ ہوئی۔ میں نے میاں صاحب سے درخواست کی کہ میاں صاحب اگر آپ اجازت دیں تو کرنل صاحب سے چٹھی لکھوا کر ڈپٹی کمشنر صاحب کو بھجوا دیں مجھے یقین ہے کہ وہ

ہمارے لئے بی کلاس کے آرڈر کر دیں گے کیونکہ بی کلاس کی صورت حال اے کلاس سے بہت بہتر تھی وہاں چند قیدی تھے جب کہ اے کلاس بیرک 40 لمبا اور 20 فٹ چوڑا ہال ہے اس کے آگے گیلری نما برآمدہ ہے جو موٹی سلاخوں سے بند ہے تقریباً 20 فت لمبی اور چوڑی جگہ پر دو غسل خانے اور دو ٹائلٹ اور ایک سٹور بنا ہوا ہے سٹور اور ہال میں تل دھرنے کی جگہ نہ تھی ۔میاں صاحب نے میری درخواست پر مسکراتے ہوئے کہا کہ یہ بھی کر دیکھو۔میں نے کرنل صاحب کو جگایا اور اُن سے ڈی سی صاحب کو چٹھی لکھنے کی درخواست کی تو انہوں نے غنودگی کے عالم میں چٹھی لکھ دی۔میں نے وہ چٹھی اپنے رُقعہ کے ساتھ ماسٹر منیر احمد صاحب کو ڈی سی صاحب کو دینے کے لئے بھجوا دی۔بعد میں جہاں ہم بیٹھے تھے اس کھڈے کا مالک آ گیا اس نے آتے ہی کرنل صاحب کے نیچے سے اپنے سامان والا تھیلا کھینچنا شروع کر دیا جس کی وجہ سے کرنل صاحب جاگ گئے تو اس نے کرنل صاحب کو کہا کہ آپ دوسری طرف ہو جائیں۔دوسری طرف بیٹھنے کی جگہ نہ تھی۔جس پر کرنل صاحب اور میاں صاحب ٹہلتے ہوئے برآمدے میں چلے گئے۔جیل کے اندر آتے ہوئے ہماری بے سروسامانی کا یہ عالم تھا کہ ہمارے پاس زمین پر بچھانے کے لئے بھی کوئی کپڑا یا چیز نہیں تھی کہ جسے ہم بچھا کر اپنے بزرگوں کو بٹھا سکتے۔ایک آدمی نے مجھے کہا کہ اب آپ اپنا سامان وہاں سے اُٹھا لیں اور ایک جگہ کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ یہاں رکھ لیں۔وہ جگہ یعنی کھڈا ایک گھی کے کنستر کے برابر تھی اور ہمارے پاس تین بیگ اور پانی کا ایک کولر تھا۔میں نے اور ماسٹر صاحب نے سامان اُٹھا کر دوسری جگہ پر اوپر نیچے کر کے رکھ لیا۔اسی دوران ہمارے لئے صفیں اور دریاں پہنچ گئیں۔بیرک کے صحن میں ایک کونے میں تھوڑا سا سایہ تھا لیکن اس کے ساتھ ہی کوڑے کا ڈھیر لگا ہوا تھا۔میں نے سایہ والی جگہ پر دو صفیں بچھا دیں اور ہم ان صفوں پر بیٹھ گئے کیونکہ اندر کے ماحول سے یہ ماحول بہر حال بہتر تھا۔میاں صاحب بیرک کے برآمدے کے دروازے پر ہاتھ رکھے کھڑے تھے اور ایک شخص سے باتیں کر رہے تھے۔انہوں نے مجھے بلا کر کہا کہ اکبر اندر پڑے ہوئے سامان کا بھی خیال رکھو۔میں ان کے حکم کی تعمیل میں اندر چلا گیا۔بیرک کا ماحول کافی کشیدہ ہو چکا تھا۔بیرک میں موجود قیدی ٹولیوں کی شکل میں آپس میں صلاح مشورہ کر رہے تھے۔اس کے بعد سارے قیدیوں کے تیور بدلنا شروع ہو گئے۔ایک آدمی نے میرے پاس سے گزرتے ہوئے بڑی نفرت سے کہا لَعنَتُ اللہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ کہا۔اس کے بعد میں اور ماسٹر محمد حسین صاحب باہر نکلے تو پاس سے گزرتے ہوئے ایک اور شخص نے ایسے ہی کلمات کہے۔جس پر ہمارے ماتھے ٹھنکے کہ ضرور کوئی گڑ بڑ ہے۔میں دوبارہ ان قیدیوں کے درمیان سے گزرتا ہوا غسل خانہ میں چلا گیا تو ایک مشقتی میرے پیچھے وہاں آ گیا۔اس نے مجھے بتایا کہ صاحب آپ لوگوں کے متعلق رات بی بی سی نے خبر دی تھی کہ آپ لوگوں نے قرآنی آیات مٹائی ہیں اور یہ بات ساری بیرک کے قیدیوں کو معلوم ہو چکی ہے۔میں نے محترم میاں صاحب اور کرنل صاحب کو رپورٹ دی اور بتایا کہ ان قیدیوں کے تیور اچھے نہیں لگتے ہیں۔میاں صاحب نے مجھے اور ماسٹر صاحب کو دوبارہ جائزہ لینے کے لئے اندر بھیجا۔جب ہم بیرک کے اندر پہنچے تو ایک آدمی نے ہمیں کہا کہ آپ لوگ اپنا کہیں اور بندوبست کر لیں ہمارے پاس آپ کے لئے جگہ نہیں ہے بہتر ہے کہ باہر انتظام کر لیں۔پہلے برآمدہ خالی تھا لیکن اسی دوران بیس بائیس نئے آنے والے قیدی ہماری صفیں بچھا کر وہاں براجمان ہو چکے تھے۔خاکسار کو بڑی پریشانی لاحق ہوئی ایسے پر مصائب حالات میں جب بیٹھنے کے لئے جگہ نہ ہو اور ہر وقت بیڑیوں کی چھن چھن سنائی دے رہی ہو اور وہاں کے لوگ جو لچر زبان استعمال کرتے ہیں اس کا باہر تو تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔اس پر پوری بیرک کے قیدی جن میں سے کوئی قاتل ہے اور کوئی ڈاکو ہے سب چھٹے ہوئے بدمعاش ہیں اور انہوں نے ہمارے خلاف محاذ بنا لیا ہے آدمی پریشان نہ ہو تو اور کیا کرے۔کیونکہ بیرک لاک ہونے کے بعد اندر کوئی ہنگامہ ہو جائے تو بیرونی مدد آنے سے قبل کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ان لوگوں کے خطرہ کے پیش نظر خاکسار اور ماسٹر محمد حسین صاحب نے مل کر پروگرام بنایا کہ ہم رات کو باری باری جاگ کر پہرہ دیں گے اور صحن میں بستر بچھائیں گے۔یہ بات ہمارے علم میں نہ تھی کہ رات کو بیرونی دروازے کی بجائے بیرک کا اندرونی دروازہ لاک کیا جاتا ہے یہ بات ہمیں اس وقت معلوم ہوئی جب شام سوا پانچ بجے کے قریب نئے ملاحظہ کے لئے منشی آ گیا اور ات اس نے حوالاتیوں کو صحن مین لائن میں بٹھا کر حاضری لگانا شروع کر دی۔وہاں ہی قیدی اور حوالاتی کے فرق کا پتہ چلا۔قیدی اس شخص کو کہتے ہیں جس کے کیس کا فیصلہ ہو چکا ہو اور عدالت نے اس کو سزا سنا دی ہو جبکہ حوالاتی اس شخص کو کہتے ہیں جس پر مقدمہ درج کر کے جیل بھجوا دیا گیا ہو اور اسے عدالت کی طرف سے سزا نہ ملی ہو۔اس لحاظ سے ہم بھی حوالاتیوں کے زمرے میں آتے تھے۔میں نے حضرت میاں صاحب، کرنل ایاز محمود احمد خان صاحب، ماسٹر محمد حسین صاحب اور اپنی حاضری لگوائی۔حاضری سے فراغت کے بعد سنتری نے ہمیں کہا کہ برآمدے میں جائیں۔ہم نے برآمدے کا دروازہ لاک کرنا ہے۔برآمدے میں نا ہی لائٹ کا انتظام تھا اور نہ ہی کوئی پنکھا لگا ہوا تھا۔مزید سونے پر سہاگے والا کام یہ ہوا کہ چوبیس بائیس نئے حوالاتی آئے تھے وہ بھی برآمدے میں ڈیرہ ڈال چکے تھے۔

بیرک خالی ہوگئی

ان مخدوم حالات کے پیش نظر میں نے کرنل صاحب سے کچھ کرنے کی

درخواست کی تو کرنل صاحب نے مجھے جواب دیا کہ میاں صاحب کی موجودگی میں میں اپنے آپ کچھ نہیں کروں گا۔ میاں صاحب سے اس سلسلہ میں بات کرنے کی مجھے ہمت نہ ہوئی۔ میاں صاحب صحن میں ٹہل رہے تھے ماسٹر محمد حسین صاحب نے ان سے بات کی تو وہ ٹہلتے ٹہلتے اچانک ہمارے پاس آ گئے اور کرنل صاحب کو حکم دیا کہ آپ جیل کے انچارج سے بات کریں جس پر کرنل صاحب بشاشت سے کھڑے ہو گئے کیونکہ وہ خود بھی بات کرنا چاہ رہے تھے لیکن میاں صاحب کے حکم کے منتظر تھے۔ انہوں نے مجھے بھی اپنے ساتھ آنے کا کہا تو میں بھی ساتھ چل پڑا۔ جب ہم باہر نکلے تو بیرک کا سنتری ہمیں روک کر بیرک کا دروازہ لاک کرنے پر اصرار کرنے لگ گیا اور کہنے لگا کہ جیل کا چیف آپ کے پاس خود ہی آ جائے گا وہاں موجود ایک شخص نے کہا کہ چھوڑیں جی ان سنتریوں کا تو یہی کام ہے یہ تو کہتے ہی رہتے ہیں آئیں میں آپ کو ان کے افسران تک پہنچا دیتا ہوں۔ باہر نکل کر اس نے چکر نامی جگہ تک ہماری رہنمائی کی اور دور بیٹھے ہوئے آدمیوں کی طرف اشارہ کر کے خود واپس چلا گیا۔ مذکورہ جگہ پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل اور اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل بیٹھے ہوئے تھے جب کہ ان کے پاس جیل کا چیف کھڑا تھا۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ جیل کے سامنے ایک کرسی خالی پڑی تھی۔ ڈپٹی سخت اور کرخت قسم کا آدمی تھا۔ کرنل صاحب اس کے سامنے والی کرسی کھینچ کر بیٹھ گئے چونکہ کرنل صاحب کی جیل میں داخلہ کے وقت ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ سے بات ہوئی تھی اور ڈپٹی نے وعدہ کیا تھا کہ جیل میں اچھی جگہ دے گا یعنی اے کلاس دے گا اس لئے کرنل صاحب نے جاتے ہی کہا کہ ڈپٹی صاحب آپ نے ہمیں اے کلاس کے نام پر کہاں بھجوا دیا ہے؟ ڈپٹی نے کہا کہ آپ کو اے کلاس میں ہی بھجوایا ہے۔ کرنل صاحب نے سختی سے کہا کہ آپ اسے اے کلاس کہتے ہیں جس میں انسانوں کو جانوروں کی طرح ٹھونسا ہوا ہے اور تل دھرنے کی جگہ نہیں ہے؟ آپ ہمیں ہمارے معیار کے مطابق جگہ دیں۔ ہم مجرم نہیں ہیں۔ جس پر ڈپٹی نے کہا کہ آپ باہر نہ پھریں آپ کا اس طرح پھرنا درست نہیں ہے۔ آپ بیرک میں پہنچیں میں بیرک خالی کروا کر صفائی کروا دیتا ہوں۔ کرنل صاحب نے پوچھا کہ کیا یہ ممکن ہے؟ ڈپٹی نے جواب دیا کہ ہاں اس پر کرنل صاحب نے کہا کہ پھر سٹاف کو حکم کر دیں۔ میں سمجھ رہا تھا کہ شاید ڈپٹی ہمارے ساتھ مذاق کر رہا ہے کیونکہ ہمیں بیٹھنے کی جگہ کی مشکل تھی پوری بیرک کا تو میرے ذہن میں تصور بھی نہیں تھا۔ ڈپٹی نے پاس کھڑے چیف کو حکم دے دیا کہ سب نمبرداروں کو بلالو اور اے کلاس بیرک خالی کروا دو۔ جب میں اور کرنل صاحب واپسی کے لئے چلے تو اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل ہمارے ساتھ ہی ہماری بیرک میں آ گیا۔ اس نے وہاں موجود قیدیوں کو دوسرے سیلز میں منتقل ہونے کو کہا تو قیدیوں نے وہاں سے جانے سے انکار کر دیا اور احتجاجاً باہر نکل کر ہنگامہ کھڑا کر دیا کہ ربوہ والوں کو کسی اور سیل میں شفٹ کر دیں ہم نہیں جائیں گے۔ ہنگامہ کی اطلاع ملنے پر ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ خود بھی موقع پر آ گیا اور اس نے مزید لٹھ بردار بھی بلوا لیے اور قیدیوں کو سختی سے کہا کہ بیرک خالی کر دیں۔ لٹھ بردار عملہ نے سب کو بیرک سے نکال دیا لیکن وہ پھر بھی اپنا کچھ سامان سٹور میں رکھ کر تالا لگا گئے۔ بیرک خالی ہونے پر عملہ نے مشقتیوں کو بلوا کر صفائی کروا دی۔ ہم نے وہاں بستر بچھا لئے اور اللہ کا شکر ادا کیا کیونکہ کچھ دیر قبل اسی بیرک کے رہائشی ہمیں یہاں سے دھکیل رہے تھے۔ اللہ کی شان ہے کہ ان کو منہ کی کھانی پڑی اور وہی بیرک سے نکال دیئے گئے۔ صبح صبح ہی جیل انتظامیہ نے مشقتی صفائی کے لئے بھجوا دئے جنھوں نے ساری بیرک پانی سے دھوئی اور صحن میں پانی کا چھڑکاؤ کیا لیکن بیرک کے پانی کی بحالی کے سلسلہ میں مرمت کا کام فوری طور پر نہ ہو سکا جس کی وجہ سے ہم بی کلاس بیرک میں جا کر اس کا باتھ روم استعمال کرتے رہے۔ کرنل صاحب ابھی بھی کلاس میں ہی تھے کہ سپرنٹنڈنٹ جیل کا بلاوا آ گیا۔ میں نے اہلکار کو بتایا کہ وہ نہا رہے ہیں جس پر وہ پیغام دے کر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ پھر بلانے آ گیا محترم میاں صاحب اسکے ساتھ چلے گئے۔ بعد میں کرنل صاحب بھی تیار ہونے کے بعد سپرنٹنڈنٹ جیل کے پاس چلے گئے۔ اسی دوران چند مشقتی سفیدی لے کر آ گئے انہوں نے دونوں غسل خانے اور لیٹرینیں سفیدی کر دیں۔

سپرنٹنڈنٹ جیل بھی آ گیا

محترم میاں صاحب کی واپسی پر معلوم ہوا کہ جب گزشتہ رات کرنل صاحب کی بات چیت کے نتیجہ میں ڈپٹی نے بیرک خالی کروانا شروع کی تھی اسی وقت سپرنٹنڈنٹ جیل بھی آ گئے تھے اور انہوں نے بھی ڈپٹی کو بیرک خالی کروانے کی ہدایت جاری کر دی تھی۔ اصل بات بیرک کا خالی ہونا نہیں ہے جو بات میں وضاحت کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے نفیس بزرگان قاتلوں، چوروں، راہزنوں اور بدمعاشوں کے ماحول میں بیٹھ کر ان کی لچر اور غلیظ گفتگو سن کر مضطرب اور بے چین تھے۔ محترم میاں صاحب بے چینی سے ٹہل رہے تھے اور یقیناً دعائیں کر رہے تھے۔ انہوں نے بیرک بند ہونے کے آخری لمحات میں اچانک کرنل صاحب کو جیل انتظامیہ سے بات کرنے کا حکم دیا ان کے اس ایکشن کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے کہ سپرنٹنڈنٹ جیل جس نے اگلے روز واپس آنا تھا وہ بھی آ گیا اور ڈپٹی بھی بیرک خالی کروانے پر تیار ہو گیا اور وہی عملہ جو ہمیں بھیڑ بکریوں کی طرح برآمدہ میں ٹھونسنا چاہتا تھا وہی عملہ ہمارے آگے پیچھے پھرنے لگ گیا اور انہوں نے خود سر پر کھڑے ہو کر ہماری بیرک کو دُھلوایا اور ہمیں خادم بھی (فراہم) کر دیئے۔ چند گھنٹوں کے ابتلاء کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلوں اور احسانوں کی بارش کر دی۔ احمدی احباب کی طرف

سے وافر مقدار میں فروٹ اور دیگر کھانے پینے کی اشیاء آتی تھیں ۔ کھانا محترمہ صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ جھنگ اور ماسٹر منیر احمد صاحب کی طرف سے پک کر آتا تھا۔ محترم صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب نے خاکسار کو حکم دیا کہ ضرورت سے زیادہ سامان سٹاک نہیں رکھنا جو زیادہ سامان ہو وہ قیدیوں اور عملہ میں بانٹ دیا کرو۔ ان کے حکم کے مطابق خاکسار تمام وافر سامان تقسیم کر دیتا۔ ہمیں آگ جلانے کے لئے انگیٹھی اور کوئلے فراہم کر دیئے گئے۔ اس کے علاوہ چائے بنانے کے لئے دودھ پتی اور چینی بھی فراہم کر دی گئی۔ تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے پہلی دفعہ آگ جلانے میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑا سارے کمرے میں دھواں پھیلنا شروع ہو گیا بڑی مشکل سے خاکسار نے آگ جلائی اس کے بعد چائے بنانے کا مرحلہ شروع ہوا۔ خاکسار کو چائے بنانی نہیں آتی تھی ۔ پہلے دن چائے کرنل صاحب نے اور خاکسار نے مل کر بنائی اس کے بعد روٹین بن گئی کہ فجر کی نماز کے بعد خاکسار اور کرنل صاحب انگیٹھی جلا کر چائے بنانے لگ جاتے تھے اور میاں صاحب قرآن کریم کی تلاوت کرنے لگ جاتے۔ چائے تیار ہونے پر ہم سب مل کر چائے پیتے۔ دن کے اوقات مین جیل کی زنانہ بیرک میں تعینات ایک احمدی خاتون ہمیں چائے پہنچا دیتیں۔

خود کام کرتے

میری شروع سے حتی المقدور کوشش تھی کہ میرے بزرگوں کو کوئی کام نہ کرنا پڑے۔ اس سلسلہ میں ماسٹر محمد حسین صاحب بھی میرا بھرپور ساتھ دیتے رہے۔ لیکن میاں صاحب اور کرنل صاحب جہاں بھی انہیں موقع ملتا خود کام کرنا شروع کر دیتے۔ برتن دھو لیتے ۔ مجھے اس بات کا افسوس ہوتا کہ میاں صاحب ہمیں اس سعادت سے کیوں محروم رکھنا چاہتے ہیں۔ جیل میں مسلسل کھیڑی کے استعمال کی وجہ سے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے اور معمولی سا ٹمپریچر ہو گیا۔ جب میاں صاحب کو پتہ چلا تو میاں صاحب نے مجھے دوا دی جس سے میری تکلیف کم ہو گئی اور طبیعت بھی ٹھیک ہو گئی۔ خاکسار جیل میں اپنے ساتھ چپل وغیرہ نہیں لے کر آیا تھا اور ہر وقت سینڈل (کھیڑی) استعمال کرتا رہا جس کی وجہ سے پاؤں میں چھالے پڑ گئے۔ محترم میاں صاحب نے شفقت فرماتے ہوئے جماعتی انتظامیہ کو کہہ کر خاکسار کو چپل منگوا دی جس کی وجہ سے تکلیف میں کمی کے ساتھ ساتھ آمدورفت اور معمول کے کاموں میں بھی آسانی ہو گئی۔ ایک دن جب محترم میاں صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متبرک کپڑے کا بیج میری جیب پر لگایا تو میری خوشی کی انتہا نہ رہی۔ میرا دل شکرگزاری کے جذبات سے اس قدر لبریز ہوا کہ مجھے شکریہ ادا کرنے کے الفاظ نہ مل رہے تھے۔ آٹھ بجے تک وہ بیج میرے سینے پر لگا رہا اور میں اس کی برکات حاصل کرتا رہا۔ اس سے قبل یہی بیج محترم میاں صاحب نے کرنل ایاز صاحب اور ماسٹر محمد حسین صاحب کو بھی لگایا تھا۔ **اصل تحفہ قرآن ہے** ایک دن میاں صاحب نے مجھ سے دریافت کیا کہ قرآن مجید، درّثمین، کلام محمود اور درعدن بھجوائی گئی ہیں یا نہیں؟ کیونکہ سعدی صاحب کو چٹھی بھجوائی گئی تھی کہ قرآن مجید، درّثمین، کلام محمود اور دُرِعدن بھجوا دیں اور انہیں پھر دو یاد ہانیاں بھی کروائی تھیں میں نے نفی میں جواب دیا تو آپ نے فرمایا کہ انتظامیہ کو لکھ دو کہ اب ہم اس وقت تک کوئی تحفہ قبول نہیں کریں گے جب تک قرآن کریم نہ بھجوایا گیا کیونکہ اصل تحفہ تو وہی ہے۔ میں نے حسب الحکم سعدی صاحب کو چٹھی لکھ کر بھجوا دی۔

جیل کی زندگی

جیل کی زندگی بڑی عجیب تھی۔ ساڑھے پانچ بجے شام گنتی کی گھنٹی بجتی تھی اس کے ساتھ ہی سب کو بیرک میں بند کر دیا جاتا۔ ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے کسی پنجرے میں بند کر دیا گیا ہو۔ دن کے اوقات میں ہماری بیرک کے گیٹ پر سنتری کھڑا ہوتا جو کھٹکھٹانے پر گیٹ کھول دیتا لیکن رات کو بیرک بند کرنے کے بعد چابی دفتر میں جمع کروا دی جاتی۔ آزادی واقعی بہت بڑی نعمت ہے اس کا احساس جیل میں آکر بہت اچھی طرح سے ہو جاتا ہے۔ جماعت احمدیہ جھنگ نے بڑی محبت کے ساتھ ہمارا خیال رکھا۔ تمام ضروریات زندگی پہنچائیں لیکن پھر بھی قید قید ہی ہوتی ہے۔ اس کے باوجود سب کے حوصلے بلند رہے اور ہر قسم کی قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنے کے لئے تیار تھے۔ محترم میاں صاحب ہمارے حوصلے بلند رکھنے اور مصروف رکھنے کی غرض سے فارغ اوقات میں ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفاء کے دلچسپ اور ایمان افروز واقعات سناتے رہے۔ ایک دن محترم میاں صاحب نے ماسٹر محمد حسین صاحب سے کہا کہ آؤ بھئی بیت بازی کا مقابلہ ہو جائے۔ اس وقت خاکسار اور کرنل ایاز محمود صاحب بھی میاں صاحب کے پاس ہی بیٹھے تھے لیکن ماسٹر صاحب کچھ کترا رہے تھے۔ ہم نے انہیں حوصلہ دے کر مقابلہ شروع کروا دیا لیکن چند اشعار کے بعد ہی ماسٹر صاحب چپ ہو گئے۔ محترم میاں صاحب نے انہیں چلانے کے لئے ان کی جگہ پر خود بھی شعر پڑھے لیکن ماسٹر صاحب کی ہمت بالکل جواب دے گئی۔ میاں صاحب کا مطالعہ بہت وسیع ہے اور انہیں دُرِّثمین وغیرہ کے اشعار ازبر ہیں۔



اس کے بعد میاں صاحب نے مجھے بیت بازی کے مقابلہ کی دعوت دی ماسٹر صاحب نے بھی مجھے مقابلہ کرنے کے لئے زور لگایا لیکن مجھے اپنی کم علمی کا پتہ تھا اس لئے میں نے معذرت کر ڈالی۔

رہائی کی بشارات

8-5-99 کو محترم کرنل ایاز محمود احمد خان صاحب نے بتایا کہ رات انہیں

خواب میں سیدہ طاہرہ صدیقہ صاحبہ ملی ہیں اور انہوں نے کہا ہے کہ میں آپ لوگوں کو شہادت دینے آئی ہوں میاں صاحب نے خواب سن کر فرمایا کہ مبارک خواب ہے انشاء اللہ ہماری بے گناہی ثابت ہوگی۔ ایک خاتون نے ملاقات کے دوران محترم میاں صاحب کو بتایا کہ رات میں بہت دعا کرتی رہی اور دعا کرتے کرتے سوگئی تو مجھے خواب میں یہ مصرعہ سنائی دیا۔ ”خدا رُسوا کرے گا تم کو اور میں اعزاز پاؤں گا۔“

سوموار والے دن یعنی مورخہ 10-5-99 صبح کے وقت محترم میاں صاحب کے چہرے پر بہت زیادہ اطمینان اور اعتماد کے ساتھ ہلکی ہلکی مسکراہٹ بھی تھی۔ ماسٹر محمد حسین صاحب نے حسب معمول پوچھا کہ آج کسی نے کوئی خواب دیکھی ہے؟ میاں صاحب نے فرمایا کہ ہاں رات مجھے خواب میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع (رحمہ اللہ) اور والد محترم حضرت مرزا منصور احمد صاحب ملے ہیں۔ محترم کرنل صاحب نے فوراً برجستہ جواب دیا کہ بہت مبارک خواب لگتا ہے۔ لگتا ہے کہ آسمان پر ہلچل مچی ہوئی ہے انشاء اللہ اب رہائی دور نہیں ہے۔ تقریباً پونے دو بجے سے لے کر چار بجے شام تک ملاقات ہوتی رہی۔ اس دوران کسی نے ضمانت ہونے کی خبر نہ سنائی۔ ملاقات ختم ہونے پر ہم لوگ واپس اپنی بیرک میں آ گئے۔ جب ہم واپس آئے تو قدرت کے عجیب نظارے دیکھے۔ گزشتہ روز گرمی کی شدت کی وجہ سے بہت پیاس لگتی رہی سب بار بار پانی پیتے رہے۔ بار بار حلق خشک ہو جاتا۔ اس پر کرنل صاحب مجھے کہنے لگے کہ اکبر! آج سردائی ہوتی تو پیاس بجھ جاتی تھی یا لیمن اسکوائش ہی ہوتی تو اس سے بھی پیاس نہیں لگتی۔ لیکن اب ہم اس چیز کی ڈیمانڈ کرتے ہوئے بھی اچھے نہیں لگتے۔ اللہ کی شان ہے کہ اس دن ملاقات کے لئے آنے والے احباب ایک بوتل شربت بادام دو بوتلیں لیمن اسکوائش اور دو بوتلیں روح افزاء کی دے گئے۔ محترم میاں صاحب نے بادام کے شربت (سردائی) بنانے کی ابتداء کی اور مجھے بھی شربت بنانے کا طریقہ بتا دیا۔ میں نے کولر میں لیمن اسکوائش بھی بنا کر رکھ دی۔ شام کو ہم سب اکٹھے بیٹھ کر تبصرہ کر رہے تھے کہ نظارت علیا کے ایک ڈرائیور نے حضرت محترم صاحبزادہ مسرور احمد صاحب کو جو اپنی خواب تحریر کر کے بھجوائی تھی (وہ تحریر کرتے ہیں کہ آج نماز تہجد کے وقت میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ خاکسار لیٹا ہوا ہے۔ ایک سفید لباس میں ملبوس بزرگ تشریف لائے ان کی پگڑی اور داڑھی بھی سفید تھی وہ ہاتھ میں ایک چھڑی پکڑے ہوئے تھے جس کا نچلا حصہ تو عام لکڑی کا اور دستی والا حصہ سفید رنگ کا تھا۔ انہوں نے مجھے چھڑی کی نوک سے جگایا اور کہا کہ اُٹھو تیاری کرو۔ پیر والے روز۔ اس کے بعد میں بیدار ہو گیا) اگر وہ خواب سچی ہے تو اس کے مطابق اب رہائی اگلے سوموار کو جا پڑی ہے۔ اسی طرح نظارت علیا کے ایک اور ڈرائیور نے بھی اپنی ایک خواب بتائی تھی کہ (انہوں نے خواب میں دیکھا کہ کافی لوگ اکٹھے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میرے ذہن میں یہ خیال ہے کہ میاں صاحب توکل رہا ہو کر آ گئے ہیں پھر آج کیوں لوگ اکٹھے ہیں۔ یہ پوچھنے پر انہیں جواب ملتا ہے کہ آج اکبر صاحب کی شادی ہے) میں نے خواجہ شکور صاحب کی سنائی ہوئی خواب جب محترم میاں صاحب اور کرنل صاحب کو سنائی تو میاں صاحب نے فرمایا کہ شکور صاحب کی خواب کے مطابق تم ہمارے ساتھ جاتے نظر نہیں آتے اور مجھے دعا سکھائی کہ یہ دعا کثرت سے پڑھا کرو۔ ہماری بیرک لاک کر دی گئی اور میرے خیال میں قیدیوں کی گنتی آخر مراحل میں تھی اور حاضری کی گھنٹی نہیں بجی تھی کہ اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ جیل آ گئے انہوں نے ہماری بیرک کی سلاخوں میں سے آواز دی کہ میاں صاحب اور کرنل صاحب آپ کو مبارک ہو آپ کی رہائی ہے اور اس کے ساتھ ہی انہوں نے گنتی رُکوانے کا حکم دے دیا۔

میاں صاحب نے فوراً ان سے پوچھا کہ آپ نے اکبر اور ماسٹر محمد حسین صاحب کا نام کیوں نہیں لیا تو اسسٹنٹ سپرنٹنڈنٹ نے کہا کہ جناب آپ بڑے ہیں آپ کا نام ہی لینا تھا۔ یہ بھی آپ کے ساتھ ہی شامل ہیں۔ میاں صاحب کو اپنے لئے فکرمند دیکھ کر مجھے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ انہیں اپنے سے زیادہ ہماری فکر ہے۔ ہم نے اپنا اپنا سامان پیک کرنا شروع کر دیا لیکن میرے ذہن میں مذکورہ بالا خواب اٹکی ہوئی تھی۔ ان کی خواب کی جو میاں صاحب نے تعبیر فرمائی تھی اس کے مطابق ہمارا اکٹھا جانا نظر نہیں آتا تھا۔ تقریباً پون گھنٹہ بعد ایک آدمی میاں ساحب کو بلانے آ گیا۔ اس کی زبانی علم ہوا کہ دو کی رہائی ہے۔ میاں صاحب جب تشریف لے گئے تو کرنل صاحب اور ہم نے آپس میں مشورہ کیا کہ جن کی رہائی کے آرڈر ہیں انہیں ضرور جانا چاہیے۔ میاں صاحب کی کیفیت دیکھتے ہوئے (میاں صاحب صرف دو افراد کی رہائی کا سن کر ناراض ہوئے تھے کہ باقی دو کی کیوں ضمانت نہیں ہوئی) کرنل صاحب نے کہا کہ اگر میاں صاحب نہ مانے تو میں آپ کے پاس رُک جاؤں گا لیکن میاں صاحب کو ہر حال میں بھیجنا ہے۔ میں نے اور ماسٹر محمد حسین صاحب نے انہیں کہا کہ آپ ہماری فکر نہ کریں انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ آپ کی رہائی کے آرڈر ہیں آپ لوگوں کو ضرور جانا چاہیے۔ میاں صاحب تھوڑی دیر بعد واپس تشریف لائے اور ہمیں بتایا کہ 295B میں تو سب کی روبکار آ گئی ہے لیکن 16MPO کا مقدمہ اکبر اور ماسٹر صاحب کے خلاف بھی ہے اس وجہ سے آپکی ضمانتیں نہیں کروائی گئیں۔ اب انشاء اللہ صبح ہو جائیں گی اور ہمیں کہا کہ اب ہم آپ کا ربوہ میں استقبال کریں گے کیونکہ جیل کا ٹائم ختم ہو چکا تھا اس وجہ سے ہم نے محترم میاں صاحب اور کرنل صاحب کو بیرک سے ہی الوداع کر دیا۔ محترم میاں صاحب اور کرنل صاحب کے





چہرے سے معلوم ہوتا تھا کہ انہیں ہمارا یہاں رہ جانا ناگوار گزر رہا ہے۔

گرمی کتراتی رہی

محترم صاحبزادہ صاحب اور کرنل صاحب کے جانے کے بعد بیرک ہمیں ویران ویران سی نظر آنے لگی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے رونق ختم ہو گئی ہے۔ میاں صاحب کی محبت اور شفقت کی بڑی شدت سے کمی محسوس ہوئی۔ تھوڑی سی چہل قدمی کے بعد ہم سونے کے لئے لیٹ گئے۔ لیکن گرمی کی شدت کی وجہ سے تھوڑی دیر بعد ہی اُٹھ گئے۔ گرمی کی شدت ہمارے لئے نا قابل برداشت تھی۔ اس سے قبل کبھی دن کو بھی اتنی گرمی محسوس نہ ہوئی۔ رات کو تو ویسے ہی موسم بہتر ہو جاتا ہے۔ میرے ذہن میں مرزا انس احمد صاحب کا خط آ گیا جس میں انہوں نے تحریر کیا تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث فرمایا کرتے تھے کہ جب وہ اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب قید ہوئے تھے تو خدا تعالیٰ ان کے لئے ٹھنڈی ہوا چلا دیا کرتا تھا۔ اس حوالہ سے آپ کے لئے بھی یہ دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے آرام کے سامان خود پیدا کرتا رہے۔ یہ بات یاد آنے کے بعد سمجھ آئی کہ بزرگوں کی وجہ سے گرمی بھی ہم سے کتراتی رہی اور وہی پیارا خدا جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث اور حضرت مرزا شریف احمد صاحب کے لئے ٹھنڈی ہوا چلا دیا کرتا تھا وہی اب بھی اپنے پیاروں کے ساتھ پیار کا سلوک فرماتا رہا ہے۔ اب میاں صاحب کے جانے کے بعد گرمی اپنا آپ دکھا رہی ہے۔

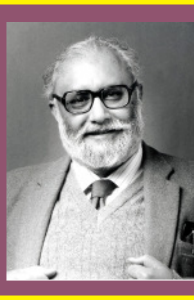
99-5-11 کو ساڑھے گیارہ بجے ہماری رہائی کی اطلاع آئی۔ رہائی کے بعد ہم ڈپٹی کے کمرہ میں پہنچے تو وہاں محترم سید قاسم احمد شاہ صاحب اور سید طاہر احمد شاہ صاحب تشریف فرما تھے۔ وہ ہمیں جیل کی کارروائیوں سے فراغت دلانے کے بعد جیل سے باہر لے آئے جیل کے گیٹ پر امیر جماعت احمدیہ جھنگ اور دیگر احباب جماعت نے ہمارا استقبال کیا اور بڑی محبت سے ملے۔ اس کے بعد ہمیں صدر صاحبہ لجنہ اماء اللہ جھنگ کے گھر لے جایا گیا وہاں کھانے کا انتظام تھا۔ میری بیوی اور ہمشیرہ بھی وہاں موجود تھیں۔ ربوہ واپسی پر ہمارے ساتھ ہی آئیں۔ جھنگ سے ہمیں تقریباً دس بارہ گاڑیوں کے قافلہ میں ربوہ لایا گیا۔ دریائے چناب کا پل بند ہونے کی وجہ سے کافی تاخیر ہوئی لیکن اس کے باوجود جب ہم دارالضیافت میں پہنچے تو استقبال کے لئے لوگوں کی ایک بہت بڑی تعداد وہاں جمع تھی۔ دارالضیافت پہنچنے پر محترم صاحبزادہ صاحب، محترم کرنل ایاز محمود احمد خان صاحب، محترم ملک خالد مسعود صاحب اور محترم چوہدری حمید اللہ صاحب اور دیگر ناظر صاحبان اور تحریک جدید کے وکلاء صاحبان نے ہمیں گلے لگایا، ہار پہنائے اور آزادی کی مبارک باد دی۔ ان کے علاوہ احباب جماعت کی کثیر تعداد نے بھی آزادی کی مبارک دی۔ جزاھم اللہ احسن الجزاء

جیل سے رہائی پر:: محترم میاں صاحب نے جس طرح اپنے ماتحتوں اور ساتھیوں کا خیال رکھا وہ بھی قابل ذکر ہے۔ نظارت علیاء کے ڈرائیور نسیم سیفی صاحب نے بتایا کہ ان کی بڑی شدید خواہش تھی کہ میاں صاحب ان کی گاڑی میں ہی جیل سے واپسی پر ربوہ آئیں گے لیکن نظارت امور عامہ نے جو پروگرام تیار کیا تھا اس میں سیکیورٹی کے نقطہ نظر سے میاں صاحب کو اس گاڑی میں لانے کی بجائے کسی اور گاڑی میں لانے کا پروگرام تھا جس کی وجہ سے نسیم سیفی صاحب دل گرفتہ تھے۔ وہ جب میاں صاحب سے ملے تو میاں صاحب نے ان سے پوچھا کہ آپ کی گاڑی کہاں ہے؟ نسیم سیفی صاحب کے بتانے پر آپ ان کی گاڑی میں سوار ہو گئے اور اسی میں ربوہ تشریف لائے۔



خدمت خلق:: اپنے جیل کے ساتھیوں کے ساتھ ان کی شفقت کا یہ حال تھا کہ جیل انتظامیہ نے جو ہمیں مشقتی (خدمت گار) فراہم کئے تھے ان کا بھی بہت خیال رکھتے تھے۔ کھانے پینے کی اشیاء کے علاوہ انہیں نقد رقم بھی دلواتے رہے۔ جیل سے واپسی پر آپ نے مشیر قانونی صاحب کو ان مشقتیوں کو جو جیل میں بے یار و مددگار تھے کی ضمانت کروانے کی ہدایت کروائی فرمائی تھی۔ ہمارے ساتھ تو بہت ہی محبت اور شفقت کا سلوک تھا۔ جب حضرت میاں صاحب کی رہائی کے آرڈر آئے اور آپ کو پتہ چلا کہ صرف دو کی رہائی کے آرڈر آئے ہیں تو آپ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں بھی نہیں جاؤں گا سب اکٹھے جائیں گے۔

جس پر ہم سب نے اصرار کیا کہ میاں صاحب آپ کو ضرور جانا چاہیے اس پر آپ وہاں سے بادل نخواستہ روانہ ہوئے اور ہمیں فرمایا کہ اب ہم آپ کا استقبال کریں گے۔ اگلے دن میاں صاحب نے حسب وعدہ خود استقبال فرمایا اور ہمیں ہماری توقعات سے بڑھ کر محبت اور عزت دی۔ رہائی کے بعد خاکسار کی فیملی اور ماسٹر محمد حسین صاحب کی فیملی نے پروگرام بنایا کہ میاں صاحب سے ٹائم لے کر ان کے گھر ملاقات کے لئے جائیں گے۔ پروگرام بنانے کے بعد خاکسار اپنی اہلیہ کے ساتھ ایک ضروری کام کے سلسلہ میں لاہور چلا گیا اگلے دن ہماری واپسی ہوئی تو ہمیں ماسٹر صاحب کے گھر سے اطلاع ملی کہ میاں صاحب تشریف لا رہے ہیں۔ اطلاع ملنے کے چند منٹ بعد حضرت میاں صاحب اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ ہمارے گھر تشریف لے آئے اور ہمارے سب گھر والوں سے ملاقات فرمائی۔ میاں صاحب کسی کو بھی تکلیف میں دیکھتے تو بے چین ہو جاتے اور اس وقت تک چین سے نہ بیٹھتے جب تک اس کی تکلیف کے ازالہ کے لئے ممکنہ کوشش نہ فرما لیتے اور معمول میں بھی اپنے ساتھیوں اور ماتحتوں کو مشکل وقت میں اکیلا نہ چھوڑتے بلکہ ان کی ہر ممکن مدد فرماتے۔ ان سے ہمدردی اور شفقت سے پیش آتے۔***



پہلا احمدی مسلمان سائنسدان عبد السلام



تصنیف: انجینئر محمود مجیب اصغر، شائع کردہ: مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

15 اکتوبر 1979ء کا دن تھا۔ سویڈن کے شہر سٹاک ہوم سے اعلان ہوا کہ اس سال فزکس کا سب سے بڑا عالمی انعام دو امریکی سائنسدانوں کے ساتھ پہلے مسلمان سائنسدان کو دیا جاتا ہے۔ اس صدی کے پہلے مسلمان سائنسدان نے یہ خبر لندن میں سنی۔ ان کا سر خدا کی حمد میں جھک گیا۔ اُن کے قدم خدا کے گھر کی طرف بڑھے۔ وہ سیدھے بیت الفضل لندن پہنچے اور خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدے میں گر گئے۔ ان کے وجود سے بانی جماعتِ احمدیہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام کی ایک عظیم الشان پیشگوئی پوری ہوئی تھی جیسا کہ اس واقعہ سے اسّی سال پہلے آپؑ نے خدا سے خبر پا کر اعلان کیا تھا کہ

"میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رُو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔"

(تجلّیاتِ الٰہیّہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 409)

پھر آپؑ نے فرمایا: "یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پورا ہوگا"

(تجلیات الٰہیّہ، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 410)

بچو! سب سے بڑا انعام یعنی نوبیل انعام حاصل کرنے والے اس پہلے مسلمان سائنسدان کا نام عبد السلام ہے۔ وہ جھنگ (پاکستان) کے ایک ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے جو روپیہ پیسہ کم ہونے کی وجہ سے تو غریب تھا لیکن اس گھرانے کے افراد کے دل ایمان کی دولت سے بھرے ہوئے تھے۔

جھنگ کے چھوٹے سے مکان میں پلنے والا عبد السلام ایک ایسا لڑکا تھا جس نے بچپن سے کبھی وقت ضائع نہیں کیا تھا۔ اسے پڑھنے کا بے حد شوق تھا۔ سلام نے سکول میں عام لڑکوں کی طرح ٹاٹ پر بیٹھ کر پڑھنا شروع کیا اور پرائمری کے امتحان سے اوّل آنا شروع کیا اور ایم۔ اے تک مسلسل اوّل آتا رہا اور پرانے سارے ریکارڈ توڑ کر نئے ریکارڈ قائم کرتا رہا۔ پھر وظیفہ حاصل کر کے انگلستان جا کر ریاضی اور فزکس میں پی ایچ ڈی کی اور وہاں بھی نئے ریکارڈ قائم کیے۔ اس احمدی لڑکے کی کامیابیوں نے اپنے زمانے کے قابل ترین لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا۔

پڑھائی کے زمانے میں ہی انھوں نے ریاضی اور فزکس میں بڑے بڑے انعام حاصل کیے۔ پی ایچ ڈی کرنے کے بعد عملی زندگی میں قدم رکھتے ہی وہ دنیا کی ایک بڑی شخصیت بن گئے۔ انھوں نے ایٹم کے ذرّات کی تحقیق میں نمایاں کام کیے اور سائنس کی دنیا میں انقلاب پیدا کیا اور دنیا کے مشہور سائنسدانوں میں آ گئے۔

وہ انگلستان میں سائنس کے سب سے بڑے کالج میں پروفیسر رہے اور اٹلی میں فزکس کے ایک عالمی ادارے کو چلایا جس کو انھوں نے خود ہی شروع کیا وہ دنیا کی بڑی بڑی سائنسی کانفرنسوں کی صدارت کرتے رہے اور حکومتیں ان سے مشورے لیتی تھیں۔

دنیا کی بڑی بڑی یونیورسٹیاں انہیں اعزازی ڈگریاں دینے میں فخر محسوس کرتی تھیں۔ دنیا بھر کی حکومتیں اور بڑے بڑے عالمی ادارے انہیں انعام دیتے رہے اور ان کی خدمات کو مانتے رہے۔ انھوں نے کئی درجن عالمی اعزازات اور انعامات اور دنیا کے پانچوں براعظموں کی بے شمار یونیورسٹیوں سے پی ایچ ڈی کی اعزازی ڈگریاں حاصل کیں۔ یہ سب کچھ انہیں علم کی برکت سے حاصل ہوا۔ کون سوچ سکتا تھا کہ ایک غریب باپ کا بیٹا عبد السلام ایک دن علم کی روشنی کا مینار بن جائے گا۔

انھیں غریبوں سے پیار تھا۔ وہ سائنس کی مدد سے دنیا سے بھوک دور کرنے کے لیے عالمی اداروں کی رہنمائی کرتے رہے اور غریب ملکوں میں علمی ترقی کے لیے کوشش کرتے رہے۔ وہ اپنے انعاموں کا اکثر حصہ غریب طالب علموں پر خرچ کرتے تھے۔

اُن کے دل میں اسلام کی خدمت کا بے پناہ جذبہ تھا۔ وہ سائنس کو اسلام کا گمشدہ مال سمجھتے تھے اور چاہتے تھے کہ مسلمان علمی دنیا میں اپنی کھوئی ہوئی عزّت حاصل کریں اور اپنی قابلیت کا ایک بار پھر سکّہ منوائیں۔ پچھلے آٹھ سو سالوں میں وہ اکیلے مسلمان سائنسدان تھے جنھوں نے سائنس کی دنیا میں نام پیدا کیا۔ انھوں نے خدا کے بندوں کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کی ہوئی تھی۔ وہ امامِ وقت حضرت خلیفۃ المسیح کے ساتھ بڑی محبت رکھتے تھے۔ انھوں نے ماں باپ کی خدمت میں بھی نام پیدا کیا۔ وہ اپنے بزرگوں اور استادوں کی بہت عزّت کرتے تھے اور اپنے ملک سے بہت پیار کرتے تھے اور پاکستانی ہونے میں فخر محسوس کرتے تھے۔

وہ اپنی سائنسی تحقیق کے لیے ہمیشہ قرآن کریم سے رہنمائی حاصل کرتے اور سائنسی اصولوں کی قرآن کریم سے وضاحت کرتے تھے۔ وہ ہر کام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت پر عمل کرنے کی کوشش کرتے تھے اور اسلام کا پیغام بھی دنیا بھر

میں پہنچاتے رہتے تھے۔

بچپن سے ہی سادگی ان کی طبیعت میں بھری ہوئی تھی۔ خدا نے انہیں جتنی عزّت دی اتنی ہی ان کے اندر عاجزی اور انکساری پیدا ہوئی۔ وہ ہمیشہ خوش رہتے، دنیا کی اچھی چیزوں سے محبت کرتے اور ان کی سائنس پر غور کرتے۔ وہ ایک ایسے انسان تھے جن کی طبیعت درویشوں کی طرح، دل شاعروں کی طرح اور دماغ سائنسدانوں کی طرح تھا۔ آؤ بچو! آپ کو گذشتہ صدی کے اس بڑے اور مسلمان سائنسدان کی کہانی سنائیں۔

خاندانی حالات

ڈاکٹر عبد السلام کا تعلق دریائے چناب کے کنارے واقع جھنگ شہر کے ایک گھرانے سے تھا۔ ان کے والد کا نام چودھری محمد حسین اور والدہ کا نام ہاجرہ بیگم تھا۔ ان کے آباؤاجداد پاک وہند کے راجپوت خاندان کے شہزادوں میں سے تھے۔ جولائی 712ء میں محمد بن قاسم نے جب سندھ فتح کیا تو کئی بزرگ اسلام کی تبلیغ کے لیے اس ملک میں داخل ہوئے۔ ان میں ایک بہاؤالدین زکریاؒ بھی تھے جو ملتان کے علاقہ میں آئے۔ اس وقت یہاں اکثر لوگ ہندو تھے۔ ڈاکٹر عبد السلام کے جدّ امجد سعد بڈھن حضرت غوث بہاؤالدین زکریاؒ کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے۔ انھوں نے اپنی باقی عمر اسلام کی خدمت کے لیے وقف کر دی۔ ان کی وفات ملتان میں ہوئی اور وہیں حضرت بہاؤالدین زکریاؒ کے پہلو میں دفن ہوئے۔ یہ وہی بزرگ ہیں جن کے نام پر ملتان میں بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی بنی۔

حضرت بہاؤالدین زکریاؒ نے اسلام کی تبلیغ کے لیے اپنے مریدوں کے ذمّہ مختلف علاقے کیے۔ ڈاکٹر عبد السلام کے بزرگوں کے ذمّہ جھنگ کا علاقہ کیا گیا۔ اس طرح یہ خاندان جھنگ آ کر آباد ہو گیا اور دین حق کا پرچار کرتا رہا۔ ان کے بزرگوں کو اس سلسلے کا خلیفہ کہا جاتا تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے والد مرحوم بیان کرتے ہیں:

"مَیں نے اپنے دادا حضرت میاں قادر بخش مرحوم اور اپنے والد حضرت میاں گل محمد مرحوم کو خلافت پر متمکّن دیکھا... میرے والد میاں گل محمد رحمۃ اللہ علیہ قرآن کریم کے بڑے اچھے عالم تھے... والدہ ماجدہ تہجّد گذار عورت تھیں۔" (سرگذشت)

غرض مدّتوں سے ڈاکٹر عبد السلام صاحب کا خاندان دیندار چلا آ رہا تھا۔ سیّدنا حضرت مولانا نورالدین احمد صاحب خلیفۃ المسیح الاوّل کے زمانۂ خلافت میں اس خاندان کو احمدی ہونے کی سعادت ملی۔

ان کے والد چوہدری محمد حسین صاحب مرحوم کے احمدی ہونے کا واقعہ یوں ہے کہ جب وہ اسلامیہ کالج لاہور میں پڑھتے تھے تو ایک شخص نے احمدیت کی مخالفت میں ایک انجمن بنائی اور انہیں اس میں شامل ہونے کے لیے کہا۔ انھوں نے کہا کہ اگر حضرت مرزا غلام احمد قادیانی علیہ السلام سچے ہوئے تو پھر؟ اس شخص نے کہا یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اس پر انھوں نے ارادہ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے رہنمائی حاصل کریں گے۔ چنانچہ انھوں نے کثرت کے ساتھ سورۃ فاتحہ کی دُعا اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ (یعنی اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا) کرنی شروع کر دی۔ ایک رات انہیں حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کی خواب میں زیارت ہوئی اور انہیں بتایا گیا کہ یہی وہ بزرگ ہیں جن کی آپ کو تلاش ہے۔ چنانچہ چوہدری محمد حسین صاحب نے قادیان جا کر حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل کے مبارک ہاتھ پر بیعت کر لی۔ اگرچہ اس سے پہلے اُن کے بڑے بھائی چوہدری غلام حسین صاحب اور والدہ احمدی ہو چکے تھے تاہم ان کی بہت مخالفت ہوئی لیکن وہ اپنے ایمان پر مضبوطی سے جمے رہے۔ ان کے احمدی ہونے کے اٹھارہ دن بعد حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح الاوّل فوت ہو گئے اور حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی ہوئے۔

ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے والد چوہدری محمد حسین صاحب کی نیکی کا یہ عالم تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے انہیں زمانہ طالب علمی میں ہی احمدیہ ہوسٹل لاہور کا سپرنٹنڈنٹ مقرر کر دیا تھا۔ اس وقت وہ بی۔اے میں پڑھتے تھے۔

بی۔اے کے بعد 1920ء میں وہ گورنمنٹ ہائی سکول جھنگ میں عارضی استاد لگ گئے اور بعد میں محکمہ تعلیم میں ہیڈ کلرک ہو گئے۔

انہی دنوں ان کی شادی ہوئی۔ ان کی بیوی کا نام سعیدہ بیگم تھا۔ 30 اپریل 1922ء کو ان کے ہاں بیٹی ہوئی جس کا نام مسعودہ بیگم رکھا گیا۔ بیٹی کی پیدائش کے ساتھ ہی ان کی بیوی وفات پا گئیں۔ چوہدری محمد حسین صاحب نے اس کے بعد تین سال بڑی مصیبت میں گذارے۔ چھوٹی سی بچّی کو وہ خود پالتے رہے۔ اس دوران انھوں نے خدا تعالیٰ سے بہت دعائیں کیں۔

عبد السلام کی پیدائش اور ابتدائی حالات

پہلی بیوی کی وفات کے تین سال بعد چوہدری محمد حسین صاحب کا رشتہ حضرت حافظ نبی بخش صاحب پٹواری کی بیٹی محترمہ ہاجرہ بیگم صاحبہ سے طے ہوا۔ اس رشتہ کے لیے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے اجازت عطا فرمائی اور بیت المبارک قادیان میں خود یہ نکاح پڑھا اور بہت لمبی دُعا کروائی۔ 12 مئی 1925ء کو شادی ہوئی اور شادی کے ایک ہفتہ بعد دُلہن اپنے والدین کے پاس سنتوکھ داس ضلع ساہیوال چلی گئیں جہاں ان کے والد صاحب ملازم تھے۔

3 جون 1925ء کو انگلستان کے بادشاہ کا یومِ پیدائش تھا۔ چوہدری محمد حسین صاحب مغرب کی نماز پڑھنے کے لیے بیت احمدیہ جھنگ گئے۔ مغرب کی سُنّتیں ادا

کرتے ہوئے قیام کی حالت میں وہ قرآن کریم کی یہ دعا کر رہے تھے :۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔(الفرقان:75)

یعنی اے ہمارے ربّ! ہم کو ہماری بیویوں کی طرف سے اور اولاد کی طرف سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما اور ہمیں متقیوں کا امام بنا۔

اس دوران اُن پر کشفی حالت طاری ہوئی اور ایک فرشتہ ظاہر ہوا۔اس کے دونوں ہاتھوں میں ایک معصوم بچہ تھا۔فرشتے نے وہ بچہ چوہدری محمد حسین صاحب کو پکڑایا اور کہا کہ اللہ کریم نے آپ کو بیٹا عطا فرمایا ہے۔ انھوں نے اس بچے کا نام پوچھا تو آواز آئی "عبدالسلام"

یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے زبردست بشارت تھی۔ چوہدری صاحب نے خدا کا شکر ادا کیا اور ایک خط لکھ کر اپنی بیوی کو اس کشف سے آگاہ کیا۔

خدائی بشارتوں کے مطابق یہ بچہ 29 جنوری 1926ء جمعہ کے روز سنتوکھ داس میں پیدا ہوا۔ بچے کی پیدائش پر چوہدری محمد حسین صاحب نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو نام رکھنے کے لیے خط لکھا تو حضور نے فرمایا:"جب خدا تعالیٰ نے خود نام رکھ دیا ہے تو ہم کیسے دخل دیں۔"(سرگذشت)

چنانچہ اس بچے کا نام عبدالسلام ہی رکھا گیا۔

عبدالسلام کے والدین بڑے سمجھدار اور دعائیں کرنے والے تھے۔انھوں نے خدائی بشارتوں کے ماتحت پیدا ہونے والے اس بچے کی اچھی طرح پرورش کی۔ بچے کی صحت کا خیال رکھا اور اس کے لیے بہت دعائیں کیں۔

جوں جوں عبدالسلام بڑے ہو رہے تھے باپ کی دعائیں بیٹے کے حق میں پوری ہو رہی تھیں اور خدا تعالیٰ ان کے مستقبل کے بارے میں خبریں دے رہا تھا۔ چوہدری محمد حسین صاحب لکھتے ہیں:۔

"ایک روز عزیز سخت بیمار ہو گیا جان کا بھی خطرہ محسوس ہوا۔ بہت دعا کی تو خواب میں عزیز ایک اچھے خاصے قد والا جوان دکھایا گیا۔"(سرگذشت)

گویا اللہ تعالیٰ نے ان کے والد صاحب کو ان کی صحت اور لمبی عمر پانے کی خبر دی۔

ان بشارتوں سے ان کے والدین جہاں خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے وہاں اپنے بیٹے کی صحت اور پرورش پر زیادہ توجہ دیتے۔ دعائیں کرتے اور حضرت خلیفۃ المسیح کو بھی دعاؤں کے لیے لکھتے رہتے۔

عام طور پر بچے جس عمر میں بولنا شروع کرتے ہیں عبدالسلام اس عمر کو پہنچ گئے لیکن ابھی بولتے نہ تھے۔اُن کے والدین نے ایک احمدی بزرگ حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی سے دعا کروائی اور وہ بولنے لگ گئے۔ چنانچہ ان کے والد صاحب بیان کرتے ہیں:

"ایک مرتبہ حضرت مولانا غلام رسول صاحب راجیکی چند روز ہمارے گھر پر جھنگ شہر میں مہمان رہے۔عزیز عبدالسلام کی عمر اس وقت چھوٹی تھی اور وہ بولتا نہ تھا جس کا اس کی ماں کو سخت احساس تھا۔حضرت مولوی صاحب کے پاس عزیز سلام سلّمہ کو لے جا کر شکایت کی کہ یہ بولتا نہیں، دعا فرماویں۔مولوی صاحب نے بڑی محبت کے لہجے میں عزیز سے خطاب کیا اور کہا

"او گونگو! کیوں نہیں بولتا" اور فرمانے لگے کہ "انشاء اللہ یہ اتنا بولے گا کہ دنیا سنے گی۔"(سرگذشت)

ان کے والد صاحب بیان کرتے ہیں کہ "لُطف یہ ہے کہ جوان ہو کر عزیز نے ریڈیو پر ایک ایسی تقریر کی کہ ساری دنیا میں سُنائی گئی۔"(سرگذشت)

غرض دعاؤں کی برکت سے عبدالسلام نے بولنا شروع کر دیا۔

جماعتی وظائف و اعزازات

عبدالسلام کے والد صاحب کی آمدنی بہت تھوڑی تھی اور گھر کے افراد زیادہ تھے تاہم اللہ تعالیٰ سلام کی پڑھائی کے لیے خود انتظام فرماتا رہا۔قابلیّت کی بناء پر انھوں نے حضرت خلیفۃ المسیح سے بھی وظیفے حاصل کیے۔ چنانچہ اُن کے والد صاحب بیان کرتے ہیں:۔

"دسمبر 1939ء میں سر چوہدری ظفراللہ خاں نے جماعت احمدیہ میں 25 سال خلافتِ ثانیہ کے گذرنے پر جوبلی فنڈ کی تحریک کی اور تین لاکھ روپیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو پیش کیا۔حضور نے جلسہ سالانہ 1939ء میں اعلان فرمایا کہ نوجوانوں کی ہمت بڑھانے کے لیے اعلان کرتا ہوں کہ

☆ جماعتِ احمدیہ کا جو طالب علم اپنے سکول میں اوّل آئے گا اسے اس فنڈ سے 30 روپے ماہوار وظیفہ ایف۔اے کے دو سال میں دیا جائے گا۔

☆ پھر جو ایف۔اے میں اوّل آئے گا اسے 45 روپے ماہوار (وظیفہ) بی۔اے کلاسوں میں دیا جائے گا۔

☆ ازاں بعد جو بی۔اے میں اوّل آئے گا اسے ایم۔اے کلاسز میں دو سال 60 روپے ماہوار وظیفہ دیا جائے گا۔

☆ ایم۔اے کرنے کے بعد جولڑکا مغرب کی کسی یونیورسٹی میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے جائے گا اسے نصف خرچ اس فنڈ سے دیا جائے گا۔"(سرگذشت)

اسی شام ملاقات کے دَوران سلام کے والد صاحب نے حضور کو بتایا کہ سلام یہ سب وظیفے لے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ 1949ء میں حضور نے سلام کے خطبہ نکاح

کے دَوران فرمایا "ہر باپ اپنے بیٹے کی تعریف کرتا ہے۔عزیز (سلام) کے والد نے بھی ایسی توقعات کا اظہار کیا تھا۔الحمدللہ عزیز (سلام) نے ان سب کو پورا کرنے کی توفیق پائی۔" (سرگذشت)

عبدالسلام کا پاکستان میں شاندار تعلیمی ریکارڈ

امتحان	سن	مضامین	حاصل کردہ نمبر	پوزیشن وظائف
مڈل	1938ء	سائنس وعربی	84.5فی صد	ضلع جھنگ میں اوّل 6روپے ماہوار (گورنمنٹ کا وظیفہ)
میٹرک	1940ء	سائنس وعربی	90 فی صد	پنجاب یونیورسٹی میں اوّل (نیا ریکارڈ قائم کیا) 20روپے ماہوار (گورنمنٹ کا وظیفہ)
ایف۔اے	1942ء	فزکس، ریاضی، عربی	85فی صد	پنجاب یونیورسٹی میں اوّل 45روپے ماہوار (جماعتِ احمدیہ کا وظیفہ) 30روپے ماہوار (گورنمنٹ کا وظیفہ)
بی۔اے	1944ء	ریاضی اے بی کورس انگریزی آنرز	90.5فی صد	پنجاب یونیورسٹی میں اوّل نیا ریکارڈ۔ہر مضمون میں اوّل 60روپے ماہوار (جماعتِ احمدیہ کا وظیفہ) 60روپے ماہوار (گورنمنٹ کا وظیفہ)
ایم۔اے	1946ء	ریاضی	95.5فی صد	پنجاب یونیورسٹی میں اوّل 550روپے ماہوار (بیرون ملک اعلیٰ تعلیم کے لیے گورنمنٹ کا وظیفہ)

(Biographic Sketch of Prof. Abdus Salam by Dr.A Ghani)

ابتدائی تعلیم اور شاندار کامیابیاں

عبدالسلام نے اپنی تعلیم گھر میں ہی شروع کی۔ان کی والدہ نے اللہ کا نام لے کر انہیں الف ب شروع کروائی اور جلد ہی وہ لکھنے پڑھنے کے قابل ہو گئے۔بہت چھوٹی عمر میں انہوں نے قرآن کریم پڑھ لیا اور اس کا ترجمہ بھی سیکھا۔

بچپن میں ان کے والد انہیں آسان اخلاقی کہانیوں کی کتابیں اور رسالے لا کر دیتے جنہیں وہ بڑی دلچسپی سے پڑھتے۔ان کے والد انہیں نئی نئی اور دلچسپ کہانیاں سُناتے اور پھر ان سے وہی کہانی سنتے۔اس طرح ان کا حافظہ بڑھتا گیا اور پڑھائی کا شوق پیدا ہوتا رہا۔جب وہ ساڑھے چھ سال کے ہوئے تو ان کے والد انہیں سکول داخل کروانے کے لیے لے گئے۔ہیڈ ماسٹر نے بچے کی قابلیت دیکھ کر انہیں سیدھا تیسری جماعت میں داخل کیا۔

تھوڑی سی محنت کے ساتھ جلد ہی انھوں نے چالیس تک پہاڑے یاد کر لیے اور بہت ساری ضرب الامثال اور لمبے لمبے پیراگراف زبانی یاد کر لئے۔ان کی ذہنی صلاحیتوں کو نشوونما دینے کے لیے ان کے والد انہیں مختلف مشینوں کے انجن، موٹر کار، سائیکل، دریا کا پُل اور دریا کا بند دکھانے کے لیے باہر لے جاتے اور ان کے استادوں سے مل کر بھی ان کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دیتے اور انہیں سکول کے رسالہ کے لیے مضمون لکھنے کو کہتے۔اس طرح عبدالسلام کو بچپن سے ہی علم سے محبت پیدا ہوگئی اور وہ بڑی توجہ اور محنت سے پڑھنے لگ گئے۔اُن کی ایک بہن کہتی ہیں:۔

"بھائی جان بچپن سے ہی اپنی تعلیم میں ایسے مصروف رہتے تھے کہ کبھی انہیں بیکار گپ شپ یا کھیل کود میں وقت ضائع کرتے نہیں دیکھا۔"

مطالعہ کی انہیں اتنی عادت تھی کہ کھانے کے دوران بھی پڑھتے رہتے۔ان کی بہن کہتی ہیں:۔

"کھانا کھا رہے ہیں چوکی پر روٹی سالن پڑا ہے اور خود پیڑھی پر بیٹھے کھاتے ہوئے کوئی رسالہ بھی پڑھ رہے ہیں۔مرغی پلیٹ میں سے بوٹی نکال کر لے گئی ہے انہیں کچھ علم نہیں۔بعد میں علم ہوا کہ بوٹی تو مرغی لے گئی ہے۔"

1934ء میں عبدالسلام نے جھنگ سنٹر سے چوتھی کا امتحان دیا اور اوّل پوزیشن حاصل کی۔اس وقت عبدالسلام کی عمر صرف آٹھ سال کی تھی۔

مارچ 1934ء کی ایک نمائش میں انھوں نے ڈپٹی کمشنر جھنگ سے خوشخطی میں اوّل انعام حاصل کیا۔اسی طرح مارچ 1937ء کی ایک نمائش میں بھی انھوں نے نقشہ نویسی اور خوشخطی میں پہلا انعام جیتا۔

(Abdus Salam by Dr.A Ghani.Biographic Sketch of Prof)

عبدالسلام کی بچپن سے یہ عادت تھی کہ جو سبق اگلے روز سکول میں پڑھنا ہوتا وہ اسے گھر سے پڑھ کر جاتے اور بڑی توجہ اور محنت سے پڑھتے۔ان کی محنت کا پھل انہیں شروع ہی سے اول آنے کی شکل میں ملتا رہا۔1938ء میں انھوں نے مڈل پاس کیا اور ضلع بھر میں اوّل آئے اور چھ روپے ماہوار وظیفہ حاصل کیا۔اس وقت ان کی عمر صرف بارہ سال کی تھی۔ انہی دنوں جھنگ میں ایک تقریب میں ڈپٹی کمشنر کی صدارت میں سلام نے ایک مضمون پڑھا۔مضمون سُن کر ڈی سی نے ان کے والد کو پیغام بھیجا کہ اس لڑکے کی تعلیم کی طرف خاص توجہ دیں۔

مڈل کے بعد وہ گورنمنٹ انٹر کالج جھنگ میں داخل ہوئے اور سائنس اور ریاضی کے مضمون رکھے۔ان کی قابلیت کی وجہ سے انہیں کلاس کی لائبریری کا انچارج بنا دیا گیا جہاں انھوں نے بہت سی کتابیں پڑھیں۔ان کا مقابلہ کچھ غیر مسلم طالب علموں سے رہتا تھا لیکن سلام نے کبھی انہیں آگے بڑھنے نہیں دیا۔ان کے والد ان کی تعلیمی کارکردگی کا جائزہ لیتے رہتے۔1940ء میں سلام نے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور

پنجاب یونیورسٹی میں نہ صرف اوّل آئے بلکہ ایک نیا ریکارڈ قائم کیا۔اس وقت ان کی عمر صرف چودہ برس کی تھی۔گورنمنٹ کی طرف سے سلام کو بیس روپے وظیفہ ملا اور کالج کی طرف سے انہیں خالص سونے کا میڈل دیا گیا۔

میٹرک کا نتیجہ نکلنے سے پہلے سلام کے والد صاحب کو خواب میں شربت پلایا گیا جس کی تعبیر سلام کی اعلیٰ کامیابی کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

بچپن میں سلام نہ صرف پڑھائی میں لائق تھے بلکہ اَور بھی بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے۔چھوٹی عمر سے ہی نمازوں کے پابند تھے اور وقت بالکل ضائع نہیں کرتے تھے۔گالی گلوچ سے پرہیز کرتے تھے اور اپنے ماں باپ، استادوں اور سب بزرگوں کا بہت احترام کرتے تھے۔ان کی ایک بہن محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ ان کے بچپن کے بارہ میں بیان کرتی ہیں:۔

"بھائی جان کو کبھی اونچی آواز میں بات کرتے یا کسی سے گالی گلوچ کرتے نہیں دیکھا۔والدین اور بزرگوں کا بے حد احترام کرتے۔ابّا جان کے ایک لا ولد چچا تھے۔بھائی جان نے ان سے بہت دعائیں لیں۔

بھائی جان کا پسندیدہ کام یہ تھا کہ جمعہ کے دن بیت احمدیہ میں صفائی کرنی اور ہمیشہ مغرب سے پہلے بیت الذکر جا کر اذان دینی۔

سادگی بچپن سے ہی طبیعت میں بھری ہوئی تھی۔بچپن میں گھر کے دھلے ہوئے کپڑے پہنتے۔کبھی انہیں اس فیشن میں نہیں دیکھا کہ جب تک اچھے کپڑے نہ ہوں باہر نہیں جانا۔جو ملا پہن لیا۔

خوراک کے معاملہ میں والدین کو ہم سب کا بہت خیال رہتا تھا۔اناپ شناپ یا ریڑھی چھابوں وغیرہ سے کبھی کوئی چیز لے کر کھانے کی عادت نہ ڈالی تھی۔ابّا جان نے بازاری چیزوں سے ہمیں ایسا پرہیز بتایا ہوا تھا کہ کوئی بھی کبھی باہر سے لا کر کچھ نہ کھاتا تھا اور نمونہ ہمارے بھائی جان تھے۔"(خط بنام خاکسار مرقومہ 26 مارچ 1982ء)

اس کے علاوہ عبدالسلام میں بچپن سے حسد کی عادت بالکل نہ تھی یہی وجہ ہے کہ ان کا حافظہ بہت اچھا رہا۔وہ اپنی صحت کا بھی خیال رکھتے تھے۔ایک مرتبہ بچپن میں انھوں نے اعلیٰ صحت پر ایک جلسہ میں ڈپٹی کمشنر جھنگ سے چاندی کا پیالہ بطور انعام حاصل کیا۔(سرگذشت)

سلام اپنی چیزوں اور کتابوں کو ہمیشہ احتیاط اور ترتیب سے رکھتے تھے۔سکول باقاعدگی سے جاتے تھے کبھی ناغہ نہ کرتے تھے۔اگلے ڈیسک پر بیٹھ کر توجہ سے سبق سُنتے اور گھر آ کر ضرور دہراتے اور کتابوں کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کرتے۔ایف۔اے میں بھی سلام نے ریاضی اور سائنس کے مضامین رکھے اور برابر محنت کرتے رہے۔بارھویں میں اپنے کالج کے رسالہ "چناب" کے ایڈیٹر رہے۔انہیں مضمون لکھنے کا بہت شوق تھا اور ان کے والد ان کی اس بارہ میں رہنمائی کرتے، ان کے بعض مضمون جھنگ کے علمی حلقہ میں ماہرین کو دکھاتے اور ان سے مشورہ لیتے اور ان کے پرنسپل کو بھی مشورہ دینے کے لیے کہتے۔

عبدالسلام بڑے محنتی اور ذمہ دار طالب علم تھے۔ان کی والدہ بیان کرتی ہیں:۔

"سلام جب سائنس کی تعلیم حاصل کر رہا تھا تو روز رات کو کہتا کہ امّی مجھے پڑھنا ہے۔آپ صبح سویرے چار بجے ضرور اُٹھا دیں اور مَیں چار بجے ساڑھے چار بجے اسے اُٹھانے کے لیے جاتی تو وہ پہلے ہی سے جاگ گیا ہوتا اور اپنی پڑھائی میں مصروف نظر آتا تھا۔کبھی ایسا نہ ہوا کہ وہ مجھے سویرے سوتے ہوئے ملا ہو اور مجھے اسے جگانا پڑا ہو۔نہ معلوم وہ کب اور کتنے اندھیرے سے اُٹھ بیٹھتا تھا۔اسے بچپن ہی سے علم سے محبت تھی اور ہمیشہ پڑھائی میں اوّل آتا رہا۔"

("مشرق" لاہور 19 اکتوبر 1979ء)

1942ء میں عبدالسلام نے ایف۔اے کیا۔85 فیصد نمبر لے کر صوبے بھر میں اوّل آئے اور 30 روپے ماہوار وظیفہ حاصل کیا۔کالج کی طرف سے انہیں خالص سونے کا میڈل بطور انعام دیا گیا۔

سلام نے یہ سب کامیابیاں ایک ایسے گھر میں رہ کر حاصل کیں جو کہ بہت چھوٹا تھا۔اس میں بجلی بھی نہ تھی، چھوٹے بہن بھائی بھی کافی تھے، گھر میں شور بھی ہوتا ہوگا لیکن سلام ان حالات میں نہ صرف خود اعلیٰ کامیابیاں حاصل کرتے رہے بلکہ اپنے چھوٹے بہن بھائیوں کی بھی تعلیم میں مدد کرتے اور خود رات کی خاموشی میں دِیا جلا کر محنت کرتے۔ان کی چھوٹی بہن کا بیان ہے:۔

"گھر میں بجلی نہ تھی، شام کو اُن کے گلوب میں مٹی کا تیل بھرنا اور ایک بوتل بھر کر اُن کی چارپائی کے نیچے رکھنا میری ڈیوٹی ہوتی تھی۔رات کو اکثر تین بجے پڑھنے کے لیے اُٹھ جاتے تھے۔اس وقت انھوں نے دوبارہ تیل بھر کر پڑھائی شروع کرنی اور صبح ہمارے اُٹھنے سے پہلے آرام کے لیے لیٹ جانا۔اکثر وہ رات کی خاموشی میں پڑھتے تھے۔"　(خط بنام خاکسار 26 مارچ 1982ء)

اسی طرح ان کی بہن کہتی ہیں "چھوٹے بہن بھائیوں سے پیار سے بولنا، تعلیم میں ان کی مدد کرنی لیکن اس رنگ میں نہیں کہ انہیں کام کر کے دے دینا۔کہنا خود کر کے لے آؤ جو سمجھ نہ آئے مَیں بتا دوں گا۔"　(خط بنام خاکسار 26 مارچ 1982ء)

1942ء میں ایف۔اے کرنے کے بعد سلام گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے۔اس وقت وہ سولہ سال کے تھے۔اُن دنوں اُن کے والد محکمہ تعلیم میں ملتان ہوتے تھے، اس لیے انہیں لاہور ہوسٹل میں رہنا پڑا جہاں انہیں شطرنج کھیلنے کی عادت پڑ گئی۔ان کے دوستوں کو ڈر پیدا ہوا کہ کھیل میں وقت ضائع کرنے کی وجہ سے سلام

کہیں لڑکوں سے پیچھے نہ رہ جائے اِس لیے انھوں نے ان کے والد کو ملتان خط لکھا اور سلام کی شکایت کی۔ سلام کے والد ناراض ہوئے اور بیٹے کو شطرنج میں وقت ضائع کرنے سے منع کیا۔ چنانچہ سلام فوراً رُک گئے اور زیادہ محنت سے پڑھنے لگے۔ وہ اپنے کمرے میں اپنے آپ کو بند کر لیتے اور باہر دروازے پر تالا لگوا دیتے اور چودہ چودہ گھنٹے مسلسل پڑھتے رہتے۔ کتابیں ترتیب سے رکھتے۔ ان کی بہن کہتی ہیں کہ جب لاہور چلے گئے تو وہاں سے لکھ دیتے فلاں الماری میں فلاں حصّہ میں یہ کتاب رکھی ہے بھجوا دیں۔ (خاکسار کے نام خط مرقومہ مارچ 1982ء)

1944ء میں سلام نے بی۔اے آنرز کیا اور ہر مضمون میں اوّل آئے اور 90.5 فیصد نمبر لے کر نیا ریکارڈ قائم کیا اور سونے اور چاندی کے میڈل حاصل کئے۔

گورنمنٹ کالج لاہور میں وہ کالج کے رسالے کے چیف ایڈیٹر اور کالج یونین کے صدر رہے۔ 1942ء میں انھوں نے ریاضی پر تحقیقی مقالہ بھی لکھا۔

1946ء میں سلام نے اسی کالج سے ریاضی میں ایم۔اے کیا اور 95.5 فیصد نمبر لے کر یونیورسٹی میں اوّل آئے۔

غرض عبدالسلام سکول سے ایم۔اے تک ہر امتحان میں اوّل آتے رہے اور اس دَوران کُل سات میڈل حاصل کیے۔

سکول اور کالج کی پڑھائی کے دَوران وہ باقاعدہ قرآن کریم کی تلاوت کرتے، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثیں پڑھتے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کا مطالعہ کرتے۔ ریاضی کے علاوہ انہیں تاریخ اسلام، فلاسفی، اکنامکس اور پولیٹیکل سائنس سے بھی دلچسپی تھی اور کئی کتابیں پڑھ کر انھوں نے ان علوم میں مہارت پیدا کی۔

اعلیٰ تعلیم اور حیران کن کامیابیاں

عبدالسلام اب اعلیٰ نمبروں میں ایم۔اے کر چکے تھے۔ ان کے والدین کی خواہش تھی کہ ان کا بیٹا مقابلے کا امتحان دے کر ڈپٹی کمشنر بنے لیکن ان دنوں دوسری جنگِ عظیم کی وجہ سے مقابلے کا امتحان ملتوی ہو گیا۔ سلام کے دل میں بیرونِ ملک اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی لیکن والد صاحب کی تھوڑی آمدنی کی وجہ سے بیرون ملک جانا ممکن نہ تھا لیکن اللہ تعالیٰ جو ہر چیز پر قادر ہے اس نے اس ناممکن بات کو اس طرح ممکن بنا دیا کہ 15 لاکھ روپے کی رقم جو ایک مشہور زمیندار خضر حیات ٹوانہ نے جنگِ عظیم میں انگریزوں کی مدد کے لیے اکٹھی کی تھی وہ 1945ء میں جنگ بند ہونے کی وجہ سے بچ گئی اور 1946ء میں انھوں نے پنجاب کا وزیرِ اعظم بن کر اس رقم میں سے چھوٹے زمینداروں کے بچوں کو اعلیٰ تعلیم کے لیے وظیفے دینے کا اعلان کر دیا۔ عبدالسلام کو اس فنڈ میں سے 550 روپے ماہوار وظیفہ ملا۔ ستمبر 1946ء کو عبدالسلام وظیفہ لے کر انگلستان کی کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔ خدا کی قدرت کہ اس سے اگلے سال ہندوستان تقسیم ہو گیا اور عبدالسلام کے سوا اِس فنڈ سے کسی اور کو وظیفہ نہ مل سکا۔

اکتوبر 1946ء سے عبدالسلام نے کیمبرج میں ریاضی کا تین سالہ بی۔اے آنرز کا کورس شروع کر دیا جسے ٹرائی پوز (Tripos) کہتے ہیں۔ اس کورس کے دوران سلام روزانہ 14 سے 16 گھنٹے پڑھتے اور اپنے کورس کی کتابوں کے علاوہ تاریخی اور دینی کتابیں بھی پڑھتے۔ عبدالسلام نے تین سال کا یہ کورس اوّل درجہ میں صرف دو سالوں میں کر لیا۔ جن دنوں عبدالسلام یہ کورس کر رہے تھے ان دنوں ہندوستان میں فسادات ہو رہے تھے اور ان کے عزیز و اقارب جن علاقوں میں رہتے تھے وہ بھی خطرے سے خالی نہ تھے لیکن انھوں نے بڑی ہمت اور محنت سے اپنی توجہ تعلیم کی طرف رکھی اور 1948ء میں بی۔اے آنرز (ریاضی) کی ڈگری حاصل کر لی۔

عبدالسلام ایک سال کا وظیفہ چھوڑ کر واپس آنا چاہتے تھے لیکن جب انھوں نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کو مشورہ کے لیے خط لکھا تو حضور نے فرمایا کہ ہمارے نزدیک یہ بُزدلی ہو گی اگر ملا ہوا وظیفہ آپ چھوڑ کر واپس آتے ہیں۔ اس پر سلام نے ریاضی سے ملتے جلتے مضمون فزکس میں داخلہ لے لیا۔ خلیفۂ وقت کی خواہش کا احترام کرنے کے لیے سلام نے ایسا قدم اُٹھایا جس میں کامیاب ہونا بظاہر ناممکن تھا کیونکہ ایک تو فزکس کا یہ کورس تین سال کا تھا اور وظیفہ ایک سال کا باقی تھا اور دوسرے فزکس کا مضمون انھوں نے ایف۔اے کے بعد پڑھا ہی نہیں تھا لیکن ان کی محنت اور خلیفۂ وقت اور ان کے والدین کی دعاؤں نے کچھ ایسا اثر دکھایا کہ انھوں نے یہ کورس اوّل درجہ میں صرف ایک سال میں پاس کر لیا اور بی۔اے آنرز (فزکس) کی ڈگری حاصل کر لی۔

تین سال بعد 1949ء میں سلام واپس آئے۔ اس دوران ان کا نکاح اپنے تایا کی بیٹی امۃ الحفیظ بیگم سے ہوا۔ نکاح حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے کوئٹہ میں پڑھا جہاں حضور گرمیوں میں گئے ہوئے تھے۔

کیمبرج سے بی۔اے آنرز کرنے کے بعد عبدالسلام پی ایچ ڈی کرنا چاہتے تھے جس کے لیے ان کے وظیفہ میں دو سال کی گورنمنٹ نے توسیع کر دی۔ ان کا وظیفہ ان کی بیوی کا خرچ برداشت کرنے کے لیے کافی نہ تھا اس لیے وہ شادی کے بعد چھ ہفتے پاکستان رہ کر اکیلے واپس انگلستان چلے گئے اور پی ایچ۔ڈی فزکس کے لیے کیمبرج یونیورسٹی میں داخل ہو گئے۔

یہاں سلام نے ایٹمی ذرّات پر تحقیق کا آغاز کیا۔ ان کے ذمّہ ایک ایسا کام لگایا گیا

جس میں بڑے بڑے سائنسدان ناکام ہوچکے تھے اور جو طالب علم اس پر سلام سے پہلے کام کررہا تھا وہ اس مسئلہ کے حل کے لیے امریکہ کی اس یونیورسٹی میں جارہا تھا جہاں دنیا کے چوٹی کے سائنسدان تحقیق کررہے تھے۔ سلام نے تھوڑے سے وقت میں اس مسئلہ کو حل کردکھایا جس پر انہیں 1950ء میں کیمبرج یونیورسٹی نے سمتھ انعام دیا۔

سلام کا یہ تحقیقی مقالہ امریکہ کی اسی یونیورسٹی میں ایک مشہور سائنسدان ڈائسن کو پڑتال کے لیے بھجوایا گیا۔ وہ خود اس مسئلہ کو حل کرنے میں ناکام ہوچکے تھے اس لیے انھوں نے جب سلام کا مقالہ پڑھا تو بہت خوش ہوئے۔ انھوں نے برمنگھم میں لیکچر دینا تھا۔ وہاں پہنچ کرانھوں نے سلام کو بھی برمنگھم بُلوا لیا اوران سے لیکچر دلوایا۔

سلام سے زبانی سمجھ کر جب وہ برمنگھم سے واپس گئے تو انھوں نے واپسی پر مشہورِ عالَم سائنسدان رابرٹ اوپن ہمیر کے سامنے سلام کی بے حد تعریف کی اور بتایا کہ غیرترقّی یافتہ ملک کا ہونے کے باوجود سلام غیرمعمولی طور پر ذہین ہیں۔ چنانچہ انھوں نے پی ایچ ڈی کا دوسرا سال گذارنے کے لیے سلام کو پرنسٹن یونیورسٹی امریکہ بُلوا لیا جہاں انھیں دنیا کے چوٹی کے سائنسدانوں کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ اِس دَوران سلام کو گذشتہ صدی کے سب سے بڑے سائنسدان آئن سٹائن کو قریب سے دیکھنے کا موقع مِلا جواُن دنوں کششِ ثقل اور برقی مقناطیسی طاقتوں کو اکٹھا کرنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ اس طرح انہوں نے ایک سال کے لیے دنیا کے چوٹی کے سائنسدانوں کے ساتھ کام کیا۔ تیسرا سال گذارنے کے لیے وہ کیمبرج آئے مگر اب وظیفہ ختم ہوچکا تھا۔ چنانچہ انہیں قابلیّت کی بناء پر یہ رعایت دی گئی کہ وہ واپس پاکستان جاکر تیسرا سال وہیں ریسرچ کریں اور مقالہ وہیں سے بھیج دیں۔ یہ رعایت انہیں غیرمعمولی قابلیّت کی وجہ سے دی گئی۔

کیمبرج چھوڑنے سے پہلے انھوں نے اپنے نگران پروفیسر کو کہا کہ وہ انہیں ایک سرٹیفکیٹ دے دیں کہ "مَیں نے دو سال پی ایچ ڈی کا کام تسلی بخش کیا ہے۔" ان کے نگران پروفیسر جواُن کی قابلیت سے بے حد متاثر ہوچکے تھے کہنے لگے "میرے خیال میں آپ مجھے ایک سند لکھ دیں کہ آپ نے میرے ساتھ کام کیا ہے۔"

غرض 1951ء میں سلام واپس پاکستان آگئے اور گورنمنٹ کالج لاہور میں شعبہ ریاضی کے سربراہ لگ گئے۔ ایک سال بعد 1952ء میں انھوں نے تحقیقی مقالہ مکمل کرکے کیمبرج بھیجا اور پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

زندگی کا نازک موڑ

انگلستان سے واپسی پر سلام کو امپیریل کالج لندن کے ایک مشہور پروفیسر لیوی نے کہا کہ اگر وہ چاہیں تو اس کالج میں ملازم ہوجائیں لیکن سلام کے دِل میں خواہش تھی کہ وہ اپنے ملک پاکستان کی خدمت کریں اس لیے انھوں نے اس وقت پروفیسر لیوی کو انکار کردیا۔ اس کے باوجود پروفیسر لیوی نے انہیں کہا کہ اگر وہ کبھی انگلستان آنا چاہیں تو وہ امپیریل کالج میں انہیں لیکچرار لگوا دیں گے۔

پاکستان آکر ڈاکٹر سلام نے کوشش کی کہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ریسرچ کو ترقی دیں لیکن انتظامیہ نے ان کی مخالفت کی اورانہیں فٹ بال کلب کا صدر بنادیا۔

(Abdus Salam.Biographic sketch of prof)

ان کی مخالفت کا یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ وہ ایک مشہور سائنسدان ڈاکٹر بہلا کی دعوت پر بمبئی گئے۔ گرمیوں کی چھٹیوں کے دن تھے۔ انھوں نے وہاں جاکر ایک یورپی سائنسدان ڈاکٹر پالی سے تبادلہ خیال کیا۔ اس جرم کی سزا میں اُن کی تنخواہ کاٹ لی گئی۔ تین سال وہ لاہور میں رہے اوراس دَوران وہ حالات کا مقابلہ کرتے رہے۔

ان کا خیال تھا کہ جس طرح کسی ملک کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے فوج ضروری ہے اسی طرح ملک کی ترقی کے لیے سائنس پڑھنا ضروری ہے۔ انھوں نے گورنمنٹ کو مشورہ دیا کہ سائنس کی ایک الگ وزارت قائم کی جائے لیکن اُن کی بات ماننے سے انکار کردیا گیا۔

ادھر 1953ء میں جماعتِ احمدیہ کے خلاف تحریک شروع ہوگئی۔ ان دنوں ان پر قاتلانہ حملے کی بھی کوشش کی گئی۔ اس دَوران انہیں کیمبرج یونیورسٹی کی طرف سے ملازمت پیش کی گئی اور جنوری 1954ء میں وہ کیمبرج پہنچ گئے جہاں سے ان کی زندگی کا ایک نیا موڑ شروع ہوا۔

شاندار سائنسی کارنامے اور عالمگیر شُہرت

عبدالسلام اسلامی ملکوں کے پہلے مسلمان اور پاک و ہند کے پہلے سائنسدان ہیں جنہیں سب سے شاندار اور انگلینڈ کی کیمبرج یونیورسٹی میں لیکچرار کی نوکری کی پیشکش ہوئی۔ تاہم ہندوستان کے رادھا کرشنا آکسفورڈ میں فلاسفی کا مضمون پڑھا چکے ہیں لیکن فلاسفی غیرسائنسی مضمون تھا۔ سائنس کا مضمون سب سے پہلے پڑھانے کا اعزاز صرف ڈاکٹر سلام کو حاصل ہوا۔ رادھا کرشنا ہندوستان کے دوسرے صدر بنے۔

کیمبرج میں ڈاکٹر سلام گریجوایٹ اور پی ایچ۔ ڈی کی کلاسوں کو پڑھانے اور اُن کی نگرانی پر مقرر ہوئے۔ کیمبرج میں ایک ہی مضمون آدھی آدھی کلاس کو دو پروفیسر پڑھاتے تھے اور طلباء کو یہ سہولت تھی کہ دونوں میں سے جس پروفیسر کی کلاس میں جانا چاہیں جاسکتے ہیں۔ ڈاکٹر سلام بجلی اور مقناطیس کا مضمون پڑھاتے تھے۔ ان کے پڑھانے کا انداز اتنا دلچسپ تھا کہ دو تہائی طلباء ڈاکٹر سلام کی کلاس میں جاتے اور صرف ایک تہائی طلباء دوسرے پروفیسر کا لیکچر سُنتے۔

کیمبرج میں ڈاکٹر سلام نے تحقیق کا کام جاری رکھا۔ 1954ء میں انھوں نے ایک تحقیقی مقالہ لکھا 1955ء میں پانچ اور 1956ء میں چار مقالے لکھے۔ ان تحقیقی کاموں کی وجہ سے وہ چند سالوں میں ہی مشہور سائنسدان بن گئے اور انہیں دنیا کی بڑی بڑی سائنسی کانفرنسوں میں شامل کیا جانے لگا۔ چنانچہ 1955ء میں ڈاکٹر سلام کو اقوام متحدہ نے ایٹم برائے امن کی پہلی کانفرنس کے لیے سیکرٹری چُنا۔ یہ کانفرنس سوئٹزرلینڈ میں جنیوا کے مقام پر ہوئی جہاں انہیں سائنس کے ذریعے خدمت کا بہت احساس ہوا۔

1957ء میں ڈاکٹر سلام امپیریل کالج لندن میں پروفیسر بنا دیے گئے۔ اس وقت ان کی عمر صرف اکتیس سال کی تھی۔ اس سے پہلے انگریزوں میں اتنا بڑا عہدہ کسی مسلمان کو نہیں ملا تھا۔

امپیریل کالج میں آنے کے بعد انھوں نے ایٹم کے بنیادی ذرّات پر لیکچر دیا جس میں دنیا کے چوٹی کے سائنسدان شریک ہوئے اور ان کی شہرت دنیا میں بڑھنے لگی۔ ان دنوں پاکستان کے ایک مشہور سیاستدان اور پاکستان کے انگریزی اخبار پاکستان ٹائمز کے مالک میاں افتخار الدین انگلستان گئے۔ انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ ایک پاکستانی لندن یونیورسٹی میں سائنس کا چیئرمین ہوسکتا ہے۔ انھوں نے پاکستان ٹائمز کے پورے صفحے پر ڈاکٹر سلام پر ایک شاندار مضمون دیا جس سے پاکستانیوں کے سر فخر سے بلند ہونے لگے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کو اپنے ملک سے باہر ریاضی اور طبعیات میں تحقیقی کام کرنے کا بہت موقع ملا اور اللہ تعالی ہمیشہ ان کی مدد اور رہنمائی کرتا رہا۔ انھوں نے ان علوم میں نئی نئی باتیں پیش کیں اور مختلف ملکوں کے بُلانے پر وہ ملک ملک جا کر اپنے نظریات کی وضاحت کرتے رہے۔ انہوں نے سخت محنت کو ہمیشہ اپنی کامیابی کا ذریعہ بنایا۔ اتنی زیادہ محنت کرنے کے باوجود وہ لوگوں سے خوشی کے ساتھ ملتے۔ محترم قاضی محمد اسلم صاحب مرحوم جو گورنمنٹ کالج لاہور اور تعلیم الاسلام کالج ربوہ کے پرنسپل رہ چکے ہیں، کا بیان ہے کہ سلام 1951ء اور 1953ء کے درمیان اٹھارہ ماہ تک اُن کے پاس لاہور میں رہے۔ ان کو سخت محنت کی عادت تھی۔ جب بھی کوئی ان کے کمرے میں گیا اس نے دیکھا کہ سلام کرسی میز پر بیٹھے کام کر رہے ہیں لیکن اس کے ساتھ خوش ہوکر ملتے اور اسے پورا وقت دیتے حتیٰ کہ وہ چلا جاتا اور ڈاکٹر سلام پھر اپنے کام میں لگ جاتے اور انہیں کبھی یہ احساس نہ ہوتا کہ اُن کے کام میں حرج واقع ہوا ہے۔ یہی کیفیت ان کی انگلستان میں رہی۔

ڈاکٹر عبدالسلام نے بہت شروع میں ایٹم کے بنیادی ذرّات پر تحقیق کا کام شروع کیا اور جن نئے نظریات کی نشاندہی کی، ان پر تحقیق کر کے کئی سائنسدان ایک عرصہ بعد اس نتیجہ پر پہنچے۔

1956ء میں ڈاکٹر سلام نے ایٹم کے بنیادی ذرّات کے بارہ میں جو نظریہ پیش کیا اس کی دنیا کے بڑے بڑے سائنسدانوں نے بہت مخالفت کی اور جب دوسرے سائنسدانوں کے تجربوں سے سلام کا نظریہ درست نکلا تو ان کی شہرت میں بہت اضافہ ہوا اور 33 سال کی عمر میں انگلستان کی شاہی سوسائٹی نے انہیں اپنا فیلو بنالیا۔ یہ اعزاز اس سے پہلے کسی مسلمان کو نہیں مل سکا۔

جو نئے نظریات ڈاکٹر سلام پیش کر رہے تھے ان کی تصدیق اس طرح سے ہوجاتی کہ امریکہ اور جاپان اور چین وغیرہ کے سائنسدان اپنی تحقیق کے ذریعے اسی نتیجہ پر پہنچ جاتے۔ جلد ہی ڈاکٹر سلام ساری دنیا کے سائنسدانوں میں مشہور ہو چکے تھے۔ چنانچہ ان کے کاموں کی قدر کرتے ہوئے 1957ء میں کیمبرج یونیورسٹی نے انہیں ہاپکن انعام اور 1958ء میں آدم انعام دیا۔ 1961ء میں انہیں انگلستان میں سائنس کی سب سے بڑی فزیکل سوسائٹی کی طرف سے Maxwell Medal اور ایک سَوگنی انعام ملا۔ 1959ء میں حکومتِ پاکستان نے انہیں ستارۂ پاکستان، پرائڈ آف پرفارمنس اور بیس ہزار روپے کا انعام دیا۔ 1964ء میں سلام کو دنیا کی سائنس کی سب سے پُرانی Royal Society نے Hugeus Medal دیا۔ اس موقع پر ایک رسالے نے لکھا کہ "دُنیا میں ایسے بہت کم سائنسدان ہیں جنھوں نے مسلسل اور اتنی تیزی سے نئے نظریات پیش کیے ہوں جیسے ڈاکٹر عبدالسلام نے گذشتہ تیرہ سالوں میں کیے ہیں۔"

(Salam by Dr.A.Ghani. A.Biographic Sketch of prof)

1969ء میں انہیں امریکہ کی یونیورسٹی آف میامی نے ان کی خدمات پر اوپن ہیمر میڈل دیا۔ 1970ء میں سویڈن (Royal Academy of Science) Sweden نے اور 1971ء میں روس (Academy of Science USSR) اور امریکہ (American Academy of Arts and Science) نے ڈاکٹر سلام کو اپنی اپنی سوسائٹی کا رکن بنالیا۔

ڈاکٹر عبدالسلام ابھی بچہ تھے کہ ان کے والد صاحب کو خواب کے ذریعے ان کے تیزی کے ساتھ ترقی کرنے کے بارہ میں اطلاع دی گئی۔ ان کے والد فرماتے ہیں "ایک رؤیا میں ایک نہایت بلند درخت دکھایا گیا جس کی شاخیں فضا میں نہایت ارفع چلی گئی ہیں عزیزم عبدالسلام اس درخت پر چڑھ رہا ہے اور بڑی پھرتی سے چڑھتا چلا جا رہا ہے... دیکھ کر مَیں ڈرا کہ معصوم بچہ ہے گر نہ جائے اور اسے زور سے آواز دینے لگا کہ سلام اب بس کرو اور نیچے اُترو۔ بچہ میری طرف دیکھتا ہے اور مسکراتے ہوئے کہتا ہے کہ ابّا جان فکر نہ کریں۔ یہ کہتے ہوئے پھر اوپر ہی اوپر چڑھتا گیا اور اتنی بلندی پر

گیا کہ گو یا نظروں سے اوجھل ہو گیا۔(سرگزشت)

انٹرنیشنل سنٹر آف تھیوریٹیکل فزکس:

1964ء میں ڈاکٹر عبد السلام نے اٹلی میں انٹرنیشنل اٹامک انرجی ایجنسی کے تحت اٹلی کی مدد سے سائنس کا عالمی مرکز قائم کیا۔ یہ ایک بہت بڑا کارنامہ تھا جس پر انہیں 1968ء میں (Ford Foundation) فورڈ فاؤنڈیشن نے "ایٹم برائے امن" کا عالمی ایوارڈ اور تیس ہزار ڈالر انعام دیا۔ نیز 1970ء سے اقوامِ متحدہ کا ادارہ یونیسکو بھی فریق بن گیا۔

(Abdus Salam by Dr.A.Ghani.Biographic sketch of prof)

1968ء میں انھوں نے ساری دنیا کے لیے ایک سائنسی ادارہ International Federation for Institution of Advance Studies کے نام سے قائم کرنے کی تجویز پیش کی جس کو بہت اچھا سمجھا گیا اور امریکہ نے انہیں میڈل (John Torence T.dte Medal from Amerial Institute of Physics) دیا۔

اپنی تحقیق کے نتیجہ میں ڈاکٹر سلام نے چار میں سے دو بنیادی طاقتوں کو یکجا کرنے کا نظریہ (Unified Electroweak Theory) پیش کیا جس پر لندن کے طبیعات کے ادارے نے انہیں 1976ء میں میڈل (Gother Medal) دیا اور ہندوستان کلکتہ یونیورسٹی نے انہیں 1977ء میں میڈل دیا اور 1978ء میں رائل سوسائٹی نے اعلیٰ ترین شاہی میڈل دیا۔

(نوٹ اس عالمی سنٹر کا نام ڈاکٹر عبد السلام کی پہلی برسی کے موقع پر دنیا بھر کے سائنسدانوں نے ،سلام سنٹر، رکھ دیا ہے۔)

نوبیل انعام کا حصول

اب تک ڈاکٹر عبد السلام کو دنیا کے بہترین انعام مل چکے تھے لیکن سب سے بڑا انعام یعنی "نوبیل پرائز" ابھی نہیں ملا تھا۔ اُن کی خواہش تھی کہ یہ انعام بھی ان کو مل جائے کیونکہ اس انعام کا حاصل کرنا (دین حق) اور پاکستان کے لیے باعث عزّت تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تیسرے خلیفہ حضرت حافظ مرزا ناصر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ 1978ء میں کسرِ صلیب کانفرنس کے لیے یورپ تشریف لے گئے تو ڈاکٹر عبد السلام نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا اور حضرت صاحب کو دعا کے لیے عرض کی۔ آپؒ نے دعا کی اور آپؒ کو خدا کی طرف سے بتایا گیا کہ سلام نے اب تک جو تحقیق کی ہے اس پر نوبیل انعام مشکل ہے البتہ اگلے سال تک جو کام وہ کریں گے اس پر انہیں نوبیل انعام مل سکے گا۔ اس امر کا ذکر حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے نومبر 1980ء کے آخری ہفتہ میں اسلام آباد اپنے قیام کے دَوران ایک روز بعد نماز مغرب وعشاء مجلس عرفان میں فرمایا۔

چنانچہ اگلے سال 1979ء میں پروفیسر عبد السلام صاحب کو دو امریکی سائنسدانوں کے ساتھ فزکس کے بہترین کام پر نوبیل انعام مل گیا۔(''مشرق" 19اکتوبر 1979ء) اور یہ حضرت امام جماعتِ احمدیہ کی دعاؤں اور ڈاکٹر سلام کی محنت کا نتیجہ تھا۔

یہ نوبیل انعام ایک سویڈش سائنسدان مسٹر الفرڈ بن ہارڈ نوبیل کی یاد میں دیا جاتا ہے۔ نوبیل 21 اکتوبر 1833ء میں سٹاک ہوم کے مقام پر جو کہ سویڈن کا دارالحکومت ہے پیدا ہوا اور 10 دسمبر 1896ء کو اٹلی میں فوت ہوا۔ نوبیل ایک بہت بڑا کیمیادان اور انجینئر تھا۔ اس کی وصیّت کے مطابق ایک فاؤنڈیشن ہر سال 5انعامات دیتی ہے۔ ان انعامات کی تقسیم کا آغاز دسمبر 1901ء میں ہوا جو کہ الفرڈ نوبیل کی پانچویں برسی تھی۔

نوبیل انعام فزکس، فزیالوجی، کیمسٹری یا میڈیسن، ادب اور امن کے شعبوں اور میدانوں میں نمایاں اور امتیازی کارنامہ سرانجام دینے والوں کو دیا جاتا ہے۔ ہر انعام ایک طلائی تمغہ اور سرٹیفکیٹ اور رقم بطور انعام جو کہ تقریباً 80 ہزار پونڈ پر مشتمل ہوتی ہے دی جاتی ہے۔ نوبیل انعام حاصل کرنے والے امیدواروں کے نام مختلف ایجنسیوں کے سپرد کر دیے جاتے ہیں اور وہ انعام کے صحیح حقدار کا فیصلہ کرتی ہیں۔ مثلاً فزکس اور کیمسٹری رائل اکیڈمی آف سائنس سٹاک ہوم کے سپرد ہوتی ہے۔

فزیالوجی یا میڈیسن کیرولین میڈیکل انسٹی ٹیوٹ سٹاک ہوم کے سپرد ہوتی ہے۔ اَدب کا مضمون سویڈش اکیڈمی آف فرانس اور سپین کے سپرد اور امن کا انعام ایک کمیٹی کے سپرد ہوتا ہے جس کے پانچ ممبر ہوتے ہیں جو کہ نارویجین پارلیمنٹ چُنتی ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا)

15 اکتوبر 1979ء کو ڈاکٹر عبد السلام نے نوبیل انعام کا حقدار قرار دیے جانے کی خبر سُنی تو وہ بیت الفضل لندن جا کر خدا کا شکر ادا کرنے کے لیے سجدہ ریز ہو گئے۔

انہوں نے نوبیل انعام 10 دسمبر 1979ء کو سٹاک ہوم میں شاہِ سویڈن کارل گستاف سے حاصل کیا جہاں وہ بادشاہ اور ملکہ کے دس دنوں تک مہمان رہے۔ نوبیل کی خاص تقریب کے بعد رات کو انہیں سویڈن کے بادشاہ اور ملکہ کے ساتھ کھانا پیش کیا گیا جس میں چار ہزار مہمان شامل ہوتے ہیں۔ کھانے کے بعد ہر مضمون میں انعام حاصل کرنے والوں کی طرف سے ایک ایک نمائندہ تین تین منٹ تقریر کرتا ہے۔ ڈاکٹر سلام نے فزکس میں انعام حاصل کرنے والوں کی نمائندگی میں تین منٹ کی ایک شاندار تقریر کی۔

ڈاکٹر محمد اکرام الحق سابق چیئرمین شعبہ طبیعات گورنمنٹ کالج لاہور کا بیان ہے کہ ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے ساتھ جو نوبیل پرائز لینے والے تھے گلاشو اور وائن

برگ انھوں نے ڈاکٹر سلام کو کہا کہ آپ معتبر اور فلاسفر آدمی ہیں آپ ہی ہماری نمائندگی کریں گے۔(بحوالہ رسالہ خالد ڈاکٹر عبدالسلام نمبر صفحہ ۱۱۰)

تقریر کے آغاز میں قرآن کریم کی سورۃ الملک کی آیات 4، 5 کی تلاوت کی۔ وہ آیات یہ ہیں۔

اَلَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا مَاتَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ ۝ ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ ۝

وہی ہے جس نے سات آسمانوں کو طبقہ در طبقہ پیدا کیا۔ تو رحمن کی تخلیق میں کوئی تضاد نہیں دیکھتا۔ پس نظر دوڑا کیا تو کوئی رخنہ دیکھ سکتا ہے؟ نظر پھر دوسری مرتبہ دوڑا۔ تیری طرف نظر ناکام لوٹ آئے گی اور وہ تھکی ہاری ہوگی۔

اس ہال میں یہ پہلا موقع تھا کہ قرآن کریم کی تلاوت کی گئی۔

ڈاکٹر عبدالسلام کے نوبیل انعام حاصل کرنے پر پورے عالمِ اسلام، پاکستان اور تیسری دنیا میں خاص طور پر خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ؒ نے انہیں مبارکباد کا تار دیا جس میں فرمایا:۔

"سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں۔ میری طرف سے اور جماعتِ احمدیہ کی طرف سے پُرخلوص دِلی مبارکباد قبول کریں۔ احمدیت اور تمام پاکستانیوں کو آپ پر فخر ہے کہ وہ پہلا مسلمان سائنسدان اور پاکستانی جس کو انعام ملا وہ ایک احمدی ہے۔ خدا تعالیٰ مستقبل میں آپ کو اپنی تائید و نصرت سے نوازتا رہے۔"

(بحوالہ الفضل 17 اکتوبر 1979ء)

اسلام کے دائمی مرکز مکّہ کے ایک اخبار نے لکھا "ایک مسلمان پاکستانی عالم کا اس انعام کا حصول سارے عالمِ اسلامی کے لیے شرف و عزّت کا موجب اور ان کی محنت کا ثمرہ ہے۔" (العالم الاسلامی 19 نومبر 1979ء)

صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق نے بھی مبارکباد کا تار دیا اور کہا کہ آپ نے یقینا پاکستان کی عظمت اور سرفرازی کو نئی تابانی بخشی ہے۔ اور انہیں اعلیٰ ترین سول اعزاز "نشان امتیاز" دیا۔ (جنگ، کراچی 16 اکتوبر 1979ء)

قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد نے انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی۔ اسلام آباد یونیورسٹی کے سربراہ نے کہا "سالہا سال کی تحقیق کے بعد ماہرینِ طبیعات نے قدرت کی چار بنیادی قوتیں تلاش کر لیں (1) کششِ ثقل (2) برقی مقناطیسی قوت (3) کمزور جوہری قوت (4) طاقتور جوہری قوت۔

ماہرین طبیعات یہ چاہتے ہیں کہ چار بظاہر مختلف قوتوں کو ایک متحد قوت کا روپ دیا جائے۔ آئن سٹائن نے بھرپور کوشش کی کہ وہ کششِ ثقل کو بجلی کی قوت سے متحد کر سکے۔ عبدالسلام، شیلڈن گلاشو اور سٹیون وینبرگ تمام لوگوں نے علیٰحدہ علیٰحدہ کام کر کے کمزور جوہری قوت اور برقی مقناطیسی قوت کو متحد کر دیا ہے۔ یہ ایک انتہائی اہمیت کا حامل نظریہ ہے جو کہ انیسویں صدی میں فیراڈے اور میکسویل کے بجلی اور مقناطیسیّت کو ہم آہنگ کرنے کے تاریخی واقعہ کے برابر ہے۔"

(سپاسنامہ از وائس چانسلر قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد بحوالہ انصاراللہ جنوری فروری 1980ء)

ڈاکٹر عبدالسلام کی نوبیل انعام ملنے پر دنیا بھر میں عزت افزائی ہوئی۔ اٹلی کے وزیراعظم نے 8 نومبر 1979ء کو انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری دی۔ 15 جنوری سے 29 جنوری تک وہ تیسری دنیا کے ترقی پذیر لاطینی ممالک کے دَورے پر رہے جہاں انہیں کئی یونیورسٹیوں کی طرف سے اعزازی ڈگریاں دی گئیں۔ وینزویلا کے صدر نے اعلیٰ ترین سول اعزاز دیا۔ مراکش کے شاہ حسن نے اپنی اکیڈمی کا رُکن بنایا۔ شاہ اردن پیرس نے آئن سٹائن گولڈ میڈل دیا اور روم، پیرس، یوگوسلاویہ، ہندوستان اور کئی اور ملکوں نے انہیں رُکن بنایا۔

نوبیل انعام کی تقریب میں تقریر

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی اس شاندار تقریر کا متن دیا جائے جو انہوں نے فزکس میں نوبیل انعام حاصل کرنے والوں کی نمائندگی میں 10 دسمبر 1979ء کو کی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا:

" میں اپنے اور اپنے ساتھیوں پروفیسر گلاشو اور وائن برگ کی طرف سے نوبیل فاؤنڈیشن اور رائل اکیڈمی آف سائنسز (Royal Academy of Sciences) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے ہماری عزت افزائی کی۔۔۔طبیعات کی تحقیق تمام انسانیت کا مشترکہ ورثہ ہے۔ مشرق اور مغرب، شمال اور جنوب سب نے اس میں مساوی حصہ لیا ہے۔ اسلام کی مقدس کتاب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ تم رحمن کی تخلیق میں کسی قسم کی بے ربطی نہیں پاؤ گے۔ پھر پلٹ کر دیکھو کہ تمہیں کہیں کوئی خلل نظر آتا ہے؟ بار بار نگاہ دوڑاؤ تمہاری نگاہ تھک کر نامراد پلٹ آئے گی۔

فی الحقیقت تمام ماہرین طبیعات کا یہی ایمان ہے جتنی گہرائی تک ہم تلاش کریں اتنی ہی ہماری حیرت بڑھتی جاتی ہے اور اسی تناسب سے ہماری آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ میں یہ بات صرف اس لیے نہیں کہہ رہا کہ میں آج شام آپ کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں بلکہ یہ بات میں خاص طور پر تیسری دنیا کو مخاطب کر کے بھی کہہ رہا ہوں۔ تیسری دنیا والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ سائنسی علم کی جستجو کی بازی ہار چکے ہیں کیونکہ ان کے پاس مواقع اور ذرائع موجود نہیں ہیں۔

(نوبیل انعام کا اجراء کرنے والے) الفرڈ نوبیل نے یہ پیمان بندھا تھا کہ رنگ و نسل کا کوئی بھی امتیاز اس کی فیاضی کے حصول کی راہ میں حائل نہیں ہوگا۔ اس موقع پر میں ان سے مخاطب ہو کر یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جن کو خدا نے یہ عطیہ عطا کیا ہے آیئے ہم سب کو ایک جیسے مواقع فراہم کرنے کے لیے جدوجہد کریں تا کہ وہ طبعیات اور سائنسی تخلیق میں شامل ہو کر ساری انسانیت کے لیے نئے فوائد حاصل کریں۔ یہ سب کچھ الفرڈ نوبیل کی آرزو اور ان خیالات کے مطابق ہوگا جو اس کی زندگی میں نفوذ کر گئے تھے۔"

(روزنامہ پاکستان یکم دسمبر 1996ء بحوالہ رسالہ خالد عبدالسلام نمبر دسمبر 1997ء ص 158۔159)

شاندار کامیابیوں کا راز

ڈاکٹر عبدالسلام کی کامیابیوں کا ایک راز ہے جس کا ذکر انھوں نے جلسہ سالانہ 1979ء کے موقع پر اپنی مختصر تقریر میں یوں کیا" آج سے تقریباً پندرہ سال پیشتر حضرت والد صاحب چوہدری محمد حسین مرحوم۔۔۔ نے اپنی ڈائری میں مندرجہ ذیل سطور رقم فرمائی تھیں:

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے مرحوم نے بندہ کو بمقام لندن ایک خط لکھا جس میں درج تھا کہ میں آپ کے عزیز فرزند کے متعلق دور افق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کو پورا ہوتے دیکھتا ہوں۔ الفاظ پیشگوئی ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں:۔

" میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے۔۔۔ سو اے سننے والو! ان باتوں کو یاد رکھو اور ان پیش خبریوں کو اپنے صندوقوں میں محفوظ رکھ لو کہ یہ خدا کا کلام ہے جو ایک دن پورا ہوگا۔"

(تجلیات الٰہیہ روحانی خزائن جلد نمبر 20 صفحہ نمبر 409، 410)

میں اس پاک ذات کی حمد و ستائش سے لبریز ہوں کہ اس نے امام وقت کی، میرے والدین کی اور جماعت کے دوستوں کی مسلسل اور متواتر دعاؤں کو شرف قبولیت سے نوازا اور عالم اسلام اور پاکستان کے لیے خوشی کا سامان پیدا کیا۔ پاکستان زندہ باد۔۔۔" (الفضل 31 دسمبر 1979ء)

ڈاکٹر عبدالسلام نے اپنی زندگی کو صحیح دینی اصولوں کے مطابق ڈھال کر اپنے آپ کو امام وقت، والدین، بزرگوں، استادوں، غریبوں اور دکھی انسانوں کی دعاؤں کا مستحق بنایا اور خدا تعالیٰ نے ان کے بابرکت وجود کے ذریعے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی پوری فرمائی۔ انھوں نے دین کو دنیا پر ہمیشہ مقدم رکھا اور سائنسدانوں اور بڑے بڑے لوگوں تک احمدیت کا پیغام پہنچایا۔ شاہ سویڈن کو نوبیل انعام حاصل کرنے کے دنوں میں قرآن کریم اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اقتباسات کا انگریزی ترجمہ پہنچا کر آئے۔ اسی طرح شاہ حسن کو مراکش میں لٹریچر دے کر آئے۔ اُن کے بہنوئی عبدالشکور صاحب کا بیان ہے کہ وہ جہاں جاتے اپنی خیریت کا خط پاکستان لکھتے رہتے اور واپسی پر ہمیشہ لکھتے کہ پیغام حق پہنچانے کی بھی توفیق ملی، الحمدللہ۔

دراصل ان کی کامیابیوں کا راز یہی ہے کہ وہ دین کی خدمت کرنے والے اور اللہ کے بندوں کے بہت ہمدرد تھے۔ ماں باپ کی بے انتہا خدمت کی انہیں توفیق ملی اور انھوں نے ماں باپ کی بہت دعائیں لیں۔ ان کی ایک بہن کہتی ہیں:۔

"...ابا جان اور محترمہ والدہ صاحبہ سے بہت ادب اور احترام کے ساتھ بات کرتے تھے۔ یہ عادت ان کی شروع دن سے تھی کہ ہر بات اور ہر کام میں ان کے مشورے پر چلنا۔۔۔ ابا جان کے ساتھ کہیں جانا ہوتا تھا تو ہمیشہ ابا جان کو اپنے سے پہلے رکھا۔ لوگ دیکھ کر رشک کرتے تھے۔۔۔ والدہ صاحبہ مرحومہ بتایا کرتی تھیں کہ جب بھائی جان انہیں لندن کے سفر پر لے جاتے اور لے آتے تھے تو راستہ میں ان کے ساتھ ایسا حال ہوتا تھا جیسا کہ ایک ماں اپنے معصوم بچے سے کرتی ہے۔ ہر لمحہ ان کے آرام کا دھیان۔ ائیر ہوسٹس بیٹے کے اس سلوک پر اماں جی کو کہا کرتی تھیں آپ نے اپنے بیٹے کو کیسے پالا تھا۔ اماں جی مسکرا کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتی تھیں۔"

(خط بنام خاکسار 21 مارچ 1982ء)

جناب بشیر احمد رفیق صاحب مربی سلسلہ انگلستان لکھتے ہیں" جب کبھی آپ نے کسی کو مدعو کیا خواہ وہ دنیوی لحاظ سے کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو ان کے والد ضرور اس میں شامل ہوتے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ ڈیوک آف ایڈنبرا اور شاہی افراد سے ملاقات تھی تو اپنے والد محترم کو بھی ساتھ لے گئے"۔

(اقتباس از مضمون"اس صدی کا عظیم سائنسدان" بحوالہ خالد نومبر 1979ء)

ڈاکٹر عبدالسلام اپنی تحقیق کی بنیاد ہمیشہ قرآن کریم پر رکھتے تھے اور احادیث نبویؐ اور کتب حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے مدد لیتے تھے۔ ہمیشہ دعاؤں سے کام لیتے تھے۔ بہت بڑھ چڑھ کر مالی قربانی اور غریبوں کی امداد کرتے تھے۔ اتنی عزت کے باوجود بہت سادہ انسان تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ فرمایا:۔

" ڈاکٹر سلام کی عزت اور مرتبہ کا یہ مقام ہے کہ اگر کوئی کانفرنس ہو رہی ہو اور اس میں روس، امریکہ اور دیگر ممالک کے چوٹی کے سائنسدان شریک ہوں اور یہ بعد میں کانفرنس ہال میں داخل ہوں تو جونہی یہ داخل ہوتے ہیں سارے لوگ کھڑے ہو

جاتے ہیں لیکن ان کی اپنی یہ حالت ہے کہ جسے انگریزی میں Unassuming کہتے ہیں۔ کسی کی پروانہیں، کوئی خیال نہیں کہ میں اتنا بڑاانسان ہوں۔ نہ آرام کا خیال نہ کپڑوں کا خیال۔ آپ ان سے ملیں تو عام انسانوں جیسا۔۔۔وہ بالکل نہیں جانتے کہ میں اتنا بڑا سائنسدان ہوں اور دوسروں میں اور مجھ میں کوئی فرق ہے۔"

(خطاب سالانہ اجتماع لجنہ اماءاللہ مرکزیہ 20اکتوبر 1979ء)

ڈاکٹر عبدالسلام کی یہ عادت تھی کہ ہر کام میں خلیفۂ وقت سے مشورہ لیتے اور مسلسل دعاؤں کے لیے لکھتے رہتے۔ خلفائے سلسلہ بھی ان سے خصوصی شفقت کا سلوک فرماتے رہے۔نوبیل انعام ملنے کے بعد 1979ء کے جلسہ سالانہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے تعلیمی منصوبہ کے سلسلہ میں ذہین بچوں کو ہر سال سوا لاکھ روپے کے وظائف کے لیے جو کمیٹی بنائی عزت افزائی کے طور پر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کو اس کمیٹی کا صدر بنادیا۔(الفضل 3جنوری 1980ء)

میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر صاحب اس اعزاز کو اپنے تمام عالمی اعزازات سے بھی زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہوں گے۔

ڈاکٹر سلام کی کامیابیوں کا ایک راز یہ ہے کہ وہ قرآن کریم کو خدا تعالیٰ کا قول اور سائنس کو خدا تعالیٰ کا فعل سمجھتے تھے اور سائنس پر تحقیق کو عبادت سمجھتے تھے اور ہمیشہ اپنی تقریروں میں قرآن کریم کے ان حکموں کو پیش کرتے تھے جن میں سائنسی علوم حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ صحیح نتائج پر اتنی جلدی پہنچ جاتے رہے جن تک پہنچنے کے لیے باقی سائنسدان کئی کئی سال لیتے تھے۔

پاکستان، اسلامی دنیا اور تیسری دنیا کے لیے خدمات

وطن سے بے پناہ محبت:

ہمارے آقا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ہے کہ حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانِ وطن کی محبت ایمان کا حصہ ہے

اس کے مطابق ڈاکٹر عبدالسلام کو اپنے ملک پاکستان کے ساتھ زبردست محبت اور یہاں سائنس کی ترقی سے جذباتی تعلق تھا۔ انگلستان میں کئی سالوں سے رہنے کے باوجود بھی انہوں نے وہاں کی قومیت نہیں لی اور ہمیشہ پاکستانی ہونے میں فخر محسوس کیا۔یہی وجہ ہے کہ جب شاہ سویڈن سے نوبیل انعام وصول کرنے گئے تو جہاں سب مغربی لباس پہن کر گئے تھے وہ پاکستانی لباس پہن کر گئے۔

حکومت پاکستان کے سائنسی مشیر اعلیٰ

1961ء میں صدر پاکستان جنرل محمد ایوب خاں کی پیشکش پر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب نے بغیر تنخواہ حکومت کا سائنسی مشیر بننا منظور کرلیا اور مندرجہ ذیل اہم خدمات سرانجام دیں:

☆ ملک سے غربت ختم کرنے کے لیے سائنس کی ترقی کے لیے کوشش۔

☆ ایٹمی سائنس کی تجربہ گاہوں کا اسلام آباد میں قیام۔

☆ پاکستان میں فزکس کا عالمی مرکز بنانے کا منصوبہ جو اٹلی کی امداد سے اٹلی میں بنا۔

☆ سوات سائنس کانفرنس کا انعقاد۔

☆ سیم اور تھور ختم کرنے کے لیے ٹیوب ویل لگانے کا مربوط منصوبہ۔

☆ پاکستان کی سائنسی منصوبہ بندی۔

1968ء میں جنرل محمد یحییٰ خاں پاکستان کے صدر بنے اور 1971ء تک صدر رہے اس عرصہ میں بھی سلام حکومت کے سائنسی مشیر اعلیٰ کی حیثیت سے فرائض سر انجام دیتے رہے۔اس عرصہ میں ان کی اہم خدمات مندرجہ ذیل ہیں:

☆ سائنسی تحقیق اور ترقیاتی منصوبہ بندی کے لیے حکومت کو اہم مشورے۔

☆ پاکستان سائنس فاؤنڈیشن کا قیام۔

دسمبر 1971ء میں ذوالفقار علی بھٹو نے حکومت سنبھالی اور ڈاکٹر سلام بدستور حکومت کے سائنسی مشیر کے طور پر مفت کام کرتے رہے۔ اس دوران انھوں نے مندرجہ ذیل کام کیے:

☆ مسلمان ملکوں میں سائنس کی ترقی کے لیے اسلامک سائنس فاؤنڈیشن بنانے کی تجویز۔

☆ حکومت میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی الگ وزارت کا قیام۔

آپ کی مزید چند خدمات یہ ہیں:

☆ 1976ء میں نتھیا گلی مری میں عالمی سیمینار کا انعقاد۔

☆ اپنے ذاتی انعامات میں سے پاکستانی طالب علموں کو وظیفے۔

☆ عالمی اداروں سے پاکستان کے مختلف کالجوں میں سائنسی آلات کی فراہمی۔

☆ سائنس کی ترقی کے لیے ایک فیصد سالانہ بجٹ خرچ کرنے کا مشورہ۔

اسلامی دنیا کے لیے خدمات

ڈاکٹر عبدالسلام کی سائنسی خدمات کی بدولت سات سو سال بعد ایک مسلمان سائنسدان کا ذکر سائنس کی کتابوں میں آیا اور ڈاکٹر عبدالسلام کی تھیوریاں یورپ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں پڑھائی جاتی ہیں جو بذات خود اسلامی دنیا کی زبردست خدمت ہے۔بعض اور خدمات یہ ہیں:

☆ اسلامی ممالک میں سائنسی علوم کی ترقی کے لیے حکومتوں کو مشورے۔

☆ اسلامک سائنس فاؤنڈیشن کا قیام۔

☆ اقوام متحدہ کی سائنسی کمیٹی کے چیئر مین کی حیثیت سے اسلامی ممالک کی خدمات۔

☆ اسلامی ممالک کے دورے اور مفید مشورے۔

☆ تیل پیدا کرنے والے ممالک کو عالمی سطح پر سائنس کا ایک مرکز بنانے کی تجویز اور اس کام کے لیے اپنا سارا نوبیل انعام دینے کا اعلان۔

جماعت احمدیہ کا تعلیمی منصوبہ

ڈاکٹر عبدالسلام کے ذریعے اسلام کو سائنس کا گمشدہ ورثہ واپس ملنے کا آغاز ہوا ہے لیکن اسلام کی عظمت کو دوبارہ بحال کرنے کے لیے ان جیسے مسلمان سائنسدانوں کا کثرت سے پیدا ہوتے رہنا ضروری ہے لیکن اس ضرورت کا احساس صرف جماعت احمدیہ کو ہے اور اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کے ذریعے یہ انقلاب لانا چاہتا ہے۔

چنانچہ جلسہ سالانہ 1979ء کے موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر سلام کی نوبیل انعام لینے پر تعریف کی اور ان کے نقش قدم پر چل کر احمدی بچوں کو کثرت سے چوٹی کے سائنسدان بننے کی تلقین فرمائی۔

حضور نے فرمایا کہ قیام احمدیت کی آئندہ صدی میں جو کہ غلبہ اسلام کی صدی ہے جماعت کو ایک ہزار چوٹی کے سائنسدان اور محقق چاہئیں۔ یہ صدی 1989ء سے شروع ہو چکی ہے اور اس دوران 1979ء سے 1989ء تک دس سالوں میں سو چوٹی کے سائنسدان اور محقق چاہئیں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے حضور نے تعلیمی منصوبہ بندی کا اعلان کیا اور فرمایا:

"آج میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ جماعت احمدیہ ہر ذہین مگر غریب بچے کو پرائمری سے سنبھالے گی۔۔۔ جماعت کا کوئی ذہین بچہ چاہے وہ ماسکو میں ہو یا نیویارک میں یا پاکستان کے اندر یا باہر اس کا ذہن ضائع نہیں ہونے دیا جائے گا۔ نوع انسانی کے اس ذہن کو سنبھالنا ہے۔ یہ اسلام نے بتایا ہے اور اسلام کے اس حکم کو قائم کرنا ہے۔۔۔ ہم ہر سال جماعت احمدیہ کی طرف سے سوا لاکھ روپے کے وظیفے ذہین طلباء کو دیں گے... یہ انعام نہیں یہ ان طالب علموں کا حق ہے... جماعت احمدیہ اپنی طرف سے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی یہ عزت افزائی کرتی ہے کہ ان کو اس کمیٹی کا صدر مقرر کرتی ہے۔۔۔ میری دعا ہے کہ یہ سکیم جماعت اور قوم کے لیے انتہائی مفید ثابت ہو۔" (الفضل 3 جنوری 1980ء)

تیسری دنیا کے لیے خدمات

بچو! تیسری دنیا سے مراد غریب اور غیر ترقی یافتہ ممالک ہیں جن کے لیے ڈاکٹر سلام کی بے شمار خدمات میں سے بعض یہ ہیں:

☆ تیسری دنیا کے ممالک میں سائنس کی ترقی کی کوشش۔

☆ اٹلی میں طبیعات کی تعلیم و تربیت کے لیے عالمی مرکز کا قیام۔

☆ دنیا میں دولت کی غیر مساوی تقسیم روکنے کے لیے سائنسی مجالس میں تیسری دنیا کی نمائندگی۔

☆ ایٹم برائے امن کے لیے جدوجہد۔

☆ ترقی پذیر ممالک کے دورے اور حکومتوں کو اہم مشورے۔

ڈاکٹر عبدالسلام کی پاکستان، اسلامی ممالک اور تیسری دنیا کے لیے خدمات کے اعتراف میں ان ممالک کی ایک درجن سے زائد یونیورسٹیوں نے انہیں ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں دی ہیں اور کئی موقعوں پر اس کا اعتراف کیا ہے۔

خدمات کا نہایت وسیع دائرہ

نوبیل انعام کے حصول کے بعد بھی ڈاکٹر عبدالسلام مسلسل اپنے کاموں میں پورے ولولے اور جوش و خروش کے ساتھ لگے رہے۔ پاکستان کے ایک نامور سائنسدان کا کہنا ہے کہ "ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے گرد مختلف دائرے تھے۔

☆ پہلا دائرہ ان کی فیملی (Family) اور کمیونٹی (Community) کا تھا (یعنی جماعت احمدیہ عالمگیر)

☆ دوسرا پاکستان کا ☆ پھر اسلامی ممالک کا ☆ پھر ترقی پذیر ممالک کا ☆ اور پھر پوری دنیا کا۔

اس طرح انھوں نے ہر دائرے کے حوالے سے کام کیا اور پاکستان میں یہ بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ ڈاکٹر سلام مختلف رسالوں، خاص طور پر مہلک ہتھیاروں کے خاتمے کی تحریک چلانے والے رسالے بلیٹن آف اٹامک سائنسز (Bulletin of Atomic Sciences)، جس کے بانیوں میں آئن سٹائن بھی تھا، کے بورڈ آف ایڈیٹرز (Board of Editors) کے بھی ممبر تھے اور ڈاکٹر سلام ہمیشہ (پرامن) Peaceful دنیا کے لیے کام کرتے رہے جس میں ہر طرف امن اور خوشحالی ہو۔

اس دوران بھی اللہ تعالیٰ ان کو بہت نوازتا رہا اور انھوں نے اپنی علمی برتری اور نہایت وسیع اور عظیم الشان خدمات کی بدولت مزید کئی ممالک سے اعزازی ڈگریاں، ایوارڈز، اعزازات اور مختلف بین الاقوامی سائنسی سوسائٹیوں کی ممبر شپ حاصل کی اور ساری دنیا سے اپنی قابلیت کا لوہا منوایا۔

بیماری اور وفات

ڈاکٹر عبدالسلام کے تحقیقی کیریئر (Career) کا آغاز 1949ء-50ء میں ہوا تھا اور وہ 1993ء تک مسلسل تحقیقی کاوشیں کرتے رہے بہت کم لوگ ہیں جن کی تحقیق کا عرصہ اتنا طویل ہو۔ (خالد ڈاکٹر عبدالسلام نمبر دسمبر 1997ء صفحہ نمبر 140)

اس بات کا قوی امکان تھا کہ انہیں دوبارہ نوبیل انعام ملے لیکن ان کی صحت بہت خراب ہوگئی اور وہ پارکنسن سے ملتی جلتی ایک خطرناک بیماری میں مبتلا ہو گئے جس میں پٹھوں کی حرکت متاثر ہوتی ہے۔ جب تک ہمت رہی وہ ویل چیئر پر بھی اپنی سرگرمیوں میں لگے رہے۔ سفر بھی کرتے رہے اور مختلف ممالک کے دورے بھی کیے حتیٰ کہ چلنے پھرنے کے بالکل قابل نہ رہے۔ نہایت صبر اور حوصلے کے ساتھ انھوں نے بیماری کو برداشت کیا۔ انہیں یہ دکھ کھاتا رہا کہ پاکستان اور دنیا کے پسماندہ ملکوں سے جہالت اور غربت دور ہو اور دنیا میں امن اور انصاف اور خوشحالی کی فضا قائم ہو جائے۔ غریب ملک بھی سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعے ترقی کر کے ترقی یافتہ ملکوں کے شانہ بشانہ چلنے کے قابل ہو جائیں اور اپنے وطن پاکستان کی محبت میں تو وہ اکثر آبدیدہ اور بے قابو ہو جاتے تھے۔ اپنی ساری استعدادیں بنی نوع انسان کی خدمت میں لگا کر یہ پہلا احمدی سائنسدان ڈاکٹر عبد السلام بالآخر 21 نومبر 1996ء کو لندن میں صبح آٹھ بجے اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو گیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ۔

وفات کے وقت آپ کی عمر تقریباً اکہتر (71) سال تھی۔ ”یہ وہ ہے جو خدا کو مانتا ہے“

22 نومبر 1996ء کو جمعہ تھا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر عبد السلام صاحب کے بارے میں خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:۔

”...ڈاکٹر (عبد السلام) صاحب بھی دعاؤں ہی کا پھل تھے۔ ان کے والد بزرگوار چوہدری محمد حسین صاحب اور ان کی والدہ ہاجرہ بیگم۔۔۔ دونوں ہی بہت مقدس وجود تھے۔۔۔ انہوں (والد چوہدری محمد حسین صاحب) نے ڈاکٹر عبد السلام کی پیدائش سے پہلے رؤیا میں دیکھا کہ ان کو ایک خوبصورت پاک بیٹا عطا کیا جا رہا ہے اور اس کا نام عبد السلام بتایا گیا۔۔۔ ساری زندگی پھر اس نے اس رؤیا کی سچائی کو ظاہر کیا اور اپنے ماں باپ کے خلوص کی قبولیت کو ظاہر کیا۔۔۔ سائنس کی دنیا میں اتنے بلند مرتبہ تک پہنچنے کے باوجود کامل طور پر خدا تعالیٰ کی ہستی کے قائل۔ بلکہ ایک دفعہ مجھے کہہ رہے تھے کہ جب میں کسی سائنسی اجتماع میں جاتا ہوں تو بعض سرگوشیوں کی آواز آتی ہے۔ ”یہ وہ ہے جو خدا کو مانتا ہے“

اور بھی سائنسدان اب ماننے لگے ہیں۔ پہلے سے بڑھ گئے ہیں لیکن جس شان کے ساتھ آپ نے خدائے واحد یگانہ کے ایمان کا حق ادا کیا ہے اور اس جھنڈے کو بلند کیا ہے ویسا کوئی اور سائنس دان اس جیتی دنیا میں آپ کو دکھائی نہیں دے گا اور پھر خدائے واحد یگانہ کی عظمت کے نتیجے میں جو انکسار پیدا ہوتا ہے وہ پوری طرح آپ کی ذات میں ہمیشہ رہا۔ نظام جماعت کے سامنے خادمانہ حیثیت کی حفاظت کی ہے۔۔۔ مجھے ان کی انکساری کو دیکھ کر رشک آتا تھا کہ کتنا بڑا عالم ہے سائنس کے مضمون میں۔۔۔ رفعتیں جو انسان کو عطا ہوتی ہیں ان کا انکساری سے گہرا تعلق ہے۔۔۔ اللہ تعالیٰ ڈاکٹر صاحب مرحوم کے درجات بلند فرمائے ان کو بہت بلند مرتبے عطا فرمائے اور ان کی رفعتوں کی جو جان ہے یعنی دعاؤں کا پھل، وہ جان اللہ تعالیٰ ان کی اولادوں اور نسلوں میں آگے جاری فرمائے...

بہت سے پاک اور نیک انجام ہیں جن کی بنیادیں بعض دفعہ انسان کی پیدائش سے پہلے ڈال دی جاتی ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر عبد السلام صاحب بھی ان ہی وجودوں میں سے ایک وجود ہیں... ہر میدان میں ایسے ایسے انھوں نے میڈل بچپن سے حاصل کرنے شروع کیے ہیں، ریکارڈ پر ریکارڈ توڑتے چلے گئے اور بعض ایسے ریکارڈ جو پھر اور ہو ہی نہیں سکتے۔ جب سو فیصدی نمبر لے لو گے تو ریکارڈ کیسے ٹوٹے گا۔ اور پھر جب پاکستان میں ناقدری کی گئی تو انگلستان کی حکومت کی فراخ دلی ہے یا قدر شناسی کہنا چاہئے۔ فراخ دلی کا سوال نہیں، انھوں نے بڑی عزت کا سلوک کیا۔ امپیریل کالج کی پروفیسر شپ کی سیٹ عطا کی اور مسلسل ان کے ساتھ بہت ہی عزت اور احترام کا سلوک جاری رکھا ہے۔

پھر اٹلی نے آپ کی عزت افزائی کی۔ انھوں نے جو ایک تحریک کی کہ میرے نزدیک وہاں ٹریسٹ میں ایک سنٹر بننا چاہئے سائنس کے فروغ کا۔ تو حکومت اٹلی نے بڑا حصہ خرچ کا ادا کیا۔ پھر دوسرے اداروں نے بھی اس میں حصہ لیا اور خاص طور پر غریب ممالک کے بچوں کو تعلیمی سہولتیں دے کر ان کی صلاحیتوں کے مطابق ان کو نقطہ عروج تک پہنچانا یہ آپ کا مقصد تھا اور اس میں قطعاً مذہبی تعصب کا اشارہ تک بھی نہیں تھا۔ غیر احمدی، پاکستانی، غیر پاکستانی، پولینڈ کے لڑکے، عیسائی، دہریہ سب پر یہ فیض برابر تھا جو رحمانیت کا فیض ہے اور اللہ کے فضل سے اس کے ساتھ بنی نوع انسان کو بہت بڑا فائدہ پہنچا ہے۔

...اب یہ ہمارا بہت ہی پیارا، علموں کا خزانہ، دنیاوی علوم میں بھی، روحانی علوم میں بھی ترقی کرنے والا، ہمارا پیارا ساتھی اور بھائی ہم سے جدا ہوا۔ اللہ کے حوالے، اللہ کی پیار کی نگاہیں ان پر پڑیں اور ان کو سنبھال لیں اور اس کے علاوہ ان کی اولاد کے لیے بھی یہی دعا کریں کہ خدا ان سے ہمیشہ حسن سلوک رکھے شفقت اور رحمت کا سلوک رکھے اور ان کی دعاؤں کو آگے بھی ان کے خون میں، ان کی نسلوں میں جاری کر دے جو ان کے حق میں قبول ہوئیں۔“

(الفضل انٹرنیشنل لندن 10 تا 16 جنوری 1997ء)

نماز جنازہ اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں تدفین

22 نومبر 1996ء کو نماز جمعہ کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے ڈاکٹر عبد السلام صاحب کی بیت الفضل لندن کے باہر نماز جنازہ پڑھائی جس میں

کثرت سے احباب شامل ہوئے۔ جنازہ پڑھانے سے قبل حضور نے اپنے بابرکت ہاتھوں سے ان پر کچھ چھڑکا اور محبت بھری نگاہوں سے دیر تک دیکھتے رہے اور ان کی پیشانی پر ہاتھ پھیرا اور تابوت کو وین (van) تک کندھا دیا۔ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی شدید خواہش تھی کہ ان کو ان کے وطن پاکستان میں ان کے والدین کے قدموں میں دفن کیا جائے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس خواہش کو قبول فرمایا اور حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کی اجازت اور منظوری سے ان کا تابوت جہاز پر لندن سے لاہور لایا گیا۔ وہاں پر بھی ان کی نماز جنازہ ادا کی گئی۔ 24 نومبر شام سات بجے تابوت ربوہ پہنچایا گیا۔ڈاکٹر صاحب کے بیوی بچے لندن سے ساتھ آئے تھے۔ باقی رشتہ دار بھی اور جماعت احمدیہ کے بہت سارے لوگ بھی اس موقع پر ربوہ پہنچ گئے جہاں حضرت مرزا منصور احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور نہایت وقار اور نظم وضبط کے ساتھ ہزاروں لوگوں کے جلوس میں انہیں بہشتی مقبرہ ربوہ پہنچایا گیا جہاں ان کے والدین کی قبروں والے قطعہ (نمبر 12) میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ رات کے ساڑھے گیارہ بج چکے تھے جب قبر تیار ہونے پر مکرم ناظر صاحب اعلیٰ و امیر مقامی نے پرسوز اور لمبی دعا کروائی۔

روزنامہ پاکستان لاہور نے یکم دسمبر 1996ء کی اشاعت میں لکھا "دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ اور یونیورسٹیوں نے ان کی وفات پر بڑا سوگ منایا ہے"۔

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی پہلی برسی ان کے قائم کردہ سنٹر ٹریسٹے (اٹلی) میں منائی گئی جہاں عصر حاضر کے مشہور ترین اور اہم ترین ماہرین طبعیات (جن میں کئی نوبیل انعام یافتہ بھی تھے) نے متفقہ طور پر ICTP کا نام تبدیل کر کے عبدالسلام سنٹر رکھ دیا۔ جدید تاریخ میں یہ پہلا موقع تھا کہ ایک عظیم ادارے کا نام تیسری دنیا کے ایک سائنس دان کے نام پر رکھا گیا ہو۔ یہ بھی آپ کے "اللہ تعالیٰ کا ایک نشان" ہونے کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے خاندان کی فہرست

والد: محترم چوہدری محمد حسین صاحب مرحوم،

والدہ: محترمہ ہاجرہ بیگم صاحبہ مرحومہ

ہمشیرگان: محترمہ مسعودہ بیگم صاحبہ (آپ ڈاکٹر صاحب کی پہلی والدہ محترمہ سعیدہ بیگم صاحبہ مرحومہ سے پیدا ہوئیں) محترمہ حمیدہ بیگم صاحبہ۔

بھائی: محترم چوہدری محمد عبدالسمیع صاحب، محترم چوہدری محمد عبدالحمید صاحب، محترم چوہدری محمد عبدالماجد صاحب، محترم چوہدری محمد عبدالقادر صاحب، محترم چوہدری محمد عبدالرشید صاحب، محترم چوہدری محمد عبدالوہاب صاحب۔

ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے اہل وعیال

اہلیہ اول: محترمہ امتہ الحفیظ بیگم صاحبہ

دختران: محترمہ ڈاکٹر عزیزہ بیگم صاحبہ زوجہ ڈاکٹر حمید الرحمن صاحب، محترمہ آصفہ بیگم صاحبہ زوجہ شہاب الدین سعدی صاحب، محترمہ آنسہ بشریٰ صاحبہ زوجہ چوہدری وجیہ باجوہ صاحب۔

پسر: محترم احمد سلام صاحب

اہلیہ ثانی: محترمہ لوئس جانسن سلام صاحبہ

دختر: محترمہ سعیدہ ہاجرہ بیگم صاحبہ،

پسر: محترم عمر عطاء السلام صاحب

حرف آخر

آپ نے پہلے احمدی مسلمان سائنسدان عبدالسلام کی زندگی کے حالات پڑھے۔ آپ نے دیکھا کس طرح ایک احمدی بچہ علم سے محبت پیدا کر کے اپنا قیمتی وقت ضائع ہونے سے بچا کر سخت محنت اور دعاؤں کے نتیجہ میں دنیا کا بڑا سائنسدان بن گیا اور ان کے ذریعے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی پوری ہوئی۔

اگر آپ بھی ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی طرح قرآن، رسول کریمؐ اور خدا کے پیارے خلفاء کے نقش قدم پر چلیں، اپنا وقت ضائع ہونے سے بچائیں، بہت محنت کریں حضرت خلیفۃ المسیح کو دعا اور مشورہ کے لیے لکھتے رہیں تو آپ بھی ان خوش نصیب احمدی سائنسدانوں میں شامل ہو سکتے ہیں جن کے بارے میں حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے خواہش فرمائی تھی اور جماعت احمدیہ کے لیے تعلیمی منصوبہ بنایا تھا۔ آج ہمارے پیارے امام سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی احمدی بچوں کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی طرف خصوصی توجہ دلائی ہے چنانچہ آپ نے 5 دسمبر 2003ء کے خطبہ جمعہ میں احمدی بچوں سے مخاطب ہو کر فرمایا:۔

"ہر احمدی بچے کو ایف۔ اے ضرور کرنا چاہیے۔۔۔ اور سیکرٹریان تعلیم کو اپنی جماعت کے بچوں کو اس طرف توجہ دلاتے رہنا چاہیے۔ اگر تو یہ بچے جس طرح میں نے پہلے کہا کسی مالی مشکل کی وجہ سے انہوں نے پڑھائی چھوڑی ہوئی ہے تو جماعت کو بتائیں۔ جماعت انشاء اللہ حتی الوسع ان کا انتظام کرے گی اور پھر یہ بھی ہوتا ہے بعض دفعہ کہ بعض بچوں کو عام روایتی پڑھائی میں دلچسپی نہیں ہوتی۔ اگر اس میں دلچسپی نہیں ہے تو پھر کسی ہنر کے سیکھنے کی طرف بچوں کو توجہ دلائیں۔ وقت بہر حال کسی احمدی بچے کا ضائع نہیں ہونا چاہیے۔ پھر ایسی فہرستیں ہیں جو اُن پڑھے لکھوں کی تیار کی جائیں جو آگے پڑھنا چاہتے ہیں۔ Higher Studies کرنا چاہتے ہیں لیکن مالی مشکلات

کی وجہ سے نہیں پڑھ سکتے تو جس حد تک ہوگا جماعت ایسے لوگوں کی مدد کرے گی۔"
خدا کرے آپ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئیوں اور خلفائے احمدیت کی خواہشات کو پورا کرنے والے ہوں اور علم حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے بندوں کی بے لوث خدمت کی توفیق پائیں اور سائنس کے میدان میں اسلام کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرنے کا موجب بنیں۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

بین الاقوامی اعزازت کی فہرست

ایوارڈز

1۔ کیمبرج یونیورسٹی سے ہاپکنز انعام 1958ء
2۔ کیمبرج یونیورسٹی سے ایڈمز انعام 1958ء
3۔ حکومت پاکستان سے ستارہ پاکستان 1959ء
4۔ حکومت پاکستان سے پرائڈ آف پرفارمنس کا اعزاز اور بیس ہزار روپے انعام 1959ء
5۔ فزکس سوسائٹی لندن سے پہلا میکسویل میڈل 1962ء
6۔ رائل سوسائٹی لندن سے ہیوگز میڈل 1964ء
7۔ ایٹم برائے امن فاؤنڈیشن سے ایٹم برائے امن میڈل اور ایوارڈ 1968ء
8۔ امریکہ کی یونیورسٹی آف میامی سے جے رابرٹ اوپن ہیمر یادگاری میڈل اور انعام 1971ء
9۔ فزکس سوسائٹی لندن سے گوتھرے میڈل اور انعام 1976ء
10۔ کلکتہ یونیورسٹی سے سر دیوا پرشاد گولڈ میڈل 1977ء
11۔ روم (اٹلی) کی قومی اکیڈمی سے میٹیوسی میڈل 1978ء
12۔ امریکن انسٹی ٹیوٹ آف فزکس سے جان ٹورینس ٹیٹ میڈل 1978ء
13۔ رائل سوسائٹی لندن سے رائل میڈل 1978ء
14۔ حکومت پاکستان سے نشان امتیاز 1979ء
15۔ نوبیل فاؤنڈیشن سے فزکس کا نوبیل انعام 1979ء
16۔ یونیسکو پیرس سے آئن سٹائن گولڈ میڈل 1979ء
17۔ انڈین فزکس ایسوسی ایشن سے شری آر۔ ڈی۔ برلا ایوارڈ 1979ء
18۔ وینز ویلا کی حکومت سے آرڈر آف اینڈرس بیلو 1980ء
19۔ بسیانہ (یوگوسلاویہ) سے جوزف سٹیفن میڈل 1980ء
20۔ اکیڈمی آف سائنس چیکو سلواکیہ سے گولڈ میڈل برائے حسن کارکردگی طبیعات 1981ء
21۔ چارلس یونیورسٹی پراگ سے امن میڈل 1981ء
22۔ یو ایس ایس آر اکیڈمی آف سائنس سے گولڈ میڈل 1982ء

ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگریاں

1۔ پنجاب یونیورسٹی لاہور (پاکستان) 1958ء
2۔ ایڈنبرا یونیورسٹی انگلستان 1971ء
3۔ ٹریسٹے یونیورسٹی ٹریسٹے اٹلی 1979ء
4۔ قائداعظم یونیورسٹی اسلام آباد (پاکستان) 1979ء
5۔ لیما یونیورسٹی 1980ء
6۔ یونیورسٹی آف سان مارکوس لیما (پیرو) 1980ء
7۔ نیشنل یونیورسٹی آف سان انٹونیو آباد سنر کو (پیرو) 1980ء
8۔ کارکاس یونیورسٹی 1980ء
9۔ یرموک یونیورسٹی یرموک شام 1980ء
10۔ استنبول یونیورسٹی ترکی 1980ء
11۔ چارلس یونیورسٹی 1980ء
12۔ سائمن بولیو یونیورسٹی وینز ویلا 1980ء
13۔ یونیورسٹی آف وروکلاء 1981ء
14۔ یونیورسٹی آف برسٹل برطانیہ 1981ء
15۔ گورونانک یونیورسٹی امرتسر (بھارت) 1981ء
16۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ (بھارت) 1981ء
17۔ نہرو یونیورسٹی بنارس (بھارت) 1981ء
18۔ چٹاگانگ یونیورسٹی بنگلہ دیش 1981ء
19۔ میڈوگوری یونیورسٹی نائیجیریا 1981ء
20۔ فلپائن یونیورسٹی کوئزون سٹی 1982ء
21۔ خرطوم یونیورسٹی سوڈان 1982ء
22۔ میڈرڈ یونیورسٹی سپین 1983ء
23۔ سٹی یونیورسٹی سپین 1983ء
24۔ سٹی یونیورسٹی آف نیویارک امریکہ 1984ء
25۔ نیروبی یونیورسٹی کینیا 1984ء
26۔ کیو نیشنل یونیورسٹی ارجنٹائن 1985ء
27۔ کیمبرج یونیورسٹی برطانیہ 1985ء

28۔گیٹبرگ یونیورسٹی سویڈن	1985ء
29۔سوفیا کلائی پینٹ اورڈسکی یونیورسٹی بلغاریہ	1986ء
30۔گلاسکو یونیورسٹی سکاٹ لینڈ	1986ء
31۔یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی چین	1986ء
32۔سٹی یونیورسٹی لندن برطانیہ	1986ء
33۔پنجاب یونیورسٹی چندی گڑھ(بھارت)	1987ء
34۔میڈیسینا آلٹرنیٹو کولمبو(سری لنکا)	1987ء
35۔نیشنل یونیورسٹی آف بینن کوٹونو	1987ء
36۔ایکسٹر یونیورسٹی برطانیہ	1987ء
37۔ پیکنگ یونیورسٹی چین	1987ء
38۔کینٹ یونیورسٹی بیلجیئم	1988ء

عالمی سوسائٹیوں کی رکنیت

1۔فیلورائل سوسائٹی لندن	1959ء
2۔فیلورائل سویڈش اکیڈیمی آف سائنسز	1970ء
3۔غیرملکی ممبرامریکن اکیڈیمی آف آرٹس اینڈ سائنسز	1971ء
4۔غیرملکی ممبرروس کی اکیڈیمی آف سائنسز	1971ء
5۔اعزازی فیلوسینٹ جان کالج کیمبرج	1971ء
6۔غیرملکی ایسوسی ایٹ یو۔ایس ۔اے نیشنل اکیڈمی آف سائنسز	1979ء
7۔غیرملکی ممبرروی نیشنل اکیڈمی اٹلی	1979ء
8۔غیرملکی ممبرٹ ریناا کیڈیمی روم(اٹلی)	1979ء
9۔غیرملکی ممبرعراقی اکیڈیمی	1979ء
10۔اعزازی فیلوٹاٹاانسٹی ٹیوٹ برائے بنیادی تحقیق بمبئی(انڈیا)	1979ء
11۔اعزازی ممبرکورین فزکس سوسائٹی سیؤل(کوریا)	1979ء
12۔غیرملکی ممبراکیڈمی آف کنگڈم آف مراکو(مراکش)	1980ء
13۔غیرملکی ممبرنیشنل اکیڈمی آف سائنسزروم(اٹلی)	1980ء
14۔ممبریوروپین اکیڈیمی آف سائنس،آرٹس اینڈ ہیومینی ٹیز پیرس(فرانس)	1980ء
15۔ایسوسی ایٹ ممبرجوزف سٹیفن انسٹیٹیوٹ بسیانہ یوگوسلاویہ	1980ء
16۔ممبرانڈین نیشنل سائنس اکیڈمی نیودہلی	1980ء
17۔ممبربنگلہ دیش اکیڈمی برائے سائنس ڈھاکہ	1980ء
18۔ممبرسائنس اکیڈمی ویٹی کن سٹی(روم)	1980ء
19۔ممبرسائنس اکیڈمی لزبن پرتگال	1981ء
20۔بانی ڈاکٹرورلڈاکیڈمی آف سائنس	1983ء
21۔ممبریوگوسلاویہ اکیڈمی آف سائنس زغرب	1983ء
22۔ممبرگھانااکیڈمی آف سائنس وفنون	1984ء
23۔ممبرپولش اکیڈمی آف میڈیکل سائنس	1987ء
24۔ممبرپاکستان اکیڈمی آف میڈیکل سائنس	1987ء
25۔ممبرانڈیااکیڈمی آف سائنس بنگلور	1988ء
26۔ممبرڈسٹفکوش انٹرنیشنل آف سگماچی	1988ء
27۔ممبربرازیلین میتھامیٹیکل سوسائٹی	1989ء
28۔ممبرنیشنل اکیڈمی آف اکزکٹ فزکس اینڈنیچرل سائنس(ارجنٹائن)	1989ء
29۔ممبرہنگیرین اکیڈمی آف سائنس	1990ء
30۔ممبراکیڈمی یوروپیا	1990ء

پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردارؐ

کلام حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ

رکھ پیش نظر وہ وقت بہن جب زندہ گاڑی جاتی تھی
گھر کی دیواریں روتی تھیں جب دنیا میں تو آتی تھی
جب باپ کی جھوٹی غیرت کا خوں جوش میں آنے لگتا تھا
جس طرح جنا ہے سانپ کوئی یوں ماں تیری گھبراتی تھی
یہ خونِ جگر سے پالنے والے تیرا خون بہاتے تھے
جو نفرت تیری ذات سے تھی فطرت پر غالب آتی تھی
کیا تیری قدروقیمت تھی ؟ کچھ سوچ ! تری کیا عزت تھی
تھا موت سے بدتر وہ جینا قسمت سے اگر بچ جاتی تھی
عورت ہونا تھی سخت خطا تھے تجھ پر سارے جبر روا
یہ جُرم نہ بخشا جاتا تھا تامرگ سزائیں پاتی تھی
گو یا تو کنکر پتھر تھی احساس نہ تھا جذبات نہ تھے
توہین وہ اپنی یاد تو کر! ترکہ میں بانٹی جاتی تھی
وہ رحمت عالمؐ آتا ہے تیرا حامی ہو جاتا ہے
تو بھی انساں کہلاتی ہے سب حق تیرے دلواتا ہے
ان ظُلموں سے چھڑواتا ہے
بھیج درود اُس محسن پر تو دن میں سو سو بار
پاک محمد مصطفیٰ نبیوں کا سردارؐ



1974ء کی اسمبلی کی 17 غیر اہم باتیں

اصغر علی بھٹی، مغربی افریقہ



زیادہ اہم بات یہ تھی کہ بھیڑ کا بچہ پانی گندا کر رہا تھا چنانچہ اُس کا گلہ گھونٹ کر اِس اخلاقی برائی کا راستہ روک دیا گیا تاہم یہ بات کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی کہ پانی کس طرف سے آ رہا تھا؟ اسی طرح سے 1974 کی اسمبلی کی زیادہ اہم بات یہ ہے کہ ہم 72 فرقوں نے مشترکہ طور پر جماعت احمدیہ کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دے کر غیر مسلم اقلیت بنا دیا ہے۔ تاہم اسی تناظر میں یہ بات بھی کوئی زیادہ اہمیت نہیں رکھتی کہ آیا کسی اسمبلی کو یہ مذہبی یا اخلاقی حق حاصل بھی ہے کہ وہ کسی کے عقیدے اور ایمان کے بارے میں فیصلہ کرے کہ وہ کیا ہے اور اسے کیا ہونا چاہئے؟

اسی طرح سے یہ بات بھی کوئی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے کہ وہی بھٹو صاحب جنہوں نے فخریہ طور پر پوری جماعت احمدیہ کے ایمان کے بارے میں فیصلہ کرتے ہوئے انہیں غیر مسلم قرار دیا تھا، صرف چند دن بعد جب اپنے اوپر ”نام کے مسلمان“ کا الزام لگا تھا تو عدالت میں چیخ چیخ کر بلکہ روتے ہوئے کہہ رہے تھے ”کسی فرد کسی ادارے اور کسی عدالتی بنچ کا یہ حق نہیں بنتا کہ وہ ایک ایسے معاملے پر اپنی رائے دے جس پر رائے دینے کا اس کا کوئی حق حاصل نہیں۔ چونکہ۔ اللہ اور انسان کا معاملہ ہے اور اس کا فیصلہ وہ خود خدا روز حشر کرے گا۔۔ ایک مسلمان کے لئے کافی ہے کہ وہ کلمے میں ایمان رکھتا ہو“

اسی طرح سے یہ بات بھی کوئی خاص اہمیت کی حامل نہیں کہ قرارداد تو یہ پیش ہوئی تھی کہ ”اسلام میں اس شخص کی کیا حیثیت ہے جو حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی نہ مانتا ہو“ اور اسمبلی میں جماعتی وفد سے یہ سوال پوچھا جا رہا تھا کہ مودودی صاحب کو آپ نے مسٹر کیوں لکھا ہے مولانا کیوں نہیں؟ قائداعظم کا جنازہ چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحب نے کیوں نہیں پڑھا؟ اور تقسیم ہند کے موقعہ پر جماعت نے باؤنڈری کمیشن میں اعلیحدہ میمورنڈم کیوں پیش کیا؟ (یعنی اختتام نبوت یا فیضان بنوت، وفات مسیح یا حیات فی السماء، دجال یا جوج ماجوج، قرب قیامت کی علامات، اور ان سب موضوعات کے لئے قرآنی آیات یا احادیث کا استعمال۔ تفاسیر یا علمائے سلف کے اقوال۔ فقہاء یا صوفیاء کی موشگافیاں۔ کچھ بھی ضروری نہیں۔)

ازدواجیات کے ماہر، ہمارے ایک بہت پیارے دوست جناب نصیر احمد وڑائچ صاحب فرمایا کرتے تھے کہ گھر کی دہلیز کے اندر یا باہر، بالکل آخری قدم کے وقت پر، گھر سے باہر جاتے یا گھر میں داخل ہوتے وقت مرد کے چہرے پر جو تاثرات ہوتے ہیں وہ پوری کہانی کا بلیو پرنٹ ہوتے ہیں کہ اس نے دفتر میں دن یا گھر میں رات کیسے گزاری۔ اس کے بعد وہ تکلفات کی بکل مار لیتا ہے۔ میں نے 1974 کی اسمبلی کے غیر اہم واقعات کو نوٹ کرتے ہوئے اسی اصول کا چناؤ کیا اور اس بحث کو چھوڑ دیا جو اسمبلی کے اندر ہوئی یا بقول مولوی اللہ وسایا صاحب جس میں امام جماعت احمدیہ عظیم علماء کے سوالات سے گھبرا گھبرا کر صرف پانی پی رہے تھے اور رومال سے پسینے پونچھ رہے تھے“۔ بلکہ صرف ان واقعات اور ارشادات کا تعاقب کیا جو جماعت احمدیہ کے وفد کے اسمبلی کی دہلیز پر قدم رکھنے سے پہلے یا بعد میں علمائے کرام اور معزز ممبران کے ہونٹوں کی زینت بنے اور سرکاری وقع نگار ذکو اکٹھا کرے قلموں سے تحریر ہو کر تاریخ کے سرکاری سینے پر نقش ہو کر سرکاری ریکارڈ کا حصہ بن گئے۔

30 جون 1974 کو قومی اسمبلی میں بجٹ کی کاروائی ختم ہوئی اور ابھی وزیر اعظم صاحب ایوان ہی میں موجود تھے کہ اپوزیشن کے ممبران نے کہا کہ وہ ایک قرارداد پیش کرنا چاہتے ہیں کہ مرزا غلام احمد کے پیروکاروں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ اس پر وزیر قانون جناب عبدالحفیظ پیرزادہ صاحب نے فرمایا کہ حکومت اصولی طور پر اس کی مخالفت نہیں کرتی بلکہ خیر مقدم کرتی ہے بلکہ زیادہ مناسب ہے کہ ہم یہ قرارداد مشترکہ طور پر پیش کرتے ہیں چنانچہ اگلے دو گھنٹے اسپیکر صاحب کے چیمبر میں حکومت اور اپوزیشن کے ممبران کی میٹنگ ہوئی اور پھر وزیر قانون صاحب نے یہ قرارداد پیش کر دی کہ ایک اسپیشل کمیٹی قائم کی جائے جو ایوان کے تمام اراکین پر مشتمل ہو۔ سپیکر اسمبلی اس کے چیئرمین کے فرائض ادا کریں اور اس کمیٹی کے سپرد مندرجہ ذیل تین کام ہوں گے

1۔۔ اسلام میں اس شخص کی کیا حیثیت ہے جو حضرت محمد ﷺ کو آخری نبی نہ مانتا ہو۔ 2۔ ایک مقررہ وقت میں ممبران کمیٹی سے قراردادیں اور تجاویز وصول کرنا اور ان پر غور کرنا۔ 3۔ غور کرنے، گواہوں کا بیان سننے اور دستاویزات کا مطالعہ کرنے کے بعد اس مسئلہ کے متعلق تجاویز مرتب کرانا۔

اس کے ساتھ ہی پہلے غیر اہم کام کا اعلان یہ ہوا کہ یہ ساری کاروائی in

camera ہوگی۔ یکم جولائی 1974 کو ایک بار پھر سے اس سپیشل کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا اور ڈیڑھ گھنٹہ جاری رہا۔ اس میں ایک بار پھر سے یہ منظور کیا گیا کہ اس کمیٹی کی کاروائی بصیغہ راز رکھی جائے گی۔ اور سوائے سرکاری اعلامیہ کے اس بارہ میں کوئی خبر شائع نہیں کی جائے گی۔ 3 جولائی کو کاروائی پھر سے شروع ہوئی اور مزید قواعد بنائے گئے اور ایک بار پھر سے in camera یعنی خفیہ کاروائی کے اُصول کا سختی سے اعادہ کیا گیا۔ (یہ اصرار علماء اور حکومت کی طرف سے ہے نہ کہ جماعت احمدیہ کی طرف سے۔ ایسا کیوں؟)

دوسری غیر اہم بات 4 جولائی کو ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ نے قومی اسمبلی کی کمیٹی کے صدر کو خط لکھ کر بتایا کہ یہ 4 افراد پر مشتمل ہمارا وفد ہوگا جو اسمبلی میں پیش ہوکر جماعتی مئوقف پیش کرے گا۔ 8 جولائی کو قومی اسمبلی کے سیکرٹری صاحب کی طرف سے جواب دیا گیا کہ جماعت کا مئوقف صرف اس شرط پر سنا جائے گا اگر اس وفد کی قیادت امام جماعت احمدیہ کریں گے۔ 13 جولائی کو جماعت کی طرف سے جواب دیا گیا کہ ''یہ بات میرے لئے حیرت کا باعث ہے کہ آپ ہمارے وفد کا سربراہ مقرر کر رہے ہیں۔ اگر یہ ہمارا وفد ہے تو فیصلہ بھی ہمارا ہونا چاہئے کہ اس کی قیادت کون کرے گا۔ تاہم قومی اسمبلی کی شرط اٹل رہی

تیسری غیر اہم بات کہ 22 جولائی کو جماعت کو قومی اسمبلی کا خط موصول ہوا کہ تقسیم ہند کے موقعہ پر جماعت کی طرف سے جو میمورنڈم پیش کیا گیا تھا اور پروفیسر spate جن کی خدمات جماعت نے حاصل کی تھیں ان کے نوٹس اور تجاویز کمیشن کو بھجوائیں۔ (موضوع ہے کہ جو شخص آپ ﷺ کو آخری نبی نہیں سمجھتا اس کی اسلام میں حیثیت۔ اور کاغذ تقسیم ہند کے؟)

چوتھی غیر اہم بات جماعت نے قومی اسمبلی کو لکھا کہ جو سوالات کمیٹی نے پوچھنے ہیں وہ اگر مہیا کر دیئے جائیں تا کہ جواب متعلقہ حوالہ جات کے ساتھ پیش کیا جا سکے۔ 25 جولائی کو قومی اسمبلی کی طرف سے جواب موصول ہوا کہ سٹیرنگ کمیٹی نے اس پر غور کر کے فیصلہ کیا ہے کہ یہ سوالات قبل از وقت مہیا نہیں کئے جا سکتے۔ (کسی جرم کی تفتیش تو ہو نہیں رہی مذہبی مذاکرہ ہے پھر سوال نہ مہیا کرنے کا مطلب؟)

پانچویں غیر اہم بات 5 اگست کو بیان پر جرح شروع ہوئی ۔ دوپہر کے وقفہ کے بعد کاروائی شروع ہوئی تو ایک ممبر اسمبلی نے مسئلہ پیش کر دیا کہ۔ انہوں نے کہا کہ اگر اسمبلی میں تقاریر ہوں تو رپورٹرز اس کا متن تیار کر کے ممبران کو **تصیحح** اور تصدیق کے لئے بھجوا دیتے ہیں تو اب جماعت کا وفد ایک گواہ کی حیثیت سے بیان دے رہا ہے تو کیا اس کا ریکارڈ جماعت کے وفد کو **تصیحح** اور تصدیق کے لئے بھجوایا جائے گا؟ اس کے جواب میں سپیکر صاحب نے کہا کہ جماعت کو جماعت کے وفد کا بیان **تصیحح** اور تصدیق کے لئے نہیں بھجوایا جائے گا۔ (عجیب بات نہیں دنیا بھر میں گواہ کا بیان گواہ کو دکھایا جاتا ہے جسے وہ تسلیم کر کے یا **تصحیح** کر کے دستخط کر کے دیتا ہے اور پھر یہ اس کا تصدیق شدہ بیان مانا جاتا ہے لیکن یہاں فیصلہ ہے کہ گواہ کو مکمل اندھیرے میں رکھ جائے۔ تا کہ اسے علم ہی نہ ہو کہ اس کا کیا بیان قلم بند ہو رہا ہے)

چھٹی غیر اہم بات یہ تھی کہ جب 5 اگست کی کاروائی ختم ہوئی اور جماعتی وفد چلا گیا تو مولانا نورانی صاحب نے اپنی ناراضگی کا یوں اظہار کیا کہ ''دیکھیں وہ لوگ ہنستے بھی ہیں، باتیں بھی کرتے ہیں، اس طرف دیکھ کر مذاق بھی کرتے ہیں، اور سر بھی ہلاتے ہیں، جناب سپیکر آپ ان لوگوں کو چیک کریں'

(عجیب بات ہے ہم نے انہیں آسانی سے ہرا کر کافر قرار دے دینا ہے مگر یہ ہمارے سامنے بیٹھ کر ڈر نہیں رہے)

ساتویں غیر اہم بات یہ ہوئی کہ 6 اگست کی صبح ابھی جماعتی وفد پہنچا ہی تھا کہ ایک ممبر جناب جہانگیر علی صاحب کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ جناب سپیکر تحریر یا دستاویز سے استدلال کرنا گواہ کا کام نہیں۔ یہ کام ججوں کا ہے۔ لہٰذا جماعت کو روکا جائے کہ وہ جواب میں اپنا استدلال پیش نہ کریں صرف جواب دیں (کیسا امتحانی پرچہ ہے کہ جس میں عقیدہ پر بات ہے لیکن آپ کو اپنی کتاب دیکھنے کی اجازت نہیں)

آٹھویں غیر اہم بات۔ ممبر مولوی نعمت اللہ صاحب نے یہ سوال اٹھایا کہ اس بات کا صحیح جواب نہیں دیا گیا کہ چودھری صاحب نے قائد اعظم کا جنازہ کیوں نہیں پڑھا؟ ایک اور ممبر جناب عبدالحمید جتوئی صاحب کھڑے ہو گئے اور فرمایا'' جناب چیئرمین ہمیں کل سے پتہ لگا ہے کہ ہم اس ہاؤس میں جج بنے ہیں اور ہم فیصلہ کریں گے۔ میں سمجھتا ہوں ہماری پوزیشن وہی ہے جیسے کسی نان ایڈووکیٹ کو ہائی کورٹ کا جج بنا دیا جائے اور وہ فتوی دے اس جج کا جو فتویٰ ہے جج کی حیثیت سے۔ میری تو عرض یہ ہے کہ یا تو ہم اسلام کے ماہر ہوں۔ اسلامیات پڑھے ہوئے ہوں یا پروفیسر ہوں اسلامیات کے تو پھر ہم سے فتویٰ کی امید رکھی جا سکتی ہے لیکن ایسے حالات میں ہمارے لئے as a lay man بڑا مشکل ہے کہ ہم جج بنیں۔

سپیکر: آپ نے فتویٰ نہیں دینا آپ نے فیصلہ کرنا ہے۔ عبدالحمید جتوئی: فیصلہ کرنا ہے؟ سپیکر : فیصلہ کرنا ہے عبدالحمید جتوئی: فیصلہ کرنے کا اس آدمی کو کیسے حق آپ دیتے ہیں جس کو قانون کا پتہ ہی نہیں ہو؟ انتہائی زیادتی ہے ہمارے ساتھ۔ سپیکر: پھر بعد میں فیصلہ کریں گے۔

نویں غیر اہم بات یہ تھی کہ دوپہر 12 بجے کاروائی دوبارہ شروع ہوئی اور جماعتی وفد کے آنے سے قبل ایک ممبر جناب چوہدری غلام رسول تارڑ صاحب نے

سپیکر کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو فتوے یہاں مرزا صاحب نے پڑھے ہیں ان کا اچھا اثر نہیں ہو گا اگر کسی ممبر یا مولانا کے پاس ان کی تردید ہو تو وہ دے دیں ۔

دسویں غیر اہم بات اس شام کو جب وفد چلا گیا تو سپیکر صاحب نے فرمایا کہ The honourable members may keep sitting پھر آپ نے اظہار برہمی کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ طریقہ کار بالکل غلط ہے کہ ایک حوالہ کو تلاش کرنے میں آدھ گھنٹہ لگا ہے میں کل سے کہہ رہا ہوں کہ کتابیں اس طرح رکھیں یعنی چار پانچ کرسیاں ساتھ رکھیں ...ابھی سپیکر صاحب خاموش ہوئے ہی تھے کہ جناب مفتی محمود صاحب بولے جناب والا ہم صفحہ اور لکھتے ہیں اور کتاب ہمارے پاس دوسری قسم کی آ جاتی ہے ۔ ہمارے پاس تین حوالے تھے اب وہ ٹٹول رہے ہیں" مولوی غلام غوث ہزاروی صاحب بولے جناب والا میں ایک چیز کے متعلق عرض کروں کہ ہم حوالہ جات اس وقت تیار رکھیں گے جب ہم کو اٹارنی جنرل کی طرف سے علم ہو کہ اب وہ کون سے سوالات کریں گے؟؟

گیارھویں انتہائی غیر اہم بات 7 جولائی کو دوپہر والا سیشن ختم ہوا تو سپیکر صاحب نے ایک بار پھر سے تمام ممبران اسمبلی کو روک لیا۔آج کی کاروائی سے انہیں اس بات کا بہت احساس تھا کہ جماعت کے وفد کے سامنے ممبران اسمبلی کو شرمندگی اُٹھانی پڑی ہے فرمایا we should not cut a sorry figure before the members of the delegation . And these members should be here up to 6 یعنی ہمیں وفد کے ممبران کے سامنے شرمندہ نہیں ہونا چاہئے وفد کے ممبران 6 بجے یہاں پہنچ جائیں گے ۔ اگر آپ نے اپنا work دکھانا ہے تو یہ نہیں ہے کہ ایک حوالہ تلاش کرتے آدھ گھنٹہ لگ جائے The change of edition ,or print at rabwah or Qadian is no excuse ,or you say یہ ریفرنس نہیں ہے،غلط دیا ہے، یا یہ کتاب ہی نہیں exist کرتی"

اس موقعہ پر ممبر اسمبلی عبدالحمید جتوئی صاحب کا کہنا تھا کہ جو سوال کیا جاتا ہے جماعت کے وفد کے پاس اس کا لکھا ہوا جواب ہوتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سوالات leak ہو رہے ہیں ۔ اور ممبران اسمبلی میں سے کوئی ایسا کر رہا ہے اس پر دو ممبران نے اس کی تائید کی۔

بارھویں غیر اہم بات یہ ہوئی کہ اس شام کو جب سیشن ختم ہوا اور وفد چلا گیا تو ایک ممبر جناب محمود اعظم فاروقی صاحب نے تجویز پیش کی کہ جماعت کے وفد کو رات 12 بجے تک بٹھا کر سوالات کریں ۔ ہم بھی بیٹھیں گے۔ اس پر سپیکر صاحب نے کہا کہ گواہ کے بھی کچھ حقوق ہوتے ہیں اور پھر انہیں یاد دلایا کہ وہ اب تک کاروائی سے غیر حاضر تھے اور اب آ کر کاروائی ڈال رہے ہیں ۔اس مرحلہ پر ایک ممبر اسمبلی محمد سردار خان صاحب نے یہ نکتہ اٹھایا اور فرمایا کہ

I want to bring it to the notice of the honourable house , that the main question I should say , before the special committee or the assembly is the status of the person who does not belive in the finality of th prophethood . That question or that point is still untouched

تیرھویں غیر اہم بات یہ ہوئی کہ 8 اگست کو سوا بارہ بجے اجلاس شروع ہوا۔ابھی جماعتی وفد ہال میں نہیں آیا تھا کہ سپیکر صاحب نے فرمایا کہ دروازہ بند کر دو نورانی صاحب نے شکوہ شروع کر دیا کہ ان سے مختصر جواب لیا کریں اس پر اٹارنی جنرل صاحب نے عاجز آ کر فرمایا I request the honourable members not to supply me loose balls to score boundaries یعنی میں بڑے ادب سے عرض کروں گا کہ ممبران مجھے کمزور گیندیں نہ مہیا کریں جن پر یہ جماعت والے چوکے چھکے لگائیں۔ اس پر سپیکر صاحب نے ایک دفعہ پھر سے ممبران سے صحیح طرح سے حوالہ جات پیش کرنے کی درخواست کی اور کہا "وہ جو questions ہمارے approve ہوئے ہیں ان میں کئی حوالہ جات نکلتے ہی نہیں ہیں" ایک اور ممبر سردار مولا بخش سومرو صاحب نے کہا کہ جب ہماری کتب یہاں موجود ہیں تو انہیں اس بات کی اجازت نہیں دینی چاہئے کہ وہ بعد میں اپنی کتب پڑھ کر جواب دیں۔ اس موقعہ پر مولوی ظفر انصاری نے اصرار کیا کہ انہیں لکھی ہوئی کوئی چیز پڑھنے کا موقع نہ دیا جائے۔

چودھویں نہ صرف بالکل غیر اہم بلکہ دلچسپ بھی ہے 9 اگست کی صبح جماعتی وفد کے آنے سے پہلے جناب محمود قصوری صاحب نے اپنی ایک عجیب گھبراہٹ کا ذکر کیا کہ جب احمدیوں کا وفد ہال سے چلا جاتا ہے تو ہم آپس میں بات کرتے ہیں، اگر یہ ریکارڈ کل کلاں کسی کے ہاتھ لگ گیا تو اس پر کوئی اعتراض کر سکتا ہے۔اس لئے میری درخواست ہے کہ جب ایسا ہو رہا ہو تو پلگ نکال دیا جائے یعنی اس گفتگو کی ریکارڈنگ نہ کی جائے ۔ اس موقعہ پر ایک اور ممبر جناب چوہدری جہانگیر صاحب نے بھی اپنی پریشانی سپیکر صاحب کو پیش کی کہ "مسٹر چیئر مین سر! میں یہ گزارش کرنا چاہتا ہوں کہ Delegation کے ممبر بڑے Brief Cases لے کر اور Bages لے کر اندر آ جاتے ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ جناب والا کہ وہ اسمبلی کی ہاؤس کی کاروائی کو ٹیپ ریکارڈ کر رہے ہوں۔ اس کے متعلق ذرا تسلی کر لیجئے۔

(11 اگست تا 19 اگست وقفہ کر دیا گیا اور 20 اگست سے دوبارہ کاروائی شروع ہوئی)

پندرھویں غیر اہم بات 21 اگست کی صبح ہوئی سپیکر صاحب نے اسمبلی کو بتایا کہ جماعت احمدیہ اس سپیشل کمیٹی کی ریکارڈنگ مانگ رہی ہے سپیکر نے کہا کہ میں نے اس خط کا جواب یہ دیا ہے کہ فی الحال ایسا نہیں کیا جا سکتا۔ممبران اسمبلی نے اس کی تائید کی ۔ محمد حنیف صاحب نے کہا کہ آپ نے کہا ہے کہ فی الحال نہیں دی جا سکتی ۔ یہ ریکارڈنگ کبھی بھی نہیں دینی چاہیئے ۔ پروفیسر غفور صاحب نے کہا کہ صرف ریکارڈنگ ہی نہیں بلکہ اس کی کاپی بھی نہیں دینی چاہیئے ۔

سولہویں بات کہ ممبران اسمبلی اس کارروائی کے افشاء ہونے سے اس قدر خوف زدہ تھے کہ اس مرحلہ پر ایک ممبر نے کہا کہ وہ دروازہ کھلا رہتا ہے اور وہاں پر کوئی constantly سنتا رہتا ہے۔سپیکر صاحب نے ہدائیت دی کہ یہ معلوم کر کے بتائیں کہ یہ شخص کون ہے؟

سترھویں اور آخری غیر اہم بات یہ تھی کی 24 اگست کو سوالات کا آخری دن تھا وہ ختم کرنے کے بعد ایک بار پھر سے بڑے اصرار سے کہا گیا کہ اس کارروائی کو خفیہ رکھنا چاہیئے ۔

مختصر یہ کہ کارروائی خفیہ ہوگی ،اصل موضوع پر بات نہیں ہوگی ، جو سوال ہم آپ سے پوچھنا چاہتے ہیں وہ پیشگی نہیں بتائیں گے، جواب آپ کسی تحریر کو پڑھ کر نہیں دے سکتے زبانی دینا ہوں گے، باقی سب ممبران کے بیان کی کاپی ان کو دکھائی جائے گی اور تصیحح کے بعد دستخط لئے جائیں گے اور ایک کاپی بھی ان کو دی جائے گی لیکن آپ کو ایسا نہیں کریں گے اور نہیں دکھائیں گے کہ ہم نے آپ کا کیا بیان نوٹ کیا ہے، آپ اسمبلی میں ہمارے سامنے بیٹھ کر ایک دوسرے سے ہنستے بھی ہو، سر بھی ہلاتے ہو اور ڈرتے اور روتے بالکل بھی نہیں ۔ ہم آدھ آدھ گھنٹہ صرف ایک حوالے پر صَرف کرتے ہیں جبکہ آپ فوری جواب دیتے ہو ہمیں شک ہے کہ کوئی حوالے لیک کر رہا ہے۔ ہماری Loose بالوں پر چھکے اور چوکے لگاتے ہو، ہم کارروائی کا راز افشا ہونے کے ڈر سے پلگ نکال دیتے تھے ہمیں پھر بھی شک ہے کہ کہیں بریف کیس میں ٹیپ ریکارڈر چھپا کر ریکارڈنگ تو نہیں کر رہے ہو۔ بلکہ ہمیں تو یہ بھی لگتا ہے کہ دروازے پر کھڑا کوئی شخص ہماری کارروائی سنتا رہتا ہے۔ ہم آپ کو اپنی ریکارڈنگ تو کیا کوئی بھی کاپی نہیں دیں گے...مگر یاد رکھیں یہ سب بیکار اور غیر اہم باتیں ہیں ۔اہم بات یہ ہے کہ ’’ہم نے اور ہمارے عظیم علماء نے مل کر جماعت احمدیہ کو سوالات کے ذریعہ عبرتناک شکست دی اور ان کے پاس جواب دینے کے لئے کچھ نہیں تھا۔

اور یوں ہم 90 سالہ مسئلہ جیت گئے اور جماعت احمدیہ ہار گئی‘‘ ۔ اللہ اللہ خیر صلی

اگر اسمبلی کی دہلیز سے ایک قدم اندر کا یہی بلیو پرنٹ ہے تو پھر طے شدہ بات ہے کہ ہمارے علمائے کرام واقعی ہی میدان کے فاتح تھے اور جماعت احمدیہ کے وفد کے پاس یقیناً ہارنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا ۔ ایک بار پھر اللہ اللہ خیر صلی

پیپلز پارٹی کے صوبائی وزیر محنت جناب سردار صغیر احمد صاحب نے قومی اسمبلی میں احمدیوں کو ہرانے کا سہرا اپنی حکومت کے سر باندھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ’’یہ فیصلہ قائد عوام ذوالفقار علی بھٹو کی جمہوریت پسندی اور اسلام دوستی کا بہترین ثبوت ہے اور واقعہ کربلا کے بعد ایک تاریخ ساز فیصلہ ہے‘‘

(روزنامہ امروز لاہور 9 ستمبر 1974 ص 1)

پیپلز پارٹی کے اس بیانیے کے سامنے آتے ہی جناب مفتی محمود صاحب اپنے بیانئے کے ساتھ میدان میں آ گئے ۔ آپ نے فرمایا جھوٹ بالکل جھوٹ پیپلز پارٹی کا کوئی رکن تحریک ختم نبوت میں شامل نہیں ہوا ۔ نہ حکمران جماعت کا کوئی عہدیدار اس تحریک میں گرفتار ہوا ۔ اور پیپلز پارٹی اس تحریک سے قطعی الگ تھلگ رہی ۔ لیکن اب حکمران جماعت کے عہدیدار، کارکن اور بعض دوسری سیاسی جماعتیں بھی 7 ستمبر کے فیصلے کا سہرا مسٹر بھٹو اور حکمران جماعت کے سر باندھ رہی ہیں‘‘

(نوائے وقت لاہور 25 ستمبر 1974)

جناب مفتی محمود صاحب کے احمدیوں کو ہرانے کا سہرا اپنے سر باندھنے کے اعلان کی دیر تھی کہ دوسرے کونے سے بریلوی علماء خم ٹھونک کر میدان میں آ گئے کہ فرمانے لگے کہ جناب مفتی محمود صاحب مرزا ناصر احمد صاحب کے ہاتھوں اتنی بےعزتی کے باوجود ان کو ہرانے کا سہرا اپنے سر باندھ رہے ہو خدا کا خوف کرو۔ چنانچہ ان کا بیان کچھ یوں تھا ’’یہ بات پاکستان کی قومی اسمبلی کے ریکارڈ پر بھی موجود ہے کہ جب مرزا ناصر احمد نے مفتی محمود کو کہا کہ مولوی صاحب ذرا میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھو اور بتاؤ کہ نبوت کے دعوے کی وجہ سے ہمیں ہی کیوں غیر مسلم اقلیت قرار دیا جا رہا ہے جب کہ آپ کے اکابر بھی اس جرم میں شریک ہیں تو مفتی محمود پسینے میں نہا گئے تھے۔ مگر داد دیجئے اس بےحیائی اور بےشرمی کی کہ دیوبندی بھی قصر نبوت میں نقب زنی کے باوجود ختم نبوت کے ٹھیکیدار بنے ہوئے ہیں‘‘

(رسالہ القول السدید لاہور دسمبر 1994 ص 11/12)

جماعت اسلامی جماعت احمدیہ کے ایک بڑے حریف کے طور پر مانی جاتی ہے تو کیا مولانا مودودی صاحب کے دلائل سے احمدیت کو ہرایا گیا۔ یہ سوال میں نے جمیعۃ العلماء اسلام کے سربراہ جناب مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب کے سامنے رکھا تو اُن کا جواب تھا ہر گز نہیں ’’جماعت اسلامی جو پورے ملک میں قادیانیوں کے خلاف گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتی رہی قومی اسمبلی میں عضو معطل بن کر بیٹھی رہی۔ اس کے کسی ممبر نے نہ تو کوئی سوال کیا اور نہ ہی مرزا ناصر احمد کے کسی بیان پر کسی قسم کی کوئی

تنقید کرنے کی جرات کی۔انہوں نے کہا کہ مولانا مودودی نے لاہوری مرزائیوں کو غیر مسلم قرار دینے سے انکار کر دیا تھا۔لیکن قومی اسمبلی نے متفقہ طور پر دونوں کو کافر قرار دے کر مولانا مودودی کے علم وفضل کا پول کھول دیا''

(روز نامہ مساوات لاہور 28اکتوبر 1974)

دیوبندی عالم دین سرفراز گکھڑوی صاحب نے مودوی صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے اہل حدیث کو بھی ساتھ رگڑا لگا دیا کہ یہ سب بھی احمدی نواز ہیں ان سے ڈرتے ہیں اوران کا پس خوردہ کھاتے ہیں جس پر اہل حدیث مولوی جناب حکیم محمود صاحب خلف مولانا اسمٰعیل سلفی صاحب نے مودودی صاحب کا دفاع کرتے ہوئے دیوبندی حضرات کے لئے یہ بیانیہ جاری فرمایا''مولانا نے پہلے اہل حدیثوں کو مرزائیوں کے ساتھ ملانے کی کوشش فرمائی اور اب مولانا مودودی صاحب پر الزام تراشی کی کہ وہ مرزا صاحب کو مسلمان سمجھتے تھے۔۔جب یہ لوگ قربانی دے رہے تھے اوردس ہزار مسلمان ناموس رسالت پر اپنی جانیں قربان کر گئے اس وقت آپ لوگ حجروں میں گھسے ہوئے حیض ونفاس کے مسائل پڑھا رہے تھے۔آپ کی رگ حمیت نہ پھڑکی جس نبی کے نام کے صدقے یہ حلوے مانڈے نصیب ہیں اس کے نام پر قربانی دینے کا تخیل آپ کے تحت الشعور میں بھی کہیں نہ تھا۔قربانی تو بڑی دور کی بات آپ کے خاندان کے کسی فرد کو آج تک کسی مرزائی سے گفتگو کی جرات نہیں ہوئی''

(علمائے دیوبند کا ماضی اور حال مصنفہ حکیم محمود ص 59 ناشر ادارہ نشر والتوحید والسنۃ لاہور)

ان سب مولوی حضرات سے ہٹ کر تھوڑی دور پاکستان جمہوری پارٹی پنجاب کے صدر جناب مسٹر حمزہ صاحب اپنے بیانئے کے ساتھ موجود ہیں۔آپ فرما رہے ہیں''احمدیوں کو اقلیت قرار دینے پر وزیر اعظم بھٹو کا مبارکباد یں پیش کرنے والوں کو شرم کرنی چاہئے۔۔۔عرب ممالک حکومت پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ احمدیوں کو اقلیت قرار دیا جائے''(روز نامہ امروز 19 ستمبر 1974)

احمدیوں کو ہرا دیا گیا اور مناظرے کے ذریعہ انکا منہ بند کر دیا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ تھا کہ احمدی بھیگی بلی بن کر بیٹھے ہونگے۔جب میں نے اس بیانئے کا تعاقب کیا اوراس حوالے سے جناب مفتی محمود صاحب جو اس اسمبلی میں موجود تھے اوراپنے خیال میں جماعت مخالفین کے سرخیل تھے ان سے ہی پوچھا تو اُن کا جواب تھا''مرزا ناصر احمد اسمبلی ہال میں آئے اور اپنا 200 صفحے کا بیان مکمل پڑھ کر سنایا جس میں اُن کا پورا مئوقف موجود تھا۔ہم نے بڑے غور سے سنا۔اطمینان سے سنا۔اس کے بعد یہ درست ہے کہ ہمیں بھی تشویش لاحق ہوگئی تھی کیونکہ اس کی تقریر کا بعض ممبروں پر اثر تھا۔میں نے پہلے بھی آپ کو سنایا تھا کہ جب وہ آئے تھے۔تو داڑھی سفید لمبی۔ سفید پگڑھی اور قمیص شلوار۔اس صورت میں جب وہ اسمبلی میں پہلی مرتبہ داخل ہوئے اور ممبروں نے دیکھا اور ممبروں کی اکثریت نے اس سے پہلے نہیں دیکھا تھا۔میں بھی ان میں شامل تھا۔تو ہمیں گھور گھور کر دیکھنے لگے اور کہنے لگے کہ یہ کافر ہے ؟ حد ہوگئی یہ کافر ہے۔؟یہ شکل کافر کی ہے؟ مولوی صاحب تم بھی عجیب باتیں کرتے ہو یہ شکل کافر کی ہوسکتی ہے۔۔۔غرض یہ جب وہ اپنے بیان میں نبی کریم ﷺ کا اسم گرامی ذکر کرتے تھے تو درود وسلام پڑھتے تھے۔جب وہ درود پڑھتا تھا تو اس طرح ممبرز بولے دیکھو حضور پاک ﷺ پر درود بھیج رہا ہے تم کہتے ہو کافر ہے۔کبھی کبھی وہ قرآن کریم کی آیات بھی پڑھتا تھا تو ممبرز کہتے تھے کہ دیکھو قرآن کی آیتیں پڑھ رہا ہے یہ اور تم کہتے ہو کہ یہ کافر ہے۔تو ذہن اس طرح بنا۔تشویش اس لئے تھی کہ یہ آخری وقت ہے اگر اس وقت اسمبلی نے غیر مسلم قرار نہ دیا تو پھر یہ مسئلہ الجھ جائے گا۔(یہ تقریر u tube پر 1974 کی کاروائی کے نام سے موجود ہے)

حاصل وصول یہ کہ بقول بریلوی علماء کرام دیوبندی حضرات تو مرزا ناصر احمد سربراہ جماعت احمدیہ کے سامنے ہکلانے لگے تھے وہ تو انہوں نے آگے بڑھ کر جماعت احمدیہ کو ہرایا۔شاہ احمد نورانی صاحب نے سرگودھا میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمارے سوالوں سے مرزا ناصر احمد اتنے گھبرا گئے کہ پوچھنے لگے کہ یہ سوال کب ختم ہوں گے اور کب میں گھر جا سکوں گا؟،اور بقول شیعہ علماء مرزا ناصر احمد نے دیوبندی،بریلوی،وہابی،جماعت اسلامی سمیت تمام کے تمام مولویوں کو پانی پلا پلا کے مارا وہ تو علی والوں نے آگے بڑھ کر ان کو ہرایا۔پیپلز پارٹی والوں کے بقول مولویوں سے تو یہ مسئلہ 90 سال سے حل نہیں ہوا یہ تو ہماری حکومت نے انکو ہرایا۔بقول مفتی محمود پیپلز پارٹی میں یہ ہمت کہاں؟ان کا کوئی کارکن ختم نبوت کی تحریک میں شامل نہیں تھا یہ تو ہم تھے جنہوں نے جماعت احمدیہ کو ہرایا۔بریلوی علماء فرماتے ہیں کہ مفتی محمود تو مرزا ناصر احمد کے سامنے پسینے میں نہا گیا تھا اور آنکھیں جھکا کے کھڑا تھا یہ تو ہم تھے کہ جنہوں نے بازی ماری۔جماعت اسلامی بضد ہے کہ اس کارنامے کا سہرا مودودی صاحب کے سر ہے جبکہ مولوی غلام غوث ہزاروی کہتے ہیں جماعت اسلامی جو پورے ملک میں قادیانیوں کے خلاف گلا پھاڑ پھاڑ کر چلاتی رہی قومی اسمبلی میں عضو معطل بن کر بیٹھی رہی۔اس کے کسی ممبر نے نہ تو کوئی سوال کیا اور نہ ہی مرزا ناصر احمد کے کسی بیان پر کسی قسم کی کوئی تنقید کرنے کی جرات کی یہ تو ہمارے علماء کے آگے مرزا ناصر احمد کسی سوال کا جواب نہ دے سکا اور قومی اسمبلی کے ممبران فرما رہے ہیں کہ یہ تو عرب ممالک کی خاطر سیاسی فیصلہ کیا گیا۔

ایک دفعہ ڈاکٹر اجمل نیازی صاحب نے کہا تھا" میں نے سوچا بھی نہ تھا کہ پگڑی اور داڑھی آدمی کے وقار اور روحانیت میں اس قدر بھی اضافہ کرسکتی ہے"(آس جزیرہ اکرم اعوان صفحہ 14)لیکن جب میں نے گورنمنٹ پاکستان کی شائع شدہ قومی اسمبلی 1974 کی کاروائی کو پڑھا اور پھر اپنے علمائے کرام کے مندرجہ بالا بیانئے کو پڑھا تو مجھے یہ بیان یوں نظر آنے لگ گیا کہ میں نے کبھی سوچا بھی نہ تھا کہ پگڑی اور داڑھی والا شخص اتنا بڑا گپی بھی ہوسکتا ہے۔ وہ اس لئے کہ قومی اسمبلی کی کاروائی میں مرزا ناصر احمد سربراہ جماعت احمدیہ کا براہ راست کسی مولوی سے کوئی مناظرہ یا مجادلہ سرے سے ہوا ہی نہیں۔ نہ علی والوں سے نہ ولی والوں سے۔ سراسر بے بنیاد اور لغو داستانیں۔ 30 جون 1974 کو ساری اسمبلی کو سپیشل کمیٹی اور سپیکر کو چیرمین مقرر کردیا گیا اور اٹارنی جنرل صاحب کو سیکرٹیری کے فرائض سونپے گئے۔۔ جماعت احمدیہ کے سربراہ کو اپنا بیان پیش کرنے کے لئے مدعو کیا گیا۔اس کے ساتھ ہی وزیر قانون نے کہا کہ اس کمیٹی کی کاروائی بند کمرہ میں (In Camera) ہوگی۔ یکم جولوئی کو اس سپیشل کمیٹی کا اجلاس شروع ہوا جس میں منظور کیا گیا کہ اس کمیٹی کی کاروائی بصیغہ راز رکھی جائے گی اور سوائے سرکاری اعلامیہ کے اس بارے میں کوئی خبر شائع نہیں کی جائے گی۔ 3 جولائی کو پھر اجلاس ہوا اور مزید قواعد بنائے گئے اور ایک بار پھر سے قاعدہ نمبر 3 کے ذریعہ In Camera یعنی خفیہ کاروائی کے اُصول اسختی سے اعادہ کیا گیا۔(ص 34)

22/23 جولائی سربراہ جماعت احمدیہ نے اپنا تحریری بیان پڑھ کر سنایا۔ 5 اگست سے اس بیان پر سوالات اور ان کے جواب کا سلسلہ شروع ہوا جو 10 اگست تک اور پھر 20 اگست سے 23 اگست تک جاری رہا۔ علماء تمام سوالات اٹارنی جنرل کو لکھ کر دیتے تھے کسی بھی ممبر کو براہ راست بولنے کی اجازت نہ تھی۔ آخری دن کچھ مدت کے لئے اٹارنی جنرل جناب یحیٰ بختیار صاحب کی غیر موجودگی میں مولوی ظفر انصاری نے چند سوالات پوچھے۔ اور پھر اٹارنی جنرل صاحب کی آمد پر وہ بھی پیچھے چلے گئے۔ یعنی نہ کبھی قومی اسمبلی کے کیفے ٹیریا میں کوئی گیا اور نہ مفتی محمود کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالنے والا فلمی سین ہوا۔ اسی لئے میں نے شروع میں کہا تھا کہ بیانیہ بیانیہ ہی ہوتا ہے چاہے وہ نواز شریف صاحب کا ہو یا علمائے کرام کا۔ اس کے لئے حقائق کی صلیب پر چڑھنے کی ضرورت نہیں صرف جیب میں کچھ پیسے ہونے چاہیے یا اس کے عوض طاقت ہونی چاہئے اور ساتھ میں چند طلال چوہدری صاحب جیسے زور آور خطیب پشت پر ہونے چاہئیں کام میں روکاوٹ ہرگز نہیں آئے گی اور ماشاءاللہ ہمارے علماء اور کسی کام میں ماہر ہوں یا نہ ہوں بیانیہ ایجاد کرنے میں ماہر و مشاق ہیں۔

***

نعت



حضرت ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحب رضی اللہ عنہ

بدر گاہ ذی شانِ خَیرُ الْاَنَام
شفیعُ الوَرٰی مَرْجَعِ خاص وعام
بصد عجز و مِنت ، بصد احترام
یہ کرتا ہے عرض آپ کا اِک غلام
کہ اے شاہِ کونین عالی مقام
علیك الصّلوٰۃُ علیك السلام

حسینانِ عالَم ہوئے شرگیں
جو دیکھا وہ حسن اور وہ نور جبیں
پھر اِس پر وہ اَخلاقِ اَکمل تریں
کہ دشمن بھی کہنے لگے آفریں
زہے خُلق کامل زہے حسنِ تام
علیك الصّلوٰۃُ علیك السلام

خلائق کے دل تھے یقیں سے تہی
بتوں نے تھی حق کی جگہ گھیر لی
ضلالت تھی دنیا پہ وہ چھا رہی
کہ توحید ڈھونڈے سے ملتی نہ تھی
ہوا آپ کے دم سے اُس کا قیام
علیك الصّلوٰۃُ علیك السلام

محبت سے گھائل کیا آپ نے
دلائل سے قائل کیا آپ نے
جہالت کو زائل کیا آپ نے
شریعت کو کامل کیا آپ نے
بیاں کر دیئے سب حلال و حرام
علیك الصّلوٰۃُ علیك السلام

نبوت کے تھے جس قدر بھی کمال
وہ سب جمع ہیں آپ میں لامحال
صفاتِ جمال اور صفاتِ جلال
ہر اِک رنگ ہے بس عدیم المثال
لیا ظُلم کا عفو سے انتقام
علیك الصّلوٰۃُ علیك السلام

مقدس حیات اور مطہر مذاق
اطاعت میں یکتا عبادت میں طاق
سوارِ جہانگیرِ یکراں براق
کہ بگذشت از قصرِ نیلی رواق
محمدؐ ہی نام اور محمدؐ ہی کام
علیك الصّلوٰۃُ علیك السلام

علمدارِ عشاقِ ذاتِ یگاں
سپہ دار افواجِ قدوسیاں
معارف کا اِک قلزم بیکراں
افاضات میں زندۂ جاوداں
پلا ساقیا آبِ کوثر کا جام
علیك الصّلوٰۃُ علیك السلام

(بخارِ دل)



’’اگر پاکستان میں رہنا ہے تو غیر مسلم بن کر رہنا ہوگا‘‘

اصغر علی بھٹی نائیجر، افریقہ

یہ اُس زمانے کی بات ہے جب ابھی پاکستانی ِ اسلام مشرف بکلاشنکوف نہیں ہوا تھا۔ اور صدر ریگن کے خزانوں سے ڈالر سوئے منزل جہاد روانہ نہیں ہوئے تھے۔ ابھی تک صرف یونیورسٹی آف نبراسکا کے کارخانوں میں اسلامی لٹریچر چھپوائی کے مراحل میں تھا اور دائرہ اسلام کے اندر کے کافر اور باہر کے کافر میلاد النبی ﷺ



کے جلوس میں شامل ہونے کے بعد محرم کے تعزیے میں لگی سبیلوں سے بھی استفادہ کر لیتے تھے۔ ابھی تک پیروں فقیروں کے مزار شرک و بدعت کے اڈے کا درجہ پا کر قابل بمباری declared نہیں ہوئے تھے۔ ہم نے ناخواندہ، غریب عیسائی جوڑوں کو اینٹوں کے بھٹے میں ڈال کر، زندہ جلا، کر اسلام کی حفاظت کا فریضہ ادا کرنا، ابھی شروع نہیں کیا تھا۔ چھ ماہ کی ننھی کائنات کو اس کی بوڑھی دادی کے ساتھ آگ میں جھونک کر ڈانس کرنے اور خوشیاں منانے کا تہوار ابھی متعارف نہیں ہوا تھا۔ لوگوں کو توہین رسالت کے نام پر اینٹیں روڑے مار مار کر ہلاک کرنے کی سنت ابھی رواج ِ مطہرہ کا استناد حاصل نہ کر سکی تھی اور 295c, 298c اور 295a کی تلواریں ابھی نیام ہی میں مچل رہیں تھیں چنانچہ اُنہی دنوں پنجاب کے مرکز لاہور میں ایسے ہی ایک خوبصورت مارچ کے موسم بہار میں دو بڑے اخبار نویسوں کے درمیان ایک عجیب وغریب مکالمہ زیب داستان بنا۔ ایک صاحب صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ تحفظ ختم نبوت تحریک کے بڑے ستون تھے یعنی آغا شورش کاشمیری صاحب تو دوسرے صاحب مشہور صحافی ہونے کے ساتھ پکے مسلم لیگی اور تحریک پاکستان کے مشہور سپاہی تھے یعنی جناب م۔ش صاحب۔ آج اسلام آباد ہائی کورٹ کے جج جناب شوکت صدیقی صاحب کے ختم نبوت کیس کے درمیان احمدیوں کے بارے میں دیئے گئے ریمارکس ’’اگر ان احمدیوں (بقول جج صاحب قادیانیوں) نے پاکستان میں رہنا ہے تو غیر مسلم بن کر رہنا ہوگا‘‘ پڑھے تو مجھے ان دونوں صحافیوں کا مکالمہ یاد آ گیا۔ مکالمہ یوں تھا کہ جناب میاں محمد شفیع صاحب نے 7 مارچ 1970 کی ندائے ملت میں اپنے مشہور کالم م۔ش کی ڈائری میں ایک جلسہ کی رپورٹنگ کرتے ہوئے لکھا کہ ’’اتوار کو وائی ایم سی اے ہال میں مسٹر جسٹس سجاد احمد جان جالندھری کی زیر صدارت جناب مرزا طاہر احمد (بعد میں جماعت احمدیہ کے چوتھے سربراہ مقرر ہوئے۔ ناقل) نے قرآن عظیم، احادیث نبویؐ اور تاریخ اسلام کے حوالوں سے اسلام کے اقتصادی نظام پر ایک اعلیٰ پایہ کی تقریر میں اسلامی اقتصادیات کی پاکیزگی، جامعیت اور برتری کو اجاگر کیا۔ انہوں نے سوشلزم کا نام لئے بغیر یہ ثابت کرنیکی کوشش کی کہ اسلامی اقتصادی نظام استحصال پسندی اور طبقاتی نفرت کے خاتمہ کی مؤثر ضمانت ہے۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیات کے حوالے سے اپنے سننے والوں کے دل میں (کم از کم میرے دل میں) اس امر کے متعلق کسی قسم کے تذبذب یا شک کی گنجائش نہ رہنے دی کہ اسلام سر مایہ داری کو جس میں دولت کی محبت دولت کا ارتکاز، سود خوری اور استحصال شامل ہیں، مہیب ترین تصور کرتا ہے اور ایسے سرمایہ داروں کے لئے دوزخ کے بے پناہ عذاب کی بشارت دیتا ہے۔ اسلام اعلیٰ اخلاقی او رروحانی اقدار کی اساس پر ایک ایسا متوازن قدرتی اقتصادی نظام رائج کرنا چاہتا ہے جس میں انفرادی اور قومی دولت میں لوگ خیرات اور مراعات کے طور پر نہیں بلکہ حق کے طور پر دعویدار تسلیم کئے جاتے جاتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ اخبارات نے مرزا طاہر احمد کی اس پر مغز تقریر کا کما حقہ نوٹس نہیں لیا۔ ممکن ہے ان کے نقطہ نگاہ سے اس میں ’’کاپی‘‘ نہ ہو کیونکہ انہوں نے نہ تو کسی کو برا بھلا کہا اور نہ کسی کو چیلنج ہی دیا بلکہ نہایت رواں اور سلجھے ہوئے انداز میں اپنے فقروں اور دلیلوں کو دہرائے بغیر اسلامی اقتصادی نظام کی خوبیوں اور عظمتوں کو اجاگر کیا۔ تاہم اگر اس مجلس کے منتظمین مرزا صاحب کی اس تقریر کے متن کو پمفلٹ کی شکل میں شائع کر سکیں تو بقول حضرت آغا شورش کاشمیری مادر پدر آزاد سیاسی ٹیڈیوں کا اسکے پڑھنے سے بھلا ہوگا۔‘‘

(روزنامہ ندائے ملت لاہور ۷ مارچ ۱۹۷۰ء)

جناب شورش کاشمیری صاحب نے م۔ش صاحب کے الفاظ پڑھے تو جواب میں اپنے دل کی بھڑاس ان الفاظ میں درج فرمادی

’’جسٹس سجاد احمد جان سپریم کورٹ ے انتہائی قابل احترام ججوں میں سے ہیں۔ نیک نفس ہونے کے علاوہ علم و ادب سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ انہیں علامہ اقبال کے فکر اور مولانا ظفر علی خان کے ادب سے دلی لگاؤ ہے لیکن ہمیں افسوس ہے کہ انہوں نے لاہور میں ایک ایسے مذاکرہ کی صدارت کی جو مرزا طاہر احمد کی تقریر کے لئے منعقد کیا

گیا۔اور جس کا پس منظر قادیانی نبوت کی اولاد کو لوگوں میں انٹروڈیوس کروانا ہے۔ہم نے جناب م۔ش کی ڈائری کو تعجب سے پڑھا۔ حیرت ہے کہ ایک طرف تو وہ مرکز مجلس اقبال کے ارکان پر ختم نبوت اور اقبال کے موضوع پر مقالہ پڑھنے پہ زور دے رہے ہیں، دوسری طرف انہیں مرزا طاہر احمد کی تقریر عین اسلام محسوس ہوتی ہے۔ م۔ش صاحب بتا سکتے ہیں کہ وہ کس طرح اس مذاکرہ میں پہنچے۔خود گئے؟ یا بلوائے گئے؟اور پھر ہضم کیسے ہو گئے؟افسوس ہے کہ،م۔ش صاحب نے یہ بالکل نہیں بتایا کہ مرزا طاہر احمد کس ٹہنی کا پھول ہیں؟'' (ہفت روزہ چٹان ۲۳ مارچ ۱۹۷۰ءصفحہ ۶)

(۳) عفیفہ بیوی اور داشتہ میں فرق:

چونکہ ابھی تک اپنے مخالف سے بدلہ لینے کے لئے اسے مشال خان کی طرح گستاخ رسول اعلان کروا کے قتل کرنے کی سنت متعارف نہیں ہوئی تھی، چنانچہ اسی سہولت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے جناب م۔ش صاحب نے شورش صاحب کو سناہی ڈالیں۔فرمایا:

''چندروز ہوئے وائی۔ ایم۔سی۔اے لاہور میں مسٹر جسٹس سجاد احمد جان جج سپریم کورٹ کی زیر صدارت مرزا طاہر احمد نے''اسلام کے اقتصادی نظام'' کے موضوع پر ایک تقریر کی جس میں انہوں نے قرآن' احادیث اور تاریخ اسلام کی روشنی میں اپنے موضوع پر اظہار خیال کیا تقریر کے خاتمہ پر صدر مجلس مسٹر سجاد احمد جان نے نہایت دلکش انداز میں اسلام کے اقتصادی نظام کی کامیابی کے لئے اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کے قیام کو ضروری قرار دیا۔میں نے اس جلسہ کی کاروائی پر اس کالم میں تبصرہ کرتے ہوئے۔ مرزا طاہر احمد کو خراج تحسین پیش کیا کہ انہوں نے نہایت سلجھے ہوئے انداز میں اسلام کے اقتصادی نظام کے حسن و جمال کو اجاگر کیا اور اس امر پر اظہار تاسف کیا کہ ایک ایسے موضوع پر جس کے متعلق ملک میں بے حد چرچا ہے ایک نہایت اچھی تقریر کا اخبارات نے کماحقہ' نوٹس نہیں لیا۔اس پر چٹان کے ایڈیٹر حضرت آغا شورش کاشمیری نے تبصرہ کرتے ہوئے ناراضگی کے اظہار کے طور پر مجھ سے استفسار کیا ہے کہ میں اس جیسے میں کیوں اور کیسے گیا؟ اور یہ کہ آیا مجھے معلوم ہے کہ مرزا طاہر احمد کس درخت کی شاخ ہیں وغیرہ وغیرہ حضرت آغا شورش کاشمیری ملک کے ایک نامور خطیب ہیں۔اس لحاظ سے میری حیثیت ان کے مقابلے میں ایک مبتدی کی بھی نہیں وہ ایک نغز گو شاعر اور ادیب طناز ہیں اس میدان میں بھی ان کا حریف نہیں۔ ہوں لیکن اگر وہ مجھے اخبار نویسی کے اخلاق بتانا چاہیں یا مجھے عقیدہ کی پاکیزگی کے متعلق کوئی سبق دینا چاہیں تو مجھے ادب کے ساتھ ان سے یہ عرض کرنا ہے کہ ان دونوں امور کے متعلق مجھے ان سے کچھ بھی سیکھنا نہیں۔

اخبار نویس اور دھڑے بازی میں ایک بنیادی فرق ہے' ایسا ہی فرق جو ایک عفیفہ بیوی اور داشتہ میں ہوتا ہے۔ ایک اخبار نویس جو اس اصول پر گامزن ہو کہ ''میرا دوست غلطی نہیں کرسکتا'' ایک اچھا دھڑے باز تو ہوسکتا ہے لیکن ایک اچھا اخبار نویس نہیں کہلاسکتا اور ایسے اخبار نویس کے قلم پر لوگوں کو کبھی اعتماد نہیں ہوسکتا۔لیکن ایسا اخبار نویس جو اس اصول کا پابند ہو کہ اگر میرا دوست غلطی پر ہے تو میں اسے بھی ننگا کرونگا وہ ممکن ہے کہ دنیا کے عام معیار کے مطابق ایک اچھا دوست نہ ہو لیکن وہ ایک قابل اعتماد صحافی ضرور ہے ایک اخبار نویس بن کر صحافتی دیانتداری پر عوام کو اعتماد نہ ہو ایک ٹکے کی حیثیت بھی نہیں رکھتا۔ میں نے ۱۹۴۲ء میں اخبار نویسی کے میدان میں قدم رکھا تھا اس وقت سے لیکر آج تک بے شمار جلسوں جلوسوں' میٹینگوں' کانفرنسوں کی روئیداد رپورٹ کرتا رہا ہوں میں نے رپورٹ لکھتے وقت کبھی نہیں سوچا کہ مقرر کس درخت کی کونسی شاخ ہے یا کس قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے۔''

(ندائے ملت ۲۶ مارچ ۱۹۷۰ء)

میرے لئے یہ کہنا تو مشکل ہے کہ آیا واقعی ایک دھڑے باز ایک بازاری داشتہ کی طرح اور ایک اخبار نویس عفیفہ بیوی کی طرح ہوتا ہے یا نہیں لیکن یہ مجھے معلوم ہے کہ اگر یہ مکالمہ ہمارے عزت مآب جج جناب شوکت عزیز صدیقی صاحب کے عہد مبارک میں ہوا ہوتا تو اس وقت تکلم۔ش صاحب کم از کم وطن دشمن طاقتوں کے آلہ کار، یہود و ہنود کے ایجنٹ یا مرزائی نواز کا اضافی گریڈ وصول کرنے کے ساتھ ساتھ یہ ڈانٹ کھا کر کہ...اپنے ان اسلام پر تقریریں کرنے والوں کو بتا دو کہ اگر پاکستان میں رہنا ہے تو غیر مسلم بن کر رہنا ہوگا''...عدالت سے لوٹتے ہوئے کسی مجاہد کے ہاتھوں دھنائی کے بعد یا تو اپنی ہڈیوں کی ٹکور کر رہے ہوتے یا ڈاکٹر کی فیسیں ادا کرنے کے لئے اپنے دفتر سے قرضہ لینے کیلئے گڑگڑا رہے ہوتے۔***

حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ:''حضرت حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم میں نبوت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر وہ اس کو اٹھا لے گا اور خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس نعمت کو بھی اٹھا لے گا۔ پھر اس کی تقدیر کے مطابق ایذا رساں بادشاہت قائم ہوگی (جس سے لوگ دل گرفتہ ہوں گے اور تنگی محسوس کریں گے) جب یہ دور ختم ہوگا تو اس کی دوسری تقدیر کے مطابق اس سے بھی بڑھ کر جابر بادشاہت قائم ہوگی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا رحم جوش میں آئے گا اور اس ظلم کے دور کو ختم کر دے گا۔اس کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوۃ قائم ہوگی۔ یہ فرما کر آپؐ خاموش ہو گئے۔''

(مسند احمد صفحہ ۲۷۳/۴ مشکوۃ باب الانذار والتحذیر)



دیوبندی اور بریلوی علماء کے اسرائیل کے دورے اور جماعت احمدیہ

اصغر علی بھٹی نائیجر، افریقہ

پاکستان کے مشہور کامیڈین جناب امان اللہ صاحب فرماتے ہیں کہ پاکستان میں امریکہ ایک ایسی چیز ہے جس کے بارے میں جو کوئی بات کہہ دیں،کوئی لطیفہ سنا دیں یا کوئی انہونی بات بھی کہہ دیں سب چل جاتا ہے۔لوگ آنکھیں بند کر کے مان لیتے ہیں ۔ویسے یہ امان اللہ صاحب کی کسر نفسی ہے کہ دوسرا نام چھپا گئے ہیں یعنی پورا فقرہ یہ تھا کہ امریکہ اور جماعت احمدیہ کے بارے میں جو چاہیں ہانک دیں سب چل جاتا ہے۔مزے کی بات یہ ہے کہ یہ بات کامیڈینز کی حد تک ہی محدود نہیں رہی ہماری اعلیٰ عدلیہ تک کا بھی یہی خیال ہے اور تو اور اب تو خود تحریک تحفظ ختم نبوت ملتان والوں کا بھی یہی خیال ہے۔

1953 کی عدالتی تحقیقات میں عدالت عالیہ نے اپنے فیصلہ میں ایک مشہور احراری مولوی صاحب کی حرکات پر منفی تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا کہ ’’قادیانیت کی مخالفت اس شخص کی زندگی کا واحد مقصد معلوم ہوتا ہے......زیادہ اہم واقعات کا ذکر تو درکنار، پاکستان یا کسی شخص کو کوئی آفت پیش آجائے،کوئی افسوس ناک واقعہ رونما ہوجائے،قائد ملت قتل کر دیئے جائیں یا ہوائی جہاز گر پڑے قاضی احسان احمد شجاع آبادی کے نزدیک وہ ہمیشہ احمدیوں کی سازش کا نتیجہ ہوتا ہے‘‘

حال ہی میں عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان کے پلیٹ فارم سے مولوی محمد طاہر رزاق صاحب کی ایک کتاب ’’ختم نبوت کے محافظ‘‘ شائع کی گئی ہے جس میں دیوبندی مولوی حضرات کے نمایاں کارناموں کو جمع کیا گیا ہے۔تو اس کتاب کے صفحہ 70 پر قاضی احسان احمد شجاع آبادی کی زندگی کے نمایاں وصف اور نمایاں کارنامے کے طور پر تحقیقاتی عدالت کے فیصلہ کے مندرجہ بالا الفاظ کو درج کیا گیا ہے اور فخریہ انداز میں گویا اسے انکے کارناموں میں جگہ دی گئی ہے۔‘‘

(ختم نبوت کے محافظ،صفحہ 70 مصنفہ محمد طاہر رزاق ناشر تحفظ ختم نبوت ملتان)

یعنی کوئی آفت ہو یا کوئی واقعہ،کوئی حادثہ ہو یا کوئی انہونی سب جماعت احمدیہ کا کیا دھرا ہوتا ہے۔علمائے کرام تو دور کی بات ہے اب تو سیاستدان جیسے چوہدری پرویز الٰہی صاحب میڈیا پرسن جناب حامد میر صاحب،صابر شاکر صاحب اور سپریم کورٹ کے ریٹائرڈ چیف جسٹس جناب افتخار چوہدری صاحب جیسے بڑے نام بھی امان اللہ صاحب کی ہاں میں ہاں ملاتے نظر آتے ہیں۔ابھی لاہور میں تحریک لبیک یا رسول اللہ کا دھرنا 2 چل رہا ہے۔دھرنا 1 فیض آباد کے دنوں میں جناب حامد میر صاحب نے دیکھا سب ختم نبوت پر لکھ رہے ہیں تو انہوں نے الگ سے نمایاں ہونے کے لئے جماعت احمدیہ کے تیسرے خلیفہ حضرت مرزا ناصر احمد نور اللہ مرقدہ کے حوالے سے قومی اسمبلی کے فلور پر جماعت احمدیہ کے اسرائیل سے تعلقات بلکہ اچھے تعلقات کے حوالے سے سوالات پر مبنی ایک Segment گھڑ کر کالم میں ڈال دیا اور خوب واہ واہ بٹور لی۔اس سے قبل آغا شورش کاشمیری صاحب نے ’’عجمی اسرائیل‘‘ خود ہی لکھی اور پھر برطانیہ کے کسی نامعلوم ادارے کا نام ڈال کر چالو کر دی۔مولانا یوسف بنوری صاحب اُٹھے تو اُنہوں نے ’’ربوہ سے تل ابیب تک‘‘ لکھ کر جماعت احمدیہ کے 600 بندے اسرائیل کی فوج میں بھرتی کرا دیئے۔اور ابھی حال ہی میں نااہل وزیر اعظم صاحب کے داماد صاحب جن پر نیب میں اربوں روپے کی کرپشن کے الزامات ہیں کیسز کے دفاع کے لئے عدالت جاتے ہوئے کچھ دیر قومی اسمبلی کے ہال میں آرام فرما رہے تھے انہوں نے اس دوران قوم کو اطلاع دی کہ پاکستان سے جہاز بھر بھر کر اسرائیل جا رہے تھے وہ تو سعودی عرب نے پاکستان سے پوچھا کہ یہ لوگ کون ہیں جو اسرائیل جا رہے ہیں تحقیق سے پتہ چلا کہ وہ سب احمدی قادیانی تھے۔‘‘اب بتائیں امان اللہ صاحب نے کسر نفسی سے کام لیا ہے کہ نہیں؟ اُدھر دیکھیں جناب داماد جی صاحب جنہوں نے کسر نفسی سے ذرا کام نہیں لیا ہے اور جہاز اور ویگن ایک ہی روٹ پر چلا دیئے ہیں۔

مکرم حامد میر صاحب نے جب 30 نومبر 2017 کے کالم میں انکشاف کیا کہ 20 اگست 1974 کو اٹارنی جنرل صاحب نے قومی اسمبلی میں مرزا ناصر احمد صاحب سے پوچھا کہ آپ کا اسرائیل میں مشن موجود ہے مرزا ناصر احمد نے کہا کہ ہاں وہاں ہماری جماعت موجود ہے کیونکہ اسرائیل میں بھی تو مسلمان رہتے ہیں۔اٹارنی جنرل نے مزید کہا کہ اسرائیل فلسطینیوں پر ظلم کرتا ہے آپ پر عنایات کیوں؟ مرزا ناصر احمد نے کہا کہ ہمارے اسرائیل کے ساتھ اچھے تعلقات ہیں‘‘ تو خاکسار نے فوری طور پر ان کی خدمت میں لکھا کہ سرکار تاریخ پر تھوڑا رحم کریں 20اگست 1974 کو قومی اسمبلی میں سرے سے کوئی کاروائی ہوئی ہی نہیں تھی ۔یہ اسرائیل سے تعلقات والی کہانی حضرت مرزا صاحب سے اٹارنی جنرل صاحب سے کس بالکونی میں سن رہے تھے؟

22 اور 23 جولائی کو امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نور اللہ مرقدہ نے قومی اسمبلی میں محضر نامہ پڑھ کر سنایا جس کے بعد وقفہ ہو گیا۔ 5 جولائی سے سوالات اور جوابات کا سیشن شروع ہوا جو 10 اگست تک جاری رہا اور ایک دفعہ پھر اٹارنی جنرل صاحب نے تیاری کے لئے وقفہ مانگ لیا 21 اگست سے پھر سیشن شروع ہوا اور 24 اگست کو ختم ہوا۔ یعنی 20 جولائی وقفہ کا دن تھا۔ مکرم عطاء الحق قاسمی صاحب نے ٹھیک ہی فرمایا تھا کہ ہم پاکستانی تو وہ قوم ہیں کہ ٹرین پر بھی گاڑی کا بورڈ پڑھ کر سوار نہیں ہوتے بعد میں زنجیر کھینچ رہے ہوتے ہیں پاکستان کی تاریخ کو کہاں سے پڑھیں گے اسی لئے مکرم حامد میر صاحب نے بھی ایک گپ چھوڑ دی کہ جماعت احمدیہ کو کون سا جواب دینے کی اجازت ہے اگر دیں بھی گے تو ہم نے کون سا ماننا ہے۔

بہرحال حامد میر صاحب کو جواب دینے کے بعد میں نے ”اسرائیل سے اچھے تعلقات“ والے ”گناہ“ کا تعاقب کیا کہ کیا واقعی اسرائیل سے تعلقات امت مسلمہ سے غداری ہیں یا کوئی گناہ ہے جو مولویان کرام جماعت احمدیہ کے حوالے سے ہمیشہ اپنے جلسوں میں بیان کرتے رہتے ہیں تو احمدیت کی بجائے بہت سے بریلوی اور دیوبندی علمائے کرام مجھے اسرائیل کے سرکاری دورے کرتے اور دعوتیں اُڑاتے نظر آئے۔

مولانا قادری کا سوٹ

اسرائیلی فوج کے ایک ریٹائرڈ میجر ایلی اَوِیدار صاحب جو قطر میں اسرائیلی تجارتی مشن کے سربراہ رہے۔ فلاڈلفیا میں وائس کونسلر اور ہانگ کانگ میں اسرائیل کے سفیر رہ چکے ہیں۔ آپ کچھ عرصہ اسرائیلی وزارت خارجہ کے شعبہ بین المذاہب (انٹر فیتھ ڈیپارٹمنٹ) کے سربراہ کے طور پر بھی کام کرتے رہے۔ آپ کے ذمہ خصوصی طور پر ان مسلم اکثریتی ممالک سے عوامی اور غیر رسمی روابط استوار کرنا تھا جن کے ساتھ اسرائیل کے دوطرفہ سفارتی تعلقات قائم نہیں۔ ان میں پاکستان بھی شامل ہے۔ وزارت خارجہ سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ نے اپنی ایک کتاب The Abyss: Bridging the divide between Israel and the Arab World کے چھٹے باب میں ایک ذیلی عنوان ”مولانا قادری کا سوٹ“ کے تحت اسرائیل کا دورہ کرنے والے ایک پاکستانی وفد کا حال بیان کیا ہے جس کی میزبانی کا کام اسرائیلی حکومت کی طرف سے انہیں تفویض کیا گیا تھا۔

ایلی اوِیدار لکھتے ہیں کہ اسرئیلی وزارت خارجہ نے اطلاع دی کہ ایک پاکستانی مذہبی راہنما مولانا اجمل قادری نے لندن میں اسرائیلی سفارت خانے سے رابطہ کیا ہے۔ یہ خبر ہمارے لئے نہائیت اہم تھی کیونکہ اس سے قبل ہمارا رابطہ پاکستان کے سیاسی سربراہان سے ہی ہوا کرتا تھا جن کی بھنک پڑنے پر پاکستانی عوام کی طرف سے شدید غم وغصہ کا اظہار کیا جاتا تھا۔ پاکستان کی کسی مذہبی پیشوائیت سے ہمارا پہلے کبھی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ مولانا قادری کا رابطہ اور دورہ اسرائیل اس پہلو سے ہمارے لئے کارآمد ثابت ہوسکتا تھا کیونکہ وہ جمیعۃ العماء اسلام کے ممبر ہیں۔ اس لئے میں نے فوری طور پر اس پر کام کرنا شروع کر دیا کہ قادری کے لئے اسرائیلی ویزہ ایسی حکمت عملی کے تحت جاری کیا جائے جس کا پاکستانی عوام میں منفی ردعمل پیدا نہ ہو۔ ہمیں میڈیا کے ذریعہ علم تھا کہ جمیعۃ العلماء کے افغانستان میں طالبان کے ساتھ بھی رابطے ہیں اور یہ کہ پاکستان میں ان کی جماعت نے ہزاروں مدرسے بھی قائم کر رکھے ہیں۔ چنانچہ مولانا قادری کو ہم وطنوں کی لعن طعن سے بچانے کے لئے میں نے اسرائیل میں قائم ایک اسلامی کالج سے رابطہ کرکے اس کی انتظامیہ کی طرف سے ایک باضابطہ دعوت نامہ جاری کروایا جو انہیں کالج کی لائبریری کی ایک تقریب میں شرکت کی خصوصی دعوت پر مشتمل تھا۔ ان کا ویزہ کالج کی اس تقریب کے حوالے سے تھا لیکن دیگر ساتھیوں سمیت ان کا قیام وغیرہ اسرائیلی وزارت خارجہ کے سرکاری مہمان کی حیثیت سے کیا گیا تھا۔ ان کے دورہ کے تینوں دن میں نے خود ذاتی طور پر ڈیوٹی سرانجام دی۔ ان کی رہائش کا انتظام یروشلم کے ”لے روم ہوٹل“ میں کیا گیا تھا۔ دورہ کے دوران مولانا قادری نے مجھے ایک ایسی بات بتائی جو میرے لئے انتہائی حیران کن تھی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ اور ان کے ساتھی قیام پاکستان کے مخالف تھے۔ کالج کی لائبریری کی تقریب سے فارغ ہونے کے بعد میں نے ان کا تعارف یہودی ربی بخشی ڈورون سے کروایا۔ بعد میں ان دونوں مذہبی راہنماؤں کی باہمی ملاقات یروشلم میں چیف ربی کے دفتر میں ہوئی۔ اس ملاقات کی خبر پاکستان میں شدید تنقید کا نشانہ بنی۔ چیف ربی سے ملاقات کروانے کے بعد ہم مولانا کو الاقصیٰ مسجد لے گئے۔ مولانا نے مجھے مسجد کے اندر آنے کی دعوت دی لیکن میں نے ان کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ یہ مسلمانوں کی مقدس جگہہ ہے بہتر ہے آپ مسلم وقف کے ممبران کے ہمراہ مسجد کے اندر جائیں۔ بعد میں قادری نے مجھے بتایا کہ مسجد کے اندر وقف کے اراکین ان سے لگاتار یہ گلے شکوے کرتے رہے کہ کس طرح وہاں کے مسلمانوں کو اسرائیلی جارحیت کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اُنہوں نے کہا کہ تنگ آکر آخر میں کھڑا ہوگیا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر انہیں کہہ دیا کہ میرا مشورہ ہے کہ آپ ذرا آنکھیں کھول کر باقی عالم اسلام پہ بھی نظر دوڑائیں تو آپ کو سمجھ آجائے گی کہ مذہبی جارحیت اصل میں کہتے کسے ہیں۔ قادری نے مسکرا کر کہا کہ میری یہ بات سنتے ہی وقف کے سارے ممبران انہیں چھوڑ کر اِدھر اُدھر کو ہو لئے۔ اور یوں ہمیں مسجد اقصیٰ کے اندر یکسوئی اور توجہ سے عبادت کرنے کا موقعہ نصیب ہوا۔

مصنف لکھتا ہے کہ اگلے دن قادری کے دورہ اسرائیل کی خبریں پاکستانی پریس

نے چھاپ دیں پاکستانی وزیر خارجہ نے سخت بیان جاری کیا کہ قادری کو وطن واپسی پہ گرفتار کرلیا جائے گا حالانکہ بقول قادری انہوں نے اپنے دورہ اسرائیل کی تفصیلات باقاعدہ طور پر ان کے ساتھ بالمشافہ ملاقات میں پہلے سے طے کی تھیں۔ایک اور اخبار نے مولانا قادری سے یہ بیان منسوب کیا کہ آج کے دور میں فلسطینی مسئلہ کے حل کے لئے ضروری ہے کہ عالم اسلام اسرائیل کو پورے طور پر تسلیم کر لے۔میں قادری کی جان کو خطرے میں پا کر اپنی تشویش کا اظہار کیا لیکن انہوں نے کہا کہ شور وغوغا تو بہت ہے لیکن یہ سب کچھ وقتی ہے مجھے معلوم ہے میں کیا کر رہا ہوں۔بڑے کام کا آغاز ایک چھوٹے قدم اُٹھانے سے ہی ہوتا ہے۔

اگلے روز قادری صاحب ڈائریکٹ فلائیٹ پکڑ کر لندن روانہ ہو گئے اور بعدہ سویڈن میں چند ماہ قیام کر کے وطن واپس پہنچے۔ان کے اس دورہ کے گیارہ سال بعد 2008 میں مجھے پاکستان ٹائمز اور پاکستان آبزرور کے ذریعہ علم ہوا کہ مولانا اجمل قادری کی قیادت میں پاکستان سے 174 رکنی وفد جس میں مذہبی علماء، تاجر، اور پاکستانی حکومت کے اعلیٰ عہدیداران شامل تھے براستہ دوبئی واردن اسرائیل پہنچا ہے۔اور یہ کہ علاوہ دیگر سرگرمیوں کے، اراکین وفد نے اسرائیلی وزیراعظم ایریل شیرون، وزیر خارجہ سلوَن شیلوم اور فلسطینی صدر محمود عباس سے ملاقات کی۔پاکستان ٹائمز کے مطابق یہ قادری کا تیسرا دورہ اسرائیل تھا۔

دورہ کے آخری دن جب ہم ائر پورٹ کے لئے روانہ ہونے لگے تو قادری نے کچھ سوچ کر ایک دم اپنا سوٹ کیس کھولا اور اپنے کپڑوں میں سے ایک جوڑا جو میڈان پاکستان تھا نکال کر یہ کہتے ہوئے مجھے دیا کہ میرے پاس تمہیں دینے کے لئے کوئی تحفہ نہیں۔تم یہ جوڑا میری طرف سے شکریہ کی ایک علامت سمجھ کر رکھ لو۔کیونکہ جس طرح سے تم نے میرا خیال رکھا ہے میں تمہیں اپنا سگا بھائی سمجھتا ہوں۔میں نے ان کا شکریہ ادا کیا اور چونکہ اتفاقاً ہماری جسامت ایک جیسی تھی اگلے کئی سال ثقافتی تقاریب میں میں نے ان کا یہ جوڑا پہن کر شرکت کی‘‘

The Abyss: Bridging the divide between Israel and the Arab World

انگلش ایڈیشن 2015 ص 176 تا 179 تحریر Eli Avidar یاد رہے مولانا اجمل قادری صاحب مولانا عبیداللہ سندھی کے پڑپوتے ہیں آپ کچھ عرصہ مولانا سمیع الحق گروپ کے ممبر رہے بعد میں ایک نئی جمعیت لعلماء اسلام (ق) کی داغ بیل ڈالی جس کے آپ موجودہ سربراہ ہیں۔

آپ نے اپنے دورہ اسرائیل 2005 کے بارے میں کویتی نیوز ایجنسی ’’وکالۃالانباء الکویتیہ‘‘ کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا تھا کہ اس دورہ پر ان کے ساتھ ریٹائرڈ جنرلز، بیوروکریٹس، بینکرز، صنعتکار، تاجر اور مذہبی عمائدین بھی براستہ قاہرہ پاکستان سے تل ابیب پہنچے ہیں۔(یہ تمام معلومات نیا زمانہ ڈاٹ کام ویب سائٹ پر 5 جنوری 2018 سے دستیاب ہیں) ***

پیر خواجہ افضل نظامی صاحب جو حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء دہلی کی اولاد میں سے ہیں اور سلسلہ چشتیہ نظامیہ کے روحانی سربراہ ہیں۔آپ 2007 میں ایک وفد میں شامل ہو کر اسرائیل گئے تھے جہاں پہنچ کر آپ نے فرمایا کہ وہ خود کو اپنے چچیروں کے درمیان پا کر بہت ہی طمانیت اور فرحت محسوس کر رہے ہیں۔انہوں نے کہا کہ میں سمجھتا تھا کہ اسرائیل میں مسلمانوں کے خلاف نفرت پائی جاتی ہوگی لیکن صورتحال اس کے برعکس پا کر اب میری رائے تبدیل ہو چکی ہے۔

پیر خواجہ افضل نظامی کی ہمرکابی میں آستانہ عالیہ خواجہ معین الدین چشتی (المعروف خواجہ غریب نواز) اجمیر کے سجادہ نشین خواجہ زین العابدین بھی اس وفد میں شامل تھے۔اسرائیل کا دورہ کرنے والے اس بھارتی مسلم وفد کی سربراہی مولانا عمیر احمد الیاسی صاحب کر رہے تھے۔جو آل انڈیا آئمہ مساجد ایسوسی ایشن کے صدر ہیں۔یہ تنظیم بھارت کے پچاس لاکھ آئمہ کرام کی واحد تنظیم ہے۔وفد کے دیگر اراکین میں ڈاکٹر خواجہ افتخار احمد بھی شامل تھے جو بین المذاہب فاؤنڈیشن کے صدر ہیں۔آپ 2006 میں بھی اسرائیل کے دورے پر تشریف لے جا چکے ہیں۔اور اسی طرح 2007 اور 2011 میں بھارتی مسلمانوں کے ایک بڑے وفد کے ساتھ اسرائیل گئے۔محترم اختر الواسع بھی مذکورہ وفد کے اہم رکن تھے۔آپ جامعہ ملیہ اسلامیہ کے سربراہ شعبہ اسلامک سٹڈی ہیں۔ایک اور نام جناب محمود الرحمٰن صاحب جو سابق وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی ہیں۔آپ بھی اس وفد میں شامل تھے۔

مولانا عمیر الیاسی صاحب سے جب ایک اسرائیلی صحافی نے سوال کیا کہ وہ مسلمان ہونے کے ناطے اپنے دورہ اسرائیل کے تناظر میں فلسطینی ایشو کو کیسے دیکھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ ضروری نہیں کہ فلطینیوں کا ہر مسئلہ اسلام کا بھی مسئلہ ہو بعض غیر جمہوری عناصر مذہب کے نام پر یہودیوں، مسلمانوں اور عیسائیوں کو آپس میں لڑانا چاہتے ہیں۔مولانا الیاسی نے اسرائیل میں پریس کانفرنس کرتے ہوئے کہا کہ پاکستان کو جمہوری سیاسی اقدار کی روس اسرائیل کو مان لینا چاہئے۔مذہبی وجوہ پر کسی ملک کو تسلیم نہ کرنا مناسب فعل نہیں۔

اس دورہ کے بعد اگلے سال 2008 میں مولانا جمیل الیاسی صاحب بھی اسرائیل تشریف لے گئے جہاں آپ نے اسرائیلی صدر شمعون پیریز سے ان کی سرکاری رہائش گاہ میں ملاقات کی اور انہیں اعزازی خلعت پہنائی۔ان دنوں مولانا آئمہ مساجد تنظیم کے سیکرٹری جنرل تھے۔مولانا موصوف نے بتایا کہ وہ اسرائیل پہنچنے کے بعد یہ جان کر حیران ہو گئے ہیں اسرائیلی حکومت مسلمانوں کو مکمل مذہبی آزادی فراہم

کرتی ہے۔اور اسرائیل میں اسلامی شرعی عدالتیں تک موجود ہیں۔

بھارتی مسلمانوں کے وفود کے دورہ جات اسرائیل کا یہ سلسلہ باقاعدگی سے جاری ہے۔دہلی یونیورسٹی کے شعبہ اردو کے سربراہ ڈاکٹر توقیر احمد 2013 والے مسلم وفد کا حصہ تھے۔2010 میں اسرائیلی سفیر نے درگاہ اجمیر پہ حاضری دی، پھول چڑھائے اور دعا کی۔

انڈیا میں انڈو اسرائیل سوسائٹی قائم ہے جس کے سربراہ جناب آصف اقبال صاحب ہیں۔اسرائیلی سفارت خانے میں افطار پارٹیاں منعقد کرنے کی روائیت انھی نے شروع کی۔(یہ تمام معلومات نیازمانہ ڈاٹ کام پر 25 دسمبر 2017 کے پیج پر دستیاب ہیں)

بقول حامد میر صاحب جماعت احمدیہ کے اسرائیل سے اچھے تعلقات ہیں۔اگر اس مفروضے کو مان بھی لیں تو مندرجہ بالا گدی نشینوں کے ساتھ ساتھ ان اسلامی ممالک کے بارے میں کیا کیا خیال ہے ترکی، مصر، اردن، عمان، نائیجر، مراکش، تیونس، قطر اور، موریطانیہ جن میں اسرائیل کی ایمبیسیز قائم ہیں۔اور بقول خورشید ندیم مشہور مذہبی کالم نویس صاحب امریکی صدر کے بیت المقدس کو اسرائیل کا کیپیٹل بنانے کے اعلان پر جب ساری دنیا احتجاج کر رہی تھی تو ترکی نے او آئی سی کا اجلاس استنبول میں بلایا۔مگر استنبول میں واقع اسرائیلی ایمبیسی بند کرنا تو درکنار اس اجلاس سے ایک ہفتہ قبل اسرائیل ترکی سے کئی ملینز کی بسیں خریدنے کا معاہدہ کر رہا تھا۔جبکہ دوسری طرف سعودی عرب سے نہ ہی بادشاہ اور نہ ہی ولی عہد یا وزیر خارجہ شامل ہوئے بلکہ ایک معمولی رینک کے افسر کے ذریعہ نمائیندگی کی گئی۔اور ابھی حالیہ ہفتے میں سعودی عرب نے اپنی فضائی حدود کو اسرائیل کے لئے کھول دیا ہے جو کہ اس سے قبل بند تھیں۔اسی طرح سے ولی عہد شہزادہ محمد بن سلیمان کا امریکہ میں میں یہ بیان کہ اسرائیل کو بھی اتنا ہی حق ہے جتنا اسرائیل کو۔گو اگلے روز بادشاہ سلیمان کی طرف سے کچھ وضاحت کی گئی مگر دنیا دیکھ رہی ہے کہ سعودی عرب نے فلسطین کی حمائیت سے ہاتھ اُٹھا کر اپنا جھکاؤ اسرائیل کی طرف کر دیا ہے۔اس تمام تناظر میں وہ تمام لوگ کہاں پر کھڑے ہیں جو کبھی کسی فرضی اچھے تعلقات کا نام لے کر جماعت احمدیہ کو مئورد الزام ٹھہرایا کرتے تھے۔

پاکستان کی سوسائٹی کے اس دوہرے معیار کی بی بی سی کے صحافی جناب وسعت اللہ خان صاحب نے اپنے 14/04/2018 کے کالم یہودی اشیاء، فاشی اور گبر سنگھ میں طنزیہ رنگ میں یوں تصویر کشی کی ہے۔اپنی معروضات کو جناب وسعت اللہ خان صاحب کے الفاظ کے ساتھ ختم کرتا ہوں آپ لکھتے ہیں۔

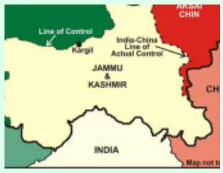
"اپنی چھپن سالہ زندگی میں تین نعرے مسلسل میرا پیچھا کر رہے ہیں اور شائد تا زندگی کرتے رہیں گے۔اول یہودی مصنوعات کا بائیکاٹ کرو۔اس نعرے کے پیچھے غالباً فلسطینیوں سے اظہار یکجہتی کا جذبہ کارفرما ہے۔مگر یہودی مصنوعات سے کیا مراد ہے یہ آج تک پلے نہیں پڑا...اگر مراد ان کمپنیوں سے ہیں جن کے مالکان یا منتظم یا کارکن یہودی ہیں تو پھر تو گھر میں صرف چادر تکیہ اور چارپائی ہی بچے گی۔کیونکہ فریج، واشنگ مشین، فرنیچر، کپڑے، بیڈنگ، پلاسٹک کے برتن، بچوں کا دودھ، کارن فلیکس، بریڈ، مرتبان، درسی وغیر درسی کتابیں، قلم، پنسل، عینک، گھڑی، جوتا، کموڈ، انڈرویئر، مشروب، مسلم شاور، طبی آلات، لیبارٹری کا سامان، کار، ٹرک، بلڈوزر، لاؤڈ سپیکر، دھرنے کے کام آنے والا کنٹینر، غرض روزمرہ استعمال کی کسی بھی ہلکی بھاری، مہنگی سستی شے کا شجرہ نکال لیجئے۔موجد، کمپنی، ڈسٹری بیوٹر، سپلائر، کنٹریکٹر کوئی نہ کوئی یہودی ضرور ہوگا۔آٹھ سالہ عراق ایران جنگ کے دوران لاکھوں ایرانی رضا کاروں کو محاذ پر جانے سے پہلے پلاسٹک کی سرخ بہشتی چابیاں بانٹی جاتی تھیں۔بعد میں پتہ چلا کہ ان چابیوں کو بنانے کا ٹھیکہ جس کمپنی کو دیا گیا وہ ایک اسرائیلی کمپنی کی سب سیڈری تھی۔البتہ ان اشیاء کا بائیکاٹ کسی حد تک قابل عمل ہے جن پر میڈ ان اسرائیل لکھا ہو لیکن اسرائیلی کمپنیاں بہت سی اشیاء غرب اردن میں فلسطینی سب کنٹریکٹرز اور کارکنوں سے بھی تیار کرواتی ہیں۔لہٰذا بائیکاٹ سے قبل یہ چھان بین ضروری ہے کہ کہیں جوش میں فلسطینی روزگار بھی لپیٹ میں نہ آجائے" ***

ظہور خیر الانبیا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ

اِک رات مفاسد کی وہ تیرہ و تار آئی — جو نور کی ہر شمع ظلمات پہ وار آئی
تاریکی پہ تاریکی اندھیرے پہ اندھیرے — ابلیس نے کی اپنے لشکر کی صف آرائی
ہر سمت فساد اُٹھا عصیان میں ڈوب گئے — ایرانی و فارانی رومی و بخارائی
اللہ رہا کوئی نہ کوئی پیام اُس کا
طاغوت کے بندوں نے ہتھیا لیا نام اُس کا

تب عرشِ معلّٰی سے اِک نور کا تخت اُترا — اِک فوج فرشتوں کی ہمراہ سوار آئی
اِک ساعتِ نورانی خورشید سے روشن تر — پہلو میں لئے جلوے بے حد و شمار آئی
کافور ہوا باطل سب ظلم ہوئے زائل — اُس شمس نے دکھلائی جب شانِ خود آرائی
ابلیس ہوا غارت چوپٹ ہوا کام اُس کا
توحید کی یورش نے در چھوڑا نہ بام اُس کا



آزاد کشمیر اسمبلی کی جماعت کے خلاف حالیہ قرارداد کا جائزہ

اصغر علی بھٹی، نائیجر



یہ اوائل 1930ء کی بات ہے۔ لاہور کی سرزمین پر بریلویوں اور دیوبندیوں کا ایک یادگار مناظرہ ہونا طے پایا۔ جس کے لئے حَکَم کے طور پر علامہ ڈاکٹر اقبال، پروفیسر اصغر علی روحی اور شیخ صادق حسن امرتسری بیرسٹرایٹ لاء جیسی قد آور شخصیات کے نام تجویز ہوئے جسے انہوں نے قبول کرلیا۔ دیوبندیوں کی طرف سے مولوی محمد منظور نعمانی اور بریلویوں کی طرف سے مولوی حامد رضا خاں (خلف اکبر مولوی احمد رضا خان) مناظر مقرر ہوئے۔ پورے لاہور میں زور وشور سے اس مناظرے کے لئے تیاریاں جاری تھیں۔ اردگرد کے دیہاتوں سے بھی علماء شہر میں پہنچ چکے تھے۔ ہر مسجد میں مولوی حضرات اپنے اپنے فرقے کے لوگوں کے خون کو خوب گرما رہے تھے اور پیش وقت فتح کی نویدیں سنا رہے تھے۔ کتابوں کے چھکڑوں کے چھکڑے جمع ہو رہے تھے۔ گویا کہ ایک دنگل تھا جس کی تیاری پوری حرارت کے ساتھ جاری تھی کہ اچانک بریلویوں کی طرف سے بلوے کے خطرے کو بنیاد بنا کر معذرت کا اعلان کر دیا گیا۔

تصویر کا رخ بدل گیا۔ دیوبندی حضرات اِسے فتح مبین کے نام سے مَعْنُون کر کے فتح کے ڈھونگرے برسانے شروع ہو گئے۔ تو بریلوی حضرات اِسے گستاخانِ رسول کی حکومت سے ملی بھگت اور فسادی ہونے کی نوید سنانے لگ گئے۔

اِس تمام ہنگامے میں مولوی منظور احمد نعمانی دیوبندی نے اپنا وہ بیان جو انہوں نے اِس مناظرے میں پڑھنا تھا تحریری شکل میں ''فیصلہ کن مناظرہ'' کے نام سے شائع کر دیا۔ اور آغاز کے طور پر عقل اور عقل فہمی کے حوالے سے ایک دلچسپ تجزیہ پیش کیا۔

بے چاری عقل کی بے عقلی اور اہل اللہ کی مخالفت

مولوی منظور نعمانی صاحب فرماتے ہیں:

''اس دنیا میں بعض واقعات اِس قدر عجیب وغریب اور بعید از قیاس ہوتے ہیں کہ عقل ہزار سر مارے مگر ان کی کوئی معقول توجیہہ کرنے سے عاجز ہی رہتی ہے۔''...... حضرات انبیاء علیہم السلام اور ان کی دینی دعوت کے ساتھ اُن کی قوموں نے عام طور پر جو سلوک کیا وہ بھی دنیا کے ایسے ہی عجیب وغریب اور بعید از قیاس واقعات میں سے ہے۔ خود اس دنیا کے پیدا کرنے والے اور چلانے والے خالق و پروردگار نے کتنے عجیب انداز میں اس پرحسرت کا اظہار کیا ہے۔ یاحسرۃ علی العباد ما یاتیھم من رسولٍ الا کانو بہ یستھزئون۔ (یٰس :2) مثال کے طور پر صرف خاتم النبیین سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہی کی سرگزشت کو اِس نظر سے حدیث وسیر کی کتابوں میں دیکھ لیا جائے۔ آپ مکہ معظّمہ میں پیدا ہوئے وہیں پلے بڑھے...... بچپن ہی سے صورت میں دلکشی ومحبوبیت اور عادات میں معصومیت تھی اِس لئے ہر ایک محبت واحترام کرتا تھا گویا آپ پوری قوم کو پیارے اور اُس کی آنکھ کے تارے تھے۔ پھر اللہ تعالی کی طرف سے حکم ہوا کہ اپنی قوم کو توحید اور اسلام کی دعوت دے۔ عقل کا فیصلہ اور قیاس کا تقاضا یہی تھا کہ پوری قوم جو پہلے سے آپ کی گرویدہ تھی اور آپ کو صادق وامین سمجھتی اور کہتی تھی وہ آپ کی اس دینی دعوت پر یک زبان ہو کر لبیک کہتی اور پروانہ وار آپ پر ٹوٹ پڑتی اور کم از کم مکہ میں تو ایک بھی مکذّب اور مخالف نہ ہوتا لیکن ہوا یہ کہ گنتی کے چند سعادتمندوں کے سوا ساری قوم آپ کی تکذیب اور مخالفت پر متفق ہوگئی جو ہمیشہ سے صادق وامین کہتے رہے تھے وہی شاعر اور مجنون اور ساحر وکذّاب کہنے لگ گئے۔ اور آپ کے خلاف نفرت کی آگ بھڑکانا اُن کا محبوب مشغلہ بن گیا۔ بے چاری عقل حیران ہے ایسا کیوں ہوا؟ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ ان دنوں مکہ میں دماغوں کو خراب کر کے آدمیوں کو پاگل بنا دینے والی کوئی خاص ہوا چلی تھی جس کے اثر سے ساری قوم کی قوم پاگل ہوگئی تھی اور آپ کے ساتھ یہ جو کچھ اُس نے کیا وہ پاگل پن کی وجہ سے کیا۔ اِس کی دوسری مثال اُمت میں لیجئے حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ اور حضرت علیؓ مرتضیٰ رضوان اللہ علیہم۔ یہ چاروں بزرگ رسول اللہ ﷺ کے جلیل القدر صحابی ہیں اور اسلام اور پیغمبر اسلام کی تاریخ سے کچھ بھی واقفیت رکھنے والا ہر شخص جانتا ہے کہ اللہ ورسول کے ساتھ اُن کی وفاداری، ان کا اخلاص ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ لیکن غور کیجئے اس اُمت کی تاریخ کا یہ کیسا عجیب وغریب اور ناقابل فہم واقعہ ہے کہ اسلام کے ابتدائی دور ہی میں خود مسلمانوں میں ایسے مستقل فرقے پیدا ہوئے جن کی خصوصیت اور جن کا امتیاز صرف یہی ہے کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کے ان جلیل القدر صحابہ کے ایمان ہی سے انکار تھا اور وہ معاذ اللہ ان کو کافر ومنافق اور گردن زدنی کہنے پر مُصّر تھے۔ اور اب تک بھی یہ فرقے دنیا میں موجود ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ مسلمانوں کا قدیم ترین فرقہ شیعہ کی خصوصیت اور اُس کا امتیاز ہی یہ ہے کہ حضرت ابوبکر، عمر، عثمان، کی عداوت وبدگوئی

......اوران پاک ہستیوں پر تبرّ ا بازی ان کا محبوب مشغلہ اوران کے نزدیک کارِثواب ہے۔خلاف عقل مجادلانہ کج بحثیوں کوتو چھوڑ دیجئے اور پھر ٹھنڈے دل سے غور کیجئے کہ کیا کسی کی عقل بھی ان لوگوں کے اس طرزعمل کی کوئی معقول توجیہہ کرسکتی ہے۔کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس فرقے والے سب پاگل اور عقل عام سے محروم ہیں واقعہ یہ ہے کہ ان میں بڑے بڑے تعلیم یافتہ بڑے بڑے دانشوراورایک سے ایک ذہین وفطین ہر دور میں رہے ہیں اورآج بھی ہیں۔

یہی حال ان کے اصل حریف اور مدّمقابل فرقہ یعنی خوارج ونواصب کا ہے ان بدبختوں کے نزدیک سیدنا علیؓ ایسے بددین،اس درجہ کے دشمن اسلام اورایسے مجرم اور گردن زدنی تھے کہ ان کوختم کردینا نہ صرف کارثواب بلکہ ان کے قاتل کے جنت میں پہنچنے کا یقینی ذریعہ تھا......شقی ابن ملجم سیدنا حضرت علیؓ پر قاتلانہ حملہ کرکے گرفتار ہونے کے باوجود نعرے لگا تا تھافزت ورب الکعبہ۔......بتلایئے کہ عقل بیچاری اس گمراہی اور عقل باختگی کی کیا توجیہہ کرے؟......یہ فرقہ خوارج بھی پاگلوں اوران پڑھ جاہلوں کا فرقہ نہ تھا بلکہ اُن میں بہت سے اچھے خاصے علم وفہم والے بھی تھے۔''

(فیصلہ کن مناظرہ،ص9 تا 14،زیرعنوان بریلی کا تکفیرفتنہ ماضی اورحال،ناشر دارالانفاس کریم پارک 3راوی روڈ لاہور)

پھر آپ نتیجہ کے طور پر اپنا فیصلہ سناتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آخر ایسا ہوتا کیوں ہے؟ آپ فرماتے ہیں۔

''جب کوئی شخص حب مال یاحُبّ جاہ یا ایسے ہی کسی اور غلط جذبہ کے تحت کسی معاملہ میں اللہ کی ہدایت کی بجائے اپنے نفس کی خواہشات اوراپنے ذاتی جذبات و خیالات کی پیروی کا فیصلہ کرلیتا ہے توکم ازکم اس خاص معاملہ میں خداترسی،حق بینی کی صلاحیت اورفہم سلیم کی دولت اُس سے چھین لی جاتی ہے اور پھر بظاہر عقل وہوش رکھنے کے باوجود اس سے ایسی ایسی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ عقل سلیم ان کی کوئی توجیہہ بھی نہیں کرسکتی ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کا بیان ہے''لھم قلوبٌ لا یفقھون بھاولھم اذانٌ لا یسمعون بھا ولھم اعینٌ لا یبصرون بھا ان ھم الا کالا نعام بل ھم اضل۔'' (فیصلہ کن مناظرہ،صفحہ 15-14)

اس ہفتے آخرکار وطن عزیز میں مسلم لیگ نواز کی حکومت نے پاکستان میں سیالوی صاحب کے دربار پر اور آزاد کشمیر میں ملاں کے آستانے پر شریعت نافذ کرتے ہوئے جماعت احمدیہ کے حوالے سے باسی کڑی میں اُبال دے دیا۔اس عظیم نفاذ شریعت کو دیکھتے ہوئے مشہور مذہبی سکالر اور کالم نگار جناب خورشید ندیم صاحب بھی کہہ اُٹھے ہیں کہ جناب شہباز شریف صاحب نے سیالوی صاحب کو گھٹنوں کو ہاتھ لگائے تو تب جا کر ہم جیسوں پر یہ عظیم عقدہ وا ہوا ہے کہ سات دنوں میں شریعت کیسے نافذ ہوتی ہے؟

خاکسار نے وطن سے آنے والی اس خبر کوسنا تو مجھے دیوبندی دنیا کے سرتاج جناب مولوی منظورنعمانی صاحب کا''بے چاری عقل کی بے عقلی اور اہل اللہ کی مخالفت'' کے حوالے سے دیا ہوا1930 کا یہ مندرجہ بالا بیان یاد آ گیا ۔آج مجھے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ خداترسی اورفہم سلیم کی دولت کس کے نصیبے سے منہاہو چکی ہے۔حب مال،حب جاہ اورنفسانی خواہشات کے دیوتا کہاں اورکس کے آنگن میں ننگا ناچنے میں مصروف ہیں۔اور نہ ہی یہ لکھنے کی ضرورت ہے کہ اللہ کی سرزمین پرکس کس کو اختیار ہے کہ وہ کسی کو کافراعلان کرے اورکس کواختیار ہی نہیں۔اور مجھے یہ بھی نہیں یادکرنا کہ کشمیراورسرزمین کشمیر کے لئے جماعت احمدیہ کی کیا کیا خدمات ہیں اورآج اہالیان کشمیر نے کس بے حیائی کا ارتکاب کرتے ہوئے اپنا نام محسن کشوں کی لسٹ میں کتنے نمبرپرلکھوالیا ہے۔نہ ہی مجھے لکھنا ہے اور نہ ہی مجھے یاد کرنا ہے کیونکہ ایسی دنیا میں ایسا ہی ہونا چاہئے تھا اور ایسا ہی ہوا یہ ایک اٹوٹ قانون قدرت ہے۔

اللہ تعالیٰ فرقان حمید میں فرما تا ہے کہ مثل کلمۃ خبیثۃ کشجرۃ خبیثۃ اجتثت من فوق الارض ما لھا من قرار۔(سورۃ ابراہیم 26)

جس ملک کا وزیراعظم قومی اسمبلی کی کھڑکیاں بندکرکے چھپ کر لاکھوں لوگوں کے ایمان کا فیصلہ کر دیتا ہے مگرصرف چنددن بعد جب اپنے شراب پینے کے اعلان پر عدالت اس کی مسلمانی پرسوال اٹھاتی ہے تو چیخ اُٹھتا ہے کہ''ایک اسلامی ملک میں ایک کلمہ گو کے عجز کے لئے یہ ایک غیرمعمولی واقعہ ہوگا کہ وہ یہ ثابت کرے کہ وہ مسلمان ہے...یہ ایک ہراساں کردینے والا مسئلہ ہی نہیں بلکہ ایک کربناک معاملہ بھی ہے۔یورلارڈشپس یہ مسئلہ کیسے کھڑا ہوا؟ آخرکس طرح؟؟...خواہ کتنے ہی اعلیٰ عہدے پر کیوں نہ ہولیکن دراصل اس معاملے میں دخل دینے کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔...کسی فردکسی ادارے اورکسی عدالتی بنچ کا یہ حق نہیں بنتا کہ وہ ایک ایسے معاملے پر اپنی رائے دے جس پر رائے دینے کا اس کا کوئی حق حاصل نہیں۔چونکہ انسان اورخداکے درمیان کوئی بیچ کا واسطہ نہیں۔اللہ اورانسان کا معاملہ ہے اوراس کا فیصلہ وہ خودخدا روزحشر کرے گا۔مائی لارڈ جیسا کہ میں اس سے پہلے کہہ چکا ہوں کہ ایک مسلمان کے لئے کافی ہے کہ وہ کلمے میں ایمان رکھتا ہو۔اس حدتک بات کی جاسکتی ہے کہ جب ابوسفیان مسلمان ہوا اورانہوں نے کلمہ پڑھا تو رسول اکرم ﷺ کے بعض صحابہ نے سوچا کہ اس کی اسلام دشمنی اتنی شدید تھی کہ شائد ابوسفیان نے اسلام کو محض اوپری اور زبان کی سطح پر قبول کیا ہولیکن رسول اکرم ﷺ نے اس سے اختلاف کیا اورفرمایا کہ جونہی اس نے ایک بارکلمہ پڑھ لیا تو وہ مسلمان ہوگئے۔

احسن اقبال صاحب ہوں یا رانا ثناء اللہ صاحب حامد زاہد صاحب ہوں

یا ذوالفقار علی بھٹو صاحب سبھی ایک منہ سے کہ رہے ہوتے ہیں کہ جو اپنے منہ سے کلمہ پڑھ لے وہ مسلمان ہے اسے کسی سے سرٹیفکیٹ لینے کی ضرورت نہیں ''خواہ کتنے ہی اعلیٰ عہدے پر کیوں نہ ہو لیکن دراصل اس معاملے میں دخل دینے کا کوئی استحقاق نہیں ہے۔۔۔کسی فرد کسی ادارے اور کسی عدالتی بنچ کا یہ حق نہیں بنتا کہ وہ ایک ایسے معاملے پر اپنی رائے دے جس پر رائے دینے کا اس کا کوئی حق حاصل نہیں۔ چونکہ انسان اور خدا کے درمیان کوئی بیچ کا واسطہ نہیں۔ اللہ اور انسان کا معاملہ ہے اور اس کا فیصلہ وہ خود خدا روز حشر کرے گا'' اور اسی لمحے دوسرے منہ سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ نہیں ہمیں اختیار ہے ہم اللہ اور انسان کے درمیان کے ٹھیکیدار ہیں۔ احمدیوں کے لئے ہم روز حشر کا انتظار نہیں کر سکتے۔ ان کو اپنا کافر ہونا فوراً تسلیم کر لینا چاہئے کیونکہ ان کو ملک کی مقدس قومی اسمبلی نے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

ایک منہ سے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ اس اسمبلی پر لعنت ہزار لعنت یہ چوروں اور ڈاکوؤں کا مسکن ہے اسی لمحے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ احمدیوں کو اپنا کافر ہونا تسلیم کر لینا چاہئے کیونکہ ان کو ملک کی مقدس قومی اسمبلی نے دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔

ایک منہ سے کہہ رہے ہیں کہ یہ مولوی ختم نبوت کا نام بیچ رہے ہیں 21 کروڑ کی رشوت کا دعویٰ ہے کہیں تو کسی کے ساتھ ڈیزل کا لاحقہ ہے۔ کوئی پیر سینٹ کی ٹکٹ کے ساتھ منسوب ہو رہا ہے تو کسی کے کھاتے میں جہاد افغان کے نام پر ریگن سے لئے ہوئے ڈالر ہیں۔ کسی کو حاجیوں سے ڈاکے مارنے والا بتا کر جیل میں ڈال رہے ہیں۔ کہیں اسے مساجد میں بچوں سے بدفعلی کرنے والا بتا رہے ہیں تو کہیں پانچ پانچ چھ چھ سال کی بچیوں کا ریپسٹ اور قاتل دکھا رہے ہیں۔ مگر عین اسی لمحے کہہ رہے ہوتے ہیں کہ دیکھیں آپ کو اپنا کافر ہونا تسلیم کر لینا چاہئے کیونکہ آپ کو ملک کے علمائے کرام نے متفقہ طور پر دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ سچ ہی کہا تھا مولوی منظور نعمانی صاحب نے کہ ''جب کوئی شخص حب مال یا حُبّ جاہ یا ایسے ہی کسی اور غلط جذبہ کے تحت کسی معاملہ میں اللہ کی ہدایت کی بجائے اپنے نفس کی خواہشات اور اپنے ذاتی جذبات وخیالات کی پیروی کا فیصلہ کر لیتا ہے تو کم از کم اس خاص معاملہ میں خدا ترسی، حق بینی کی صلاحیت اور فہم سلیم کی دولت اُس سے چھین لی جاتی ہے۔ اور پھر بظاہر عقل وہوش رکھنے کے باوجود اس سے ایسی ایسی حرکتیں سرزد ہوتی ہیں کہ عقل سلیم ان کی کوئی توجیہہ بھی نہیں کر سکتی ایسے ہی لوگوں کے متعلق قرآن کا بیان ہے''

لھم قلوبٌ لا یفقھون بھا ولھم اذانٌ لا یسمعون بھا ولھم اعینٌ لا یبصرون بھا ان ھم الا کالا نعام بل ھم اضل (فیصلہ کن مناظرہ، صفحہ 14-15) ایسے مفقود العقل اور مخبوط الحواس لوگوں سے بحث نہیں کرتے اُن کے لئے دعا کرتے ہیں۔

جس ملک میں اپنے عہد وفا کے خائن اور قاتل کی وکالت کے لئے ملک کی اعلیٰ عدالت کا ریٹائرڈ چیف جسٹس کوٹ پہن کر وکالت پر کھڑا ہو رہا ہو۔ جس ملک میں ایک بے گناہ کے قاتلوں کا استقبال ملک کے مذہبی اور سیاسی راہنما ہیروز کی طرح کریں۔ جہاں حج کے انتظامات کرنے والا منسٹر ہی کروڑوں روپے کھا جاتا ہو۔ ٭٭

مشہور کالم نگار جناب ہارون الرشید صاحب اپنے 08/02/2018 کے کالم ''دین ملا فی سبیل اللہ فساد'' میں اپنے ایک مذہبی تنظیم کے اجتماع میں شمولیت کی داستان لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ مقرر نے حضرت عکرمہ بن ابوجہل کا قصہ بیان کیا کہ فتح مکہ کے بعد سمندر کا اُنہوں نے رخ کیا کہ دور دراز کی کسی زمین میں جا بسیں۔ کشتی کو طوفان نے آلیا تو مسافروں نے پروردگار کو پکارا یا اللہ یا اللہ عکرمہ نے کہا کہ اپنے بتوں سے مدد کیوں نہیں مانگتے۔ انہوں نے کہا کہ ایسے میں زمین وآسمان کے خالق کو ہی پکارا جاتا ہے۔ آپ نے یہ سنا تو واپس لوٹ آئے۔ اپنے مرکزی خیال کو واضح کرنے کے بعد مقرر نے کہا کہ پاکستانی مسلمان مشرکین مکہ سے بھی بدتر ہیں مصیبت اور موت میں بھی قبروں کو پکارتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ مشہور اہل حدیث مولوی جناب احسان الٰہی ظہیر صاحب نے بھی اپنی آنکھیں بند کرنے سے پہلے پاکستان کے سواد اعظم کی تصویر کشی کرتے فرمایا تھا کہ ''ان کے عقائد کا اسلام سے دور نزدیک کا کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ بعینہ وہی عقائد ہیں جو جزیرہ عرب کے مشرک اور بت پرست رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے رکھتے تھے بلکہ دور جاہلیت کے لوگ بھی شرک میں اس قدر غرق نہ تھے جس قدر یہ ہیں''۔ (البریلویہ صفحہ 9) بریلویوں کے امتیازی عقائد وہ ہیں جو دین کے نام پر بت پرستوں، عیسائیوں، یہودیوں اور مشرکوں سے مسلمانوں کی طرف منتقل ہوئے ہیں'' (صفحہ 55) ''کفار مکہ۔ جزیرہ عرب کے مشرکین اور دور جاہلیت کے بت پرست بھی ان سے زیادہ فاسد اور ردی عقائد نہ رکھتے ہونگے''۔ (البریلویہ صفحہ 65)

پاکستان کے انہیں درگاہوں کے متولی حضرات کا 7 دن میں شریعت کے نفاذ کا دھمکی نما مطالبہ اور کشمیر اسمبلی میں جماعت احمدیہ کو کافر قرار دینے والے ان ''عظیم مسلمانوں'' کو تاریخ کس لقب سے یاد کرے گی وہ ایک مستقبل کا ملگجا ہے مگر جناب مودودی صاحب جو ساری عمر انقلاب اسلامی کے لئے صالحین کی فوجیں تیار کرنے میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتے رہے مگر اپنی عمر رفتہ کے ساتھ ایک ڈھلتی شام اپنی ناکامیوں اور اپنی قوم کا نوحہ کہتے ہوئے دل کے کرب کو چھپا نہ سکے اور چیختے ہوئے گویا ہوئے ''لوگ اسلام سے انحراف کرنے ہی پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ ان کا نظریہ اب یہ ہو گیا ہے کہ مسلمان جو کچھ بھی کرے وہ اسلامی ہے حتیٰ کہ وہ اگر اسلام سے بغاوت بھی کرے تو وہ اسلامی بغاوت ہے۔ یہ سودی بینک کھولیں تو اس کا نام اسلامی

بینک ہوگا۔ یہ انشورنس کمپنیاں قائم کریں گے تو وہ اسلامی انشورنس کمپنی ہوگی۔ یہ جاہلیت کی تعلیم کا ادارہ کھولیں تو وہ مسلم یونیورسٹی، اسلامیہ کالج یا اسلامیہ سکول ہوگا۔ ان کی کافرانہ ریاست کو اسلامی ریاست کے نام سے موسوم کیا جائے گا۔ ان کے فرعون اور نمرود اسلامی بادشاہ کے نام سے یاد کئے جائیں گے۔ ان کی جاہلانہ زندگی اسلامی تہذیب وتمدن قرار دی جائے گی۔ ان کی موسیقی ومصوری اور بت تراشی کو اسلامی آرٹ کے معزز لقب سے ملقب کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ یہ سب سوشلسٹ بھی ہو جائیں تو مسلم سوشلسٹ کے نام سے پکارے جائیں گے۔ ان سب ناموں سے آپ آشنا ہو چکے ہیں اب صرف اتنی کسر باقی ہے کہ اسلامی شراب خانے، اسلامی قحبہ خانے ،اور اسلامی قمار خانے جیسی اصطلاحوں سے آپ کا تعارف ہو جائے‘‘

(سیاسی کشمکش حصہ سوئم طبع اول ص 26)

مودودی صاحب تو ڈھلتی عمر کے ساتھ اپنا بوجھ میاں طفیل صاحب کے کندھوں پر ڈال کر عازم امریکہ اور پھر وہیں سے راہی عدم ہو گئے ۔مگر میاں طفیل صاحب نے جو سرمایہ پیچھے چھوڑا اسی واقعی یہ حق حاصل تھا کہ وہ دوسروں کے ایمان تو کیا زندگیوں کے فیصلوں کی بھی مجاز مطلق ہوں۔قوم کی مخبوط الحواسی کا ٹمپریچر بتاتے ہوئے میاں طفیل صاحب نے اپنے عاقبت نامہ کو یوں پڑھا تھا’’’’ قوم میں کس پر اسلام لایا جائے؟ کس پر اسلام نافذ کیا جائے؟ قوم کا اس وقت کیا حال ہے؟ کیا آپ نہیں جانتے......امر واقعہ یہ ہے کہ یہ قوم تو بالکل سڑ گئی ہے پیسے بغیر کوئی ووٹ دینے کے لیے تیار نہیں۔کوئی ناچ رہا ہو کوئی زانی زنا کر رہا ہو۔کسی کو پرواہ نہیں پیسہ ہو تو وہ لیڈر بن جائے گا۔کسی کو امانت اور دیانت کی کوئی پرواہ نہیں نہ ضرورت جتنا بڑا کوئی رشوت خور ہو۔جتنا بڑا کوئی بددیانت ہو۔جتنا بڑا کوئی سمگلر ہو۔زانی ہو۔بدمعاش ہو اس کو ووٹ دیں گے اب آپ ہی بتائیں کس پر اسلام نافذ کیا جائے؟۔آپ کے علماء کا کیا حال ہے؟ ایک حلوے کی پلیٹ کسی مولوی صاحب کو کھلا دیں جو چاہے فتویٰ لے لیں ہر مولوی دوسرے کو کافر بنا رہا ہے۔جماعت اسلامی 50 سالوں سے کام کر رہی ہے۔مولانا مودودی جیسا شخص اس قوم کے واسطے سر کھپاتا رہا۔گیارہ کروڑ کی آبادی میں سے اس وقت بھی 5 ہزار جماعت اسلامی کے ارکان ہیں وہ بھی چھوٹی برادریوں اور ذاتوں کے تعلق رکھنے والے یا دفتروں کے چپڑاسی کوئی قابل ذکر آدمی جماعت اسلامی کے ساتھ نہیں‘‘۔ (بیدار ڈائجسٹ اگست 90ء صفحہ 9 ضیاء الحق شہید نمبر)

آج شام عبد المالک صاحب اپنے پروگرام breakingviews with malick میں سینٹ 2018 میں نامزد ہونے والے ’’نئے صالحین‘‘ کو’’ ہیرے‘‘ کے نام سے معنون کر کے ان کے کارہائے نمایاں قتل، منی لانڈرنگ وغیرہ بتا رہے تھے۔اس میں جلنے کی آخر کیا بات ہے؟ اور ایسا آخر کیوں نہ ہو بھائی؟ مستند اسلامی سوسائٹی کے لئے مستند اسلامی قانون سازی کرنے کے لئے مستند اسلامی سپوتوں کی شکلیں ایسی ہی ہونی چاہئیں۔مور جنگل میں ناچتے ناچتے اپنے پاؤں کو دیکھ کر کیوں روتا ہے وہ مجھے اپنے سکہ بند اسلامی بھائیوں کے ان بیانات کو پڑھ کر اس دکھ کا اندازہ بخوبی ہو گیا ہے۔بقول مولانا عبد الماجد دریا آبادی ایڈیٹر صدق جدید وخلیفہ مجاز اشرف علی تھانوی’’ مبارک ہے وہ دین کا خادم جو تبلیغ واشاعت قرآن کے جرم میں قادیانی یا احمدی قرار پائے‘‘۔(صدق جدید 22 دسمبر 1961ء)اور بقول مشہور عالم دین اور جماعت اسلامی کے سابقہ عہدیدار جناب مولوی عبد الرحیم اشرف مدیر المنیر لائل پور’’ہر وہ چیز جو انسانیت کے لیے نفع رساں ہوا سے زمین پر قیام وبقا ہوتا ہے۔قادیانیت میں نفع رسانی کے جو جوہر موجود ہیں ان میں اولین اہمیت اُس جدوجہد کو حاصل ہے کہ جو اسلام کے نام پر وہ غیر ممالک میں جاری رکھے ہوئے ہیں۔یہ لوگ قرآن کو غیر ملکی زبانوں میں پیش کرتے ہیں۔تثلیث کو باطل کرتے ہیں۔سید المرسلین سیرت طیبہ کو پیش کرتے ہیں۔ان ممالک میں مساجد بنواتے ہیں اور جہاں کہیں ممکن ہو اسلام کو امن وسلامتی کے مذہب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔غیر مسلم ممالک میں قرآنی تراجم اور اسلام تبلیغ کا کام صرف اصول’’نفع رسانی‘‘ کی وجہ سے قادیانیت کے بقا اور وجود کا باعث ہی نہیں ہے ظاہری حیثیت سے بھی اس کی وجہ سے قادیانیوں کی ساکھ ہے ایک عبرت انگیز واقعہ خود ہمارے سامنے وقوع پذیر ہوا 1954 میں جب جسٹس منیر انکوائری کورٹ میں علم دور اسلامی مسائل سے دل بہلا رہے تھے اور تمام مسلم جماعتیں قادیانیوں کو غیر مسلم ثابت کرنے کی جدوجہد میں مصروف تھیں۔قادیانی عین انھیں دنوں ڈچ اور بعض دوسری غیر ملکی زبانوں میں ترجمہ قرآن مکمل کر چکے تھے اور انہوں نے انڈونیشیا کے صدر حکومت کے علاوہ گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد اور جسٹس منیر کی خدمت میں یہ تراجم پیش کئے گویا وہ بزبان حال وقال کہہ رہے تھے کہ ہم ہیں وہ غیر مسلم اور خارج از ملت اسلامیہ جو اس وقت جبکہ آپ لوگوں ہمیں کافر قرار دینے کے لیے پر تول رہے ہو غیر مسلمانوں کے سامنے قرآن اُن کی مادری زبان میں پیش کر رہے ہیں۔‘‘

(المنیر لائل پور 2 مارچ 1956ء صفحہ 10)

بقول مولانا ارشد القادری ایڈیٹر جام نور جمشید پور بھارت:

’’جماعت اسلامی جن لوگوں کو اسلام سے قریب تر کرتی ہے وہ ہزار بگڑنے کے باوجود کسی نہ کسی نہج سے اسلام کے ساتھ بہرحال کوئی تعلق رکھتے تھے لیکن قادیانی جماعت کا لٹریچر مغرب کے عیسائیوں کو جو اندر سے لے کر باہر تک اسلام کے غالی دشمن اور حریف ہیں۔انہیں اسلام سے قریب ہی نہیں کرتا اپنے طور پر اسلام کا کلمہ پڑھواتا ہے‘‘...’’یورپ، ایشیا، امریکہ اور افریقہ کے جن ملکوں میں قادیانی جماعت

نے اپنے تبلیغی مشن قائم کئے ہیں۔جن کے ذریعہ وہ منظم طریقے پر بنام اسلام اپنے مذہب کا پیغام اجنبی دنیا تک پہنچا رہے ہیں کام کی وسعت کا اندازہ لگانے کے لیے صرف ان کے نام پڑھیے:

انگلینڈ۔امریکہ۔ماریشس۔مشرقی افریقہ۔مغربی نائیجیریا۔ انڈونیشیا۔ ملایا۔ اسپین۔ سوئٹزر لینڈ۔ایران فلسطین۔ہالینڈ۔جرمنی۔جزائر غرب الہند۔ سیلون۔ بورنیو۔برما۔شام۔لبنان۔مسقط۔پولینڈ۔ہنگری۔البانیہ۔اٹلی۔قادیانی جماعت کے تبلیغی سرگرمیوں اور دائرہ عمل کی وسعتوں کا اندازہ لگانے کے لیے صرف اتنا معلوم کرنا کافی ہوگا کہ دنیا کی چودہ اجنبی زبانوں میں انھوں نے قرآن کریم کے تراجم شائع کئے ہیں ان کی فہرست ملاحظہ فرمائیے:

ی۔ڈچ۔جرمنی۔سواحلی۔ہندی۔گورمکھی۔ملائی۔فینسٹی۔انڈونیشین۔روسی۔فرانسیسی۔ پرتگیزی۔اطالوی۔ہسپانوی"۔

نوٹ: یہ 1977ء کی بات ہے۔(جماعت اسلامی صفحہ 104 و 106۔107 نوریہ رضویہ پبلشنگ کمپنی کچارشید روڈ بلال گنج لاہور)

سو 2018 میں میری قوم کو نئے "ہیروں" کے ساتھ اسلامی سینٹ کے اسلامی قانون ساز ممبران مبارک ہوں او"رسرکاری کافرین" آپ کو بقول مولانا عبد الماجد دریابادی صاحب سرکاری مجرم ہونا مبارک ہو"مبارک ہے وہ دین کا خادم جو تبلیغ واشاعت قرآن کے جرم میں قادیانی یا احمدی قرار پائے"۔ ٭٭٭

غالب مرزا حاتم علی بیگ مہر کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"سنو صاحب! شعراء میں فردوسی،فقراء میں حسن بصری اور عشاق میں مجنوں یہ تین آدمی تین فن میں سر دفتر و پیشوا ہیں۔شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہوجائے۔فقیر کی انتہا یہ ہے کہ حسن بصری سے ٹکر کھائے اور عاشق کی نموو یہ ہے کہ مجنوں کی ہم طرحی نصیب ہو" مولانا نیاز فتحپوری یہ عظیم فقرہ درج کر کے لکھتے ہیں"اس میں اگر اضافہ کر دیا جائے کہ ایک صداقت پرست، ایک حق شناس، اور ایک بے لاگ تنقید کرنے والے کی انتہا یہ ہے کہ وہ کافر و مرتد بنا دیا جائے۔ملحد و بے دین کے نام سے پکارا جائے تو میرے لئے اس سے زیادہ فخر کا موقعہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ آج میں بھی اسی منزل میں ہوں اور ناشکری ہوگی اگر اس سے زیادہ کوئی اور سعادت طلب کروں۔ آج سے کئی صدی قبل جب قرآن کا مفہوم ایک مولوی کے مواعظ و ارشادات سے بلند تھا تب کفر اور الحاد کا مفہوم بھی کچھ اور تھا مگر آج غزالی اور رازی بھی زندہ ہوتے تو ان کا دامن بھی مولوی کے ہاتھ میں ہوتا۔لاؤ ساری دنیا کی بے دینی مجھے دے دو ،تمام عالم کا ارتداد میرے حوالے کردو اور کائنات کے ہر گوشے کا الحاد میرے قلب میں بھر دو کہ اس دولت کے ساتھ تو مجھے جہنم بھی اس فردوس سے زیادہ عزیز ہے جہاں ایک مولوی مسلمان کو کافر بنائے بغیر نہیں جا سکتا۔"

سابق وائس چانسلر جامعۃ اسلامیہ مدینہ منورہ جناب الشیخ عبد المحسن العباد صاحب نے ایک موقعہ پر فرمایا تھا کہ"اگر دشنام طرازی اور سوقیانہ پن ہی روحانی عظمتوں کی دلیل ہو تو پھر ایسی روحانی عظمتوں کی حامل شخصیتیں عام بازار میں ایک ڈھونڈیں تو لاکھ ملتی ہیں" آج کشمیر کی قانون ساز اسمبلی میں ایک منہ زور وزیر اعظم جماعت احمدیہ پر تبرا بازی کرتے ہوئے انہیں ملحد و کافر بنانے میں مصروف تھا تو مجھے نیاز فتح پوری صاحب کا یہ نعرہ مستانہ ثاقب صاحب کی آواز میں کشمیری وادیوں میں کچھ یوں گونجتا ہوا محسوس ہوا

میں فدائے دین ھدیٰ بھی ہوں درِ مصطفٰے کا گدا بھی ہوں

میری فرد جرم میں درج ہو میرے سر پر ہیں یہ گناہ بھی

آزاد کشمیر کے قانون سازو یاد رکھو ہم مجرم ہیں واقعی ہم مجرم ہیں اور ہمیں اپنے اسی جرم پر ناز ہے۔ہمیں اپنی خو مبارک اور تمہیں اپنے افعال

بعد از خدا بعشق محمد ﷺ مخمرم

گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

مشہور اہل حدیث عالم دین جناب عبد الغفور اثری صاحب مصنف حنفیت اور مرزائیت حضرت پیر غلام فرید صاحب آف چاچڑاں شریف کے الفاظ میں احمدی جرائم کو یوں درج فرماتے ہیں۔

"مرزا صاحب تمام اوقات خدا کی عبادت، نماز یا تلاوت قرآن شریف میں گزارتے ہیں۔اس نے دین کی حمایت میں کمر باندھی ہوئی ہے یہاں تک کہ اس دنیا کی ملکہ جو لندن میں رہتی ہے کو بھی دین محمدی ﷺ کی دعوت دی ہے اور روس فرانس وغیرہ کے بادشاہوں کو بھی اسلام کی دعوت دی ہے اور اس کی تمام محنت و کوشش یہی ہے کہ تثلیث اور صلیب کا عقیدہ مٹائے جو سراسر کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو قائم کرے ۔علماء وقت کو دیکھو کہ مذاہب باطلہ کو چھوڑ کر ایسے شخص کے درپے ہوگئے ہیں جو بڑا نیک مرد اور اہل سنت و جماعت سے ہے اور صراط مستقیم پر ہے اور ہدایت کی تلقین کرتا ہے اس پر کفر کا فتویٰ لگا رہے۔اس کا عربی کلام دیکھو جس کا مقابلہ کرنا انسان کی طاقت سے باہر ہے اور اس کی تمام کلام حقائق و معرفت وہدایت سے بھری ہوئی ہے اور وہ اہل سنت و جماعت کے عقائد اور ضروریات دین کا ہرگز منکر نہیں ہے"۔

(ارشادات فریدی حصہ سوم صفحہ 69۔70 مطبوعہ اگرہ 1320ھ بحوالہ حنفیت اور مرزائیت از عبد الغفور اثری صفحہ 48۔49) جرم تو ہے پھر سزا تو بنتی ہے

تو ایک دوسرے مشہور دیوبندی عالم دین اور مرکزی راہنما تحفظ ختم نبوت موومنٹ جناب مولانا یوسف بنوری ایڈیٹر البینات احمدی جرائم کو یوں یاد کرتا

ہے۔''قادیانی نہ صرف یہ کہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور کلمہ گو ہیں بلکہ انہوں نے اپنے نقطہ نظر کے مطابق ایک صدی سے بھی زیادہ مدت سے اپنے طریقے پر اسلام کی تبلیغ واشاعت کا جو کام خاص کر یورپ اورافریقی ممالک میں کیا اس سے باخبر حضرات واقف ہیں۔اورخود ہندوستان میں جوتقریباً نصف صدی تک اپنے آپ مسلمان اوراسلام کا وکیل ثابت کرنے کے لیے عیسائیوں آریہ سماجیوں کا انہوں نے جس طرح مقابلہ کیا تحریری اور تقریری مناظرے کئے وہ بہت پرانی بات نہیں......پھر ان کلمہ......ان کی اذان اور نماز وہی ہے جو عام امت مسلمہ کی ہے زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں ان کے فقہی مسائل قریب قریب وہی پیش ہیں جو عام مسلمانوں کے ہیں لیکن اثناعشریہ (شیعہ) کا یہ حال ہے کہ ان کا کلمہ الگ ہے۔ان کا وضوا لگ ہے ان کی نماز اور اذان الگ ہے زکوۃ کے مسائل بھی الگ ہیں۔نکاح اور طلوق وغیرہ کے مسائل بھی الگ ہیں حتیٰ کہ موت کے بعد کفن دفن اور وراثت کے مسائل بھی الگ ہیں''۔

(ماہنامہ البینات کراچی جنوری فروری 1988ء صفحہ 96)

ایک شیعہ شیعہ ذاکراور عالم دین عرفان حیدری صاحب احمدی جرائم کی روداد پر یوں سیخ پا ہے۔

''صرف قادیانیوں کے نام مسلمانوں جیسے نہیں ہوتے ان کا کلمہ بھی مسلمانوں جیسا ہوتا ہے☆ان کی آذان بھی مسلمانوں جیسی ہوتی ہے☆ ان کا فقہ بھی وہی جو سارے مسلمانون کا اعظم فقہ ہے ☆ان کا طریق نماز بھی وہی ہے جو سارے مسلمانوں کا ہے ☆ان کا روزہ کھولنے کا وقت بھی وہی ہے☆ ان کی نماز بھی ویسی جو سارے مسلمانوں کا طریقہ نماز ہے ☆ان کے قرآن پڑھنے کا انداز بھی وہی جو سارے مسلمانون کا انداز قرات☆ان کا روزے کھولنے کا وقت بھی ویسا۔ جو سارے مسلمانوں کا وقت ہے ☆ان کے ارکان حج بھی وہی جو سارے مسلمانوں کے ہیں☆ان کا نصاب زکوۃ بھی وہی جو سارے مسلمانون کا ہے☆ ان کی توحید بھی وہی۔ان کا لاالہ الا اللہ بھی وہی جو سارے مسلمانوں کا ☆ان کا خدا بھی تخت پر بیٹھتا ہے☆ ان کا خدا بھی مسکراتا ہے ان کا خدا بھی روتا ہے تو جب مسئلہ یہ ہے کہ مرزا غلام احمد نے کوئی نئی فقہ نہیں دیا اسی فقہ پر چل رہا ہے وہ بھی مقلد ہے۔وہی شریعت دے رہا ہے کوئی نئی شریعت نہیں لایا۔وہی طریقہ نماز دے رہا کوئی نئی طریقہ نماز نہیں لایا۔وہی قرآن پڑھ رہا ہے کوئی نیا قرآن لیکر نہیں آیا۔اسی آیت سے استدلال کر رہا ہے جس سے تمام مسلمان خاتم النبیین کا استدلال کرتے ہیں۔اسی سورۃ سے استدلال کرتا ہے ما کان محمد ابا احدٍ من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین۔مرزا غلام احمد یہی کہتا ہے کہ میں کب خاتم النبیین کا انکار کر رہا ہوں۔ میں تو تمہارے ہی بتائے ہوئے طریقوں سے استدلال کر رہا ہوں۔ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء اگر انگوٹھی ہیں اس انگوٹھی کا نگین، خاتم میرا رسول ہے وہ میں بھی مانتا ہوں''

(مولانا عرفان حیدری صاحب کی یہ ویڈیو تقریر بر موضوع ''شناختی کارڈ میں مذہب کا خانہ ضروری ہے'' you tube پر Qadiyani And Non Qadiyani presented by 3,with Allama Irfan Haider Abidi part1,2 shiamajlis اس تقریر کو شبیر کیسٹ ہاؤس نے ریکارڈ کیا ہے)

ہاں پھر سے کہتا ہوں کہ واقعتاً تمہیں احمدیوں کو اپنے سے ایسے ہی الگ کرنا چاہئے تھا کیونکہ عشق رسول ﷺ کے مخموروں اور قصور کے نعت خوانوں کی دنیا بھی اور ہے اوران کے گناہ بھی اور۔کرگس کا جہاں اور ہوتا ہے اور شاہین کا اور۔جنگل میں ناچتے ہوئے مورا پنے پاوں کو دیکھ کر کیوں روتا ہے وہ عطاء اللہ شاہ بخاری صاحب کی زبانی بھی سنئے''یہ اسلام جو تم نے اختیار کر رکھا ہے کیا یہی اسلام ہے جو نبی نے سکھلایا تھا؟ کیا ہماری رفتار وگفتار کردار میں وہی دین ہے جو خدا نے نازل کیا تھا؟ یہ روزے اور نمازیں جو ہم میں سے بعض پڑھتے ہیں اس کے پڑھنے میں کتنا وقت صرف کرتے ہیں۔جو مصلے پر کھڑا ہے وہ قرآن سنانا نہیں جانتا اور جو سنتے ہیں وہ نہیں جانتے کہ کیا سن رہے ہیں اور باقی 23 گھنٹے ہم کیا کرتے ہیں؟ میں کہتا ہوں کہ گورنری سے لیکر گداگری تک مجھے ایک ہی بات بتلاؤ جو قرآن اور اسلام کے مطابق ہو پھر میں کمیونزم سے کیوں لڑوں؟ ہمارا نظام کفر ہے قرآن کے مقابلے میں ہم نے ابلیس کے دامن میں پناہ لے رکھی ہے قرآن صرف تعویذ اور قسم کھانے کے لیے ہے''۔

(احراری اخبار آزاد 9 دسمبر 1949ء)

مسجد الحرام کے خطیب الشیخ محمد بن سبیل جن کے آقاؤں نے جماعت احمدیہ کی عصمت و ایمان سے نمرودی خونی ہولی کھیلنے کے لئے دراہم و دینار میں ادائیگیاں کیں تھیں آج دامن پر لگے خونی دھبے دیکھ کر بیت اللہ شریف کے سایہ میں کھڑے ہوکر بڑبڑا رہے ہیں۔

''آج اکثر بلاد اسلامیہ کے مسلمانوں کی کیفیت سخت الم انگیز ہے مسلمان آنحضرتؐ اور صحابہؓ کی روش کا مخالف ہو چکا ہے۔کیا اکثر مسلمان ممالک میں ہمیں ایسے لوگ نظر نہیں آتے جو اسلام کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور اپنے تئیں مسلم کہتے ہیں اور بایں ہمہ ان کا اسلام انہیں بڑے بڑے جرائم سے نہیں روکتا۔ان کا اسلام انہیں سود اور لوگوں کے اموال کھانے اور فجور سے نہیں روکتا ان کا اسلام انہیں کذب بیانی اور جھوٹی گواہی سے نہیں روکتا اور نہ ہی رقص گاہوں اور شراب خانوں سے منع کرتا ہے۔نہ اُن کا اسلام انہیں مسلمانوں کے معاملات میں دھوکا چالبازی اور فریب دہی سے باز رکھتا ہے۔نہ ان کا اسلام انہیں نماز وروزہ کے چھوڑنے سے روکتا ہے۔

وہ حق کو نفرت انگیز القاب کے ذریعہ بعض سادہ لوح لوگوں کے سامنے بدنما بتاتے ہیں۔ اُن کا اسلام قرآن اور احادیث نبویہ کو پس پشت ڈالکر خود ساختہ قوانین کے فیصلہ سے بھی انہیں نہیں روکتا اور ان کا اسلام انہیں اس بات سے بھی نہیں روکتا کہ شریعت اسلامیہ کو عیوب اور نقائص کا تختہ مشق بنائیں۔ وہ اشتراکی مذہب رکھتے ہیں۔ وہ دہریوں کی مدد کرتے ہیں۔ اور خدا کے دین اور خدا کے مومن بندوں سے بیگانگی اختیار کئے ہوئے ہیں''۔

(اخبار العالم الاسلامی 15 شعبان 1394ھ مطابق 3 ستمبر 1974ء صفحہ 13 تا 16)

پنجابی میں کہتے ہیں رونڈی یاراں نوں لے کے بھرواں دا ناں۔ یعنی مکار عورت روتی اپنے عاشقوں کے لئے ہے لیکن دہائی اپنے بھائیوں کے نام کی دے رہی ہوتی ہے۔ آج کی تاریخ میں مولوی مخبوط الحواس نہ ہو تو کیا کرے وہ مولوی جس کی برادری، جس کی اولاد اور جس کی قوم سب ہی بقول مودودی صاحب مسلمان شرابی، مسلمان زانی، مسلمان جواری، مسلمان نمرود، مسلمان فرعون، مسلمان سودی، مسلمان ڈاکو، مسلمان سوشلسٹ اور مسلمان مشرک بن چکی ہیں۔ ایسے میں ''تمام اوقات خدا کی عبادت، نماز یا تلاوت قرآن شریف میں گزارنے والا'' ''دین کی حمایت میں کمر باندھے ہوئے'' ''جس کی تمام محنت وکوشش یہی ہے کہ تثلیث اور صلیب کا عقیدہ مٹائے جو سراسر کفر ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید کو قائم کرے'' ''بڑا نیک مرد اور اہل سنت وجماعت سے ہے اور صراط مستقیم پر ہے اور ہدایت کی تلقین کرتا ہے'' ایسا شخص اور اس کی جماعت زہر نہ لگے تو اور کیا لگے۔ ایسے مخبوط الحوس لوگ قابل بحث نہیں قابل رحم ہوا کرتے ہیں۔ بات کو حضرت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ اور مولانا جلال الدین رومی کے اقوال سے سمیٹتا ہوں آپ نے فرمایا تھا ''حق کا پرستار کبھی ذلیل نہیں ہوتا چاہے سارا زمانہ اس کے خلاف ہو جائے اور باطل کا پیروکار کبھی عزت نہیں پاتا چاہے چاند اس کی پیشانی پر نکل آئے'' اور حضرت مولانا جلال الدین رومیؒ کا یہ کہ ''جس کے افعال شیطان اور درندوں جیسے ہوتے ہیں کریم لوگوں کے متعلق اسی کو بدگمانی ہوتی ہے'' سو وزیراعظم آزاد کشمیر صاحب آپ کو اپنی یہ بدگمانی مبارک ہو۔

جے کر دین علم وچ ہوندا تے سر نیزے کیوں چڑھدے ہو
ٹھاراں ہزار جو عالم ہے سن اوہ اگے حسین دے مردے ہو
جے کجھ ملاخطہ سرورؐ دا کردے تے خیمے تمبو کیوں سڑدے ہو
جے کر مندے بیعت رسولی تاں پانی کیوں بند کردے ہو
ہے صادق دین تساں دے باہو جیہڑے سرقربانی کردے ہو

***

رمضان کیسے گزاریں؟


سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود مہدی موعودؑ

''تیسری بات جو اسلام کا رکن ہے وہ روزہ ہے۔ روزہ کی حقیقت سے بھی لوگ ناواقف ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جس ملک میں انسان جاتا نہیں اور جس عالم سے واقف نہیں اس کے حالات کیا بیان کرے۔ روزہ اتنا ہی نہیں کہ اس میں انسان بھوکا پیاسا رہتا ہے بلکہ اس کی حقیقت اور اس کا اثر ہے جو تجربہ سے معلوم ہوتا ہے۔ انسانی فطرت میں ہے جس قدر کم کھاتا ہے اسی قدر تزکیہ نفس ہوتا ہے اور کشفی طاقتیں بڑھتی ہیں۔ خدا تعالیٰ کا منشاء اس سے یہ ہے کہ ایک غذا کو کم کرو اور دوسری کو بڑھاؤ۔ ہمیشہ روزہ دار کو یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ اس سے اتنا ہی مطلب نہیں ہے کہ بھوکا رہے بلکہ اسے چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے ذکر میں مصروف رہے تاکہ تبتل اور انقطاع حاصل ہو۔ پس روزے سے یہی مطلب ہے کہ انسان ایک روٹی کو چھوڑ کر جو صرف جسم کی پرورش کرتی ہے دوسری روٹی کو حاصل کرے جو روح کی تسلی اور سیری کا باعث ہے اور جو لوگ محض خدا کے لئے روزے رکھتے ہیں اور نرے رسم کے طور پر نہیں رکھتے انہیں چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور تسبیح اور تہلیل میں لگے رہیں۔ جس سے دوسری غذا انہیں مل جاوے۔''

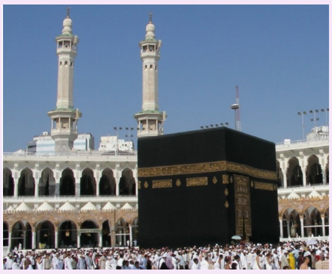
(الحکم جلد ۱۱ نمبر ۲۔ مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۰۷ء صفحہ ۹)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا پاکیزہ منظوم کلام

وہ پیشوا ہمارا جس سے ہے نُور سارا
نام اُس کا ہے محمد دلبر مرا یہی ہے
سب پاک ہیں پیمبر اِک دوسرے سے بہتر
لیک از خدائے برتر خیرالوریٰ یہی ہے
پہلوں سے خوب تر ہے خوبی میں اِک قمر ہے
اُس پر ہر اک نظر ہے بدرالدّجیٰ یہی ہے
وہ یارِ لامکانی وہ دلبرِ نہانی
دیکھا ہے ہم نے اُس سے بس رہنما یہی ہے
وہ آج شاہِ دیں ہے وہ تاجِ مرسلیں ہے
وہ طیّب وامیں ہے اُس کی ثنا یہی ہے
جو راز دیں تھے بھارے اُس نے بتائے سارے
دولت کا دینے والا فرماں روا یہی ہے
اُس نُور پر فدا ہوں اُس کا ہی مَیں ہوا ہوں
وہ ہے مَیں چیز کیا ہوں بس فیصلہ یہی ہے
وہ دلبرِ یگانہ علموں کا ہے خزانہ
باقی ہے سب فسانہ سچ بے خطا یہی ہے
سب ہم نے اُس سے پایا شاہد ہے تُو خدایا
وہ جس نے حق دکھایا وہ مہ لقا یہی ہے

اب ہم کس منہ سے کعبہ جائیں گے یا رب



اصغر علی بھٹی، مغربی افریقہ

مستنصر حسین تارڑ صاحب کچھ دنوں سے حیران کھڑے بڑبڑا رہے تھے کہ ہمارا سعودی عرب والا ماہی سانوں نہر والے پل تے بلا کے تے آپ پتہ نہیں کدھر چلا گیا ہے؟ مگر ابھی ابھی شہزادہ بندر بن سلطان نے تازہ اطلاع دی ہے کہ وہ امریکیوں کے ساتھ بھاگ گیا ہے۔ پچھلے سو سال کے مذہبی دنگلوں میں ہم نے جس کو بھی آخری دھوبی پٹکا لگانا ہوتا تھا اُس پر جہاد سے منکر ہونے اور انگریزوں کا ایجنٹ ہونے کا الزام لگا دیتے تھے۔ اور اس کے ساتھ ہی خود سے جہاد کے سب سے بڑے چیمپئین ہونے کا اعلان کر کے خود ہی اپنے سر پر انگریز کے سب سے بڑے دشمن ہونے کا تاج بھی سجا لیتے تھے چنانچہ اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی مسلک کی سینکڑوں نہیں ہزاروں کتب صرف اس موضوع پر ہیں کہ ہم نے جہاد شاملی کیا ،اور آپ تو انگریز کی گود میں پلے ہو، نہیں انگریز جب ہمیں توپوں کے گولوں سے اُڑا رہا تھا آپ تو اُس وقت انگریز کی قصیدہ گوئی کر رہے تھے۔ نہیں ہم نے انگریز کے کالے پانی کی سزائیں سہیں آپ تو اس کا خود کاشتہ پودا ہو۔ وغیرہ وغیرہ لیکن ابھی 22 مارچ 2018 کے بعد سے ہر طرف گہرا سکوت طاری ہے بلکہ سکوت مرگ طاری ہے۔ شہزادہ بندر بن سلطان سعودی خاندان کے سینئر رکن اور امریکہ میں 22 سال تک سعودی عرب کے سفیر صاحب کے انکشافات ''دی پرنس'' نامی اپنی کتاب میں اور شہزادہ محمد بن سلیمان کے 22 مارچ 2018 کو واشنگٹن پوسٹ میں کئے گئے انکشافات نے ایسے تمام جہادی ہیروز کو زیرو بنا کر رکھ دیا ہے بلکہ بقول جاوید چوہدری صاحب تنخواہ دار امریکی ملازم، یا ایک تنخواہ دار مہرہ، یا ایک استعمال شدہ ٹشو پیپر بنا دیا ہے۔ شہزادہ بندر بن سلطان کے بقول اس جنگ میں امریکہ اور روس دو مرغ لڑانے والے شکاری تھے اور ہم تھے لڑنے والے مرغے۔ دیوبندی ہوں یا بریلوی، اہل حدیث ہوں یا اہل قرآن کوئی بھی ہوں شہزادہ محمد بن سلیمان کے دبنگ اعلانات کے بعد سے اپنے عمرے اور ریال کے دروازے پر کنڈا نہیں لگوانا چاہتے۔ اس لئے اپنے منہ پر کنڈا لگا کر بیٹھے ہیں۔ اس لئے سینما کھلیں یا تاش گھر ۔ ویلنٹائن ڈے منائیں یا جوئے خانے کا افتتاح سابق امام کعبہ سے کروائیں، انگریز گوریوں کے کنسرٹ ہو یا مسلمان مغنیہ لہرا کر شمع محفل بنیں افغان جنگ میں شامل ہونے والوں کو مجاہدین نہیں ڈالر بٹورنے والے ملازم کہیں یا وہابی مساجد، وہابی مدارس سے لے کر تمام وہابیوں کو امریکہ کا ایجنٹ قرار دیں کوئی وہابی یا غیر وہابی مولوی اپنی روزی پر ٹانگ مارنے کے لئے تیار نہیں پھڑ پھڑانے کے لئے تیار نہیں۔ شہزادہ محمد بن سلیمان کے الفاظ کا چناؤ بڑا حیرت انگیز ہے آپ فرماتے ہیں کہ ''سرد جنگ کے دوران مغرب کو اسلامی دنیا میں وہابیت کی ضرورت محسوس ہوئی تو ہم نے مغرب کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے وہابی مدارس اور مساجد کی تعمیر میں سرمایہ کاری کی'' واہ، تعمیر مساجد، عیسائیت، سرمایہ کاری۔ ''شہزادہ بندر بن سلطان کی کتاب نے تو گویا ڈیٹرجنٹ کا کام کیا ہے اور افغان جنگ کے بارے میں میری نسل کے تمام تصورات دھو کر رکھ دیئے ہیں۔ میری نسل افغان جنگ کے دوران پل کر جوان ہوئی تھی لہٰذا ہم اُسے کفر اور اسلام کی جنگ سمجھتے تھے لیکن یہ کتاب پڑھ کر معلوم ہوا کہ یہ کفر اور اسلام کی جنگ نہیں تھے بلکہ وہ امریکہ اور سوویت یونین کی انا کا ٹکراؤ تھا اور سعودی عرب اس ٹکراؤ میں امریکہ کا حلیف تھا۔ جنرل ضیاء الحق سلطان صلاح الدین ایوبی نہیں بلکہ ایک مہرہ تھا اور امریکہ نے یہ جنگ ڈالروں کے سر پر جیت لی۔ اس جنگ میں ہمارا کردار ٹشو پیپرز سے زیادہ تھا ہی نہیں۔ ہم امریکہ کے حلیف یا دوست نہیں بلکہ ملازم تھے اور ہمیں ہماری ملازمت کا باقاعدہ معاوضہ ملتا رہا''

(جاوید چودھری کا مستقل کالم زیرو پوائنٹ زیر عنوان افغانوں کا بے گناہ لہو بول رہا ہے۔'')

سعودی عرب نے امریکہ کے کہنے پر سخت گیر وہابیت میں سرمایہ کاری کر دی۔ افغان جنگ میں ڈالروں کی بارش کر کے اپنے ان معمولز کو نہلا دیا، اسلحہ چلانا سکھا کر انکو توانا کر دیا اُنہیں کافر کافر کھیلنا سکھا کر اربوں ڈالر کا مالک بنا دیا۔ جنت کے پراپرٹی ڈیلر بنا کر زنا، ڈاکے قتل کو ان کا پیدائشی حق بنا دیا اور پھر ان سب کے منہ کو خون لگا کر اپنی اپنی انا کی تسکین کر کے خاموشی سے اپنے گھر لوٹ گئے اور بھگتنے کے لئے پیچھے رہ گیا پاکستان۔ بیوہ مائیں، یتیم بیٹیاں، مسکین بہنیں اور رو رو کر آنکھیں پتھر کر لینے والے بھائی آیئے دیکھئے میرے وطن کو سعودی عرب والوں نے امریکہ کے ساتھ مل کر کیا بنا دیا۔

''مجاہدین چوریاں کرتے اور ڈاکے مارتے ہیں'' ''مجاہدین بھتہ لیتے ہیں'' ''مجاہدین ملک دشمن اور اسلام دشمن لوگوں کے آلہ کار ہیں'' ''مجاہدین اپنے ہی بھائیوں کو ذبح کر دیتے ہیں'' ''مجاہدین زنا کی وارداتوں میں ملوث ہیں'' ''مجاہدین لوٹ مار

اور قاتل گری میں مصروف ہیں۔مندرجہ بالا الفاظ کسی عام انسان کے نہیں بلکہ یہ الفاظ ہیں طالبان لیڈر اعظم طارق صاحب کے جوانہوں نے اپنے ہی دوسرے جہادی گروپ کے بارے میں کہے۔

سعودی عرب اور ایران سے رابطوں والے مدرسے ہمارے قتل گاہیں بن گئے

وزیر اعلیٰ پنجاب جناب شہباز شریف صاحب ان مجاہدوں کے یوں ترلے کرتے نظر آتے ہیں۔

"پنجاب بار کونسل سے خطاب کے دوران وزیر اعلیٰ پنجاب میاں شہباز شریف نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا"اگر ہم نے فرقہ واریت اور فروعی مسائل کو حل نہ کیا تو نوجوان نسل قوم کا شیرازہ بکھر جائیگا۔بعض مدرسے قتل گاہیں بن گئے ہیں۔جہاں علم کے بجائے یہ سبق دیا جاتا ہے کہ دوسرے فرقہ والوں کو قتل کردو"تمہیں جنت ملے گی۔ہم ان کی نشاندہی کریں گے،ہم فرقہ واریت کے ناسور کو ختم کر کے دم لیں گے"۔اسی طرح سے دوسرے دن ماڈل ٹاؤن میں ایک کھلی کچہری سے خطاب کرتے ہوئے پھر یہ اعلان کیا کہ"دینی مدارس کی اہمیت اپنی جگہ،لیکن جو تخریب کاری کے اڈے ہیں دینی مدراس کہلانے کے حقدار نہیں ان کے خلاف کارروائی ہوگی،ہم فرقہ پرستی اور مذہبی گروہ بندی کی آڑ میں کسی کو امن عامہ سے کھیلنے کی اجازت نہیں دیں گے۔"انہوں نے کہا بعض جگہوں پر ایسا لٹریچر شائع کیا جاتا ہے جس میں ایک دوسرے کو قتل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے،ہم کسی کے خلاف زہر گھولنے کی اجازت نہیں دیں گے۔"

پنجاب میں لا اینڈ آرڈر کے حوالے سے وزیر اعلیٰ کے یہ اعلانات خوش آئند ہیں۔حکومت نے اس سلسلے میں بعض سخت اقدامات کئے ہیں۔تاہم امن وامان کے مسائل کے علاوہ دینی مدرسوں کے حوالے سے اور بھی سنگین مسائل ہیں جو بنیادی اور دورس تبدیلیوں کے متقاضی ہیں۔روزنامہ خبریں کے زیر اہتمام"دہشت گردی کا خاتمہ کس طرح ممکن ہے؟"کے موضوع پر ایک فورم میں پولیس،عدلیہ،دینی اور سیاسی جماعتوں کے اعلیٰ کرداروں نے کھل کر اظہارِ خیال کیا۔فورم میں دینی مدرسوں کے حوالے سے جو تشویش ظاہر کی گئی اس کے بعض نکات حسب ذیل تھے۔سابق آئی جی پنجاب وسابق وفاقی سیکرٹری مسٹر ایم اے کے چودھری نے کہا"آپ یہ بھی تو دیکھیں کہ ان دینی مدرسوں سے جو طالب علم پڑھ کر نکلتا ہے وہ بہت خطرناک ہوتا ہے۔وہ جرائم پیشہ اور دہشت گرد ہوتا ہے۔انہوں نے کہا"حکومت مدرسوں کو زکوٰۃ فنڈ سے امداد دیتی ہے تو اسے چاہئے کہ ان کے نصاب میں جدید علوم بھی شامل کرے۔" انہوں نے سوال کیا کہ"دینی مدرسے والوں کو کس نے اجازت دی ہے کہ سعودی عرب اور ایران رابطے رکھیں؟"ایک اور سابق آئی جی پنجاب چودھری سردار محمد نے انکشاف کیا کہ"سپاہِ صحابہؓ اور سپاہ محمدؐ کے پکڑے گئے بہت سے لوگ ایسے ہیں جنہوں نے برملا اعتراف کیا ہے کہ ہاں ہم نے قتل کیا ہے لہٰذا ہم جنت میں جائیں گے۔یہ سب کچھ ناقص دینی تعلیم کی وجہ سے ہے۔"جسٹس(ر)خضر حیات نے فرمایا"اب وقت آ گیا ہے کہ ہمیں سچ بولنا چاہئے اور سچ کے مطابق اقدامات کرنا ہوں گے ورنہ مسئلہ گمبھیر ہوجائیگا۔انہوں نے تجویز پیش کی کہ صورتحال کی بہتری کے لئے طویل مدت کی منصوبہ بندی درکار ہے جو گزشتہ پچاس سال سے نہیں کی گئی۔اس کے لئے پہلا ضروری کام نظامِ تعلیم کو انقلابی بنیادوں پر استوار کرنا ہے۔انہوں نے تسلیم کیا کہ ایسے گروہ پیدا ہوچکے ہیں جو باقاعدہ"چٹ"دیتے ہیں کہ فلاں کو قتل کردیں تو آپ کو جنت ملے گی۔حکومت کو جرأت کے ساتھ بیرونی امداد لینے والوں کو بےنقاب کرنا چاہئے۔ان کے فنڈز منجمد کر کے پابندیاں لگانی چاہئیں۔ڈی آئی جی لاہور طارق پرویز نے کہا"لاہور اس وقت دہشت گردی کا مرکز بن چکا ہے،دینی مدرسے دہشت گردی کی نرسریاں ہیں جہاں سے جنت کی پرچیاں تقسیم کی جاتی ہیں۔انہوں نے علمائے کرام سے اپیل کی کہ وہ خود رضا کارانہ طور پر دینی مدراس کے نصاب کا جائزہ لیں کہ کونسی ایسی باتیں پڑھائی جارہی ہیں جن سے فرقہ واریت پھیلائی جارہی ہے۔اس بات کا انتظار نہ کیا جائے کہ حکومت قابلِ اعتراض لٹریچر کو قبضے میں لے"۔ملک محمد وارث سابق ایس ایس پی نے کہا کہ"دونوں طرف کے دہشت گردوں کو یہ تعلیم دی جاتی ہے کہ تم اگر قتل کروگے تو تمہیں جنت ملے گی۔ان دینی مدراس کے نصاب کا جائزہ لینا چاہئے۔میں آپ کو بتادوں کہ جنت کے یہ متلاشی اور متمنی چوریاں بھی کرتے ہیں اور ڈاکے بھی مارتے ہیں۔حکومت کو جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے تحقیق کرنی چاہئے کہ دینی مدارس کو فنڈز کہاں سے ملتے ہیں؟میرے نزدیک سارے سیاستدان اور سیاسی ودینی جماعتیں موجودہ حالات کے ذمہ دار ہیں۔"جہاں تک ان دینی اداروں کے جرائم کی آماجگاہ ہونے کا تعلق ہے یہ امن وامان کا مسئلہ ہے اور حکومت اس سے نبٹنے کی کوشش کررہی ہے۔تشویش کا اصل باعث ان اداروں کا"نصاب"ہے جن سے یہ ادارے فروغ جہالت اور ابلہ سازی کی فیکٹریاں بن کر رہ گئے ہیں۔مجھے یاد ہے کہ سابق گورنر میاں محمد اظہر نے اپنے دور میں دینی مدرسوں کی انہیں خرابیوں کی طرف توجہ دلا کر اصلاح احوال کا مطالبہ کیا تھا۔نصاب کے حوالے سے انہوں نے یہ چبھتا ہوا سوال کیا تھا کہ"اگر دینی مدرسوں کا یہی سلیبس مثالی ہے تو ان اداروں کے مالکوں کے بچے یہاں کیوں نہیں داخل کرائے جاتے اور وہ کانونٹ سکولوں اور برطانیہ اور امریکہ کی یونیورسٹیوں میں کیوں بھجوائے جاتے ہیں،کیا یہ صریح منافقت نہیں ہے؟"۔

(روزنامہ خبریں یکم اگست 1997ء)

کوئی جہاد نہیں صرف عربوں سے دولت لوٹنے کا بہانہ ہے۔

کراچی سے شائع ہونے والے اہل حدیث کے ترجمان رسالے صراط مستقیم میں مشہور اہل حدیث عالم دین قاری عبدالحفیظ فیصل آبادی کا انٹرویو شائع ہوا۔جس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ قاری صاحب کے بیٹے کو خود لشکر طیبہ کے جہادی سینٹر میں ہی مار دیا گیا مگر شائع یہ کیا گیا کہ وہ ایک کیمونسٹ کے خلاف جہاد کرتا ہوا جام شہادت نوش کر گیا ہے۔اس کے والد کو جب اصل حقیقت کا پتہ چلا تو انہوں نے اس کا برملا واویلا شروع کر دیا۔اسی سلسلے میں آپ نے یہ انٹرویو دیا اور بہت سی جہادی قوتوں کے اصل عزائم کو بھی روشن کیا۔

''سوال: قاری صاحب آپ عوامی اجتماعات میں سخت الفاظ میں ضیاء الحفیظ شہید کے قتل کا ذمہ دار مرکز الدعوۃ کو ٹھہراتے ہیں آپ کے پاس اس کے کیا ثبوت ہیں؟

جواب: میں پوری ذمہ داری اور اعتماد کے ساتھ اس سوال کا جواب دے رہا ہوں۔جس جگہ ان لوگوں نے اپنا معسکر بنایا ہوا ہے اور جہاں یہ لوگ رہ رہے ہیں وہاں کسی مخالف سے دوبدو لڑائی کا کوئی خدشہ نہیں۔دھوکہ ہے دھوکہ۔عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکی جارہی ہے۔کاروباری مقاصد کے لئے کی جانے والی جدوجہد کا نام جہاد دیا جارہا ہے۔ناول نگاری اور افسانہ نگاری کی طرز پر جھوٹی ٹیبل اسٹوریاں اپنے رسالے میں شائع کرتے ہیں۔

(آگے تفصیل ہے کہ کس طرح اپنے لوگوں کو خود ہی مار دیتے ہیں)

سوال: اگر آپ کی یہ بات صحیح بھی مان لیں تو ان بچوں کے قتل سے ان کا کو کیا فائدہ پہنچ رہا ہے؟

جواب: یہ وسائل، گاڑیاں ائیر کنڈیشن، دفاتر، دولت یہ سب انہیں شہداء کے قتل کی قیمت ہی تو ہے جو عربوں اور پاکستان کے سادہ لوح اہل حدیثوں سے وصول کی جاتی ہے۔یہی فائدہ ہے بچوں کے قتل کا۔ان کے مسقط، بحرین، کویت، اور دیگر بیرونی ممالک میں بینک بیلنس موجود ہیں۔یہ مجلہ الدعوۃ والوں کی عادت ہے وہ عوام کو کیش کروانے کے لئے جھوٹے اور من گھڑت شہادتوں کے واقعات بالکل افسانوی انداز میں لکھ کر چھاپتا ہے...جہاد کے مفہوم کو ایک خاص مقصد کے تحت محدود کیا جارہا ہے۔وہ خاص مقصد دولت اکٹھی کرنا ہے۔مرکز الدعوۃ اور اس کے لیڈر خود اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں جہاد وہاد کچھ نہیں بلکہ یہ ان کا کاروبار ہے۔اگر جہاد کشمیر کو واقعی جہاد سمجھتے تو ان میں سے کسی کا ایک بچہ وہاں شہید ہوا ہوتا کوئی زخمی ہوا ہوتا۔لیکن یہ اپنے بچوں کو بچا کر رکھتے ہیں دوسروں کو مرواتے ہیں''

(ماہنامہ صراط مستقیم اہل حدیث اکتوبر 1994 کراچی بحوالہ پاسبان مسلک رضا تحریر مولانا ابوداؤد محمد صادق مرتبہ محمد حفیظ نیازی ناشر مکتبہ رضائے مصطفیٰ چوک دارالسلام گوجرانوالہ تقسیم کار سنی دار الاشاعت علویہ رضویہ 150 قائد اعظم مارکیٹ ڈجکوٹ روڈ فیصل آباد)

جماعت اسلامی جہاد کشمیر کے نام پر کروڑوں کما کر گاڑیاں بنگلے خرید چکی ہے

روزنامہ نوائے وقت اپنے کالم سرراہے میں میجر مست گل کے بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''بی بی سی نے جماعت اسلامی مقبوضہ کشمیر کے امیر غلام محمد بٹ کا ایک انٹرویو نشر کیا ہے۔جس میں انہوں نے دیگر مجاہد جماعتوں سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔اس انٹرویو پر تبصرہ کرتے ہوئے سانحہ چرار شریف کے ہیرو میجر مست گل نے کہا ہے کہ جماعت کی طرف سے مجاہدین سے لاتعلقی کا اظہار ایک شرمناک فعل ہے۔انہوں نے کہا کہ جہاد کشمیر کے نام پر جماعت اسلامی نے کروڑوں روپے کمائے جنہیں جماعت کے لیڈر ذاتی مقاصد کے لیے استعمال کر رہے ہیں اور ان پیسوں سے وہ قیمتی گاڑیوں اور بنگلوں کے مالک بن گئے ہیں۔انہوں نے کہا ہے کہ اگر جماعت تھک گئی ہے تو بھی کشمیر کا جہاد پھر بھی جاری رہے گا۔میجر مست گل سانحہ چرار شریف ہی کے ہیرو نہیں بلکہ جماعت اسلامی کے ہیرو بھی تھے اور جماعت اسلامی نے پاکستان میں ان کے بڑے بڑے جلوس نکالے تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اب دلوں میں بال آ گیا ہے''۔(روزنامہ خبریں اسلام آباد 31 جولائی 1997ء)

یہ نہ اسلام سے مخلص ہیں نہ پاکستان سے صرف قاتل ہیں

2014 میں جن دنوں طالبان اور حکومت پاکستان کے مذاکرات پوری کوشش کے باوجود ناکام ہو گئے تو اس وقت ایک معروف صحافی جناب آغا مسعود حسین صاحب ان مذاکرات کی ناکامی کا تجزیہ کرتے ہوئے لکھا ''جو علمائے کرام مثلاً مولانا سمیع الحق اور پروفیسر ابراہیم صاحب مذاکرات کے معاملے میں تحریک طالبان کی نمائندگی کر رہے تھے انہیں اس بات کا ادراک ہی نہیں تھا کہ یہ عناصر نہ تو پاکستان سے مخلص ہیں اور نہ ہی اسلام سے۔نہتے پاکستانیوں کو قتل کرنا، مساجد اور امام بارگاہوں کو بموں سے اڑا دینا ان کا روز کا معمول بن چکا ہے۔ان کی ان حرکات کی وجہ سے عوام انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔حقیقت میں تحریک طالبان پاکستان کو 2007 میں CIA نے تشکیل دیا تھا۔اس سے متعلق تفصیلی رپورٹ پاکستان سمیت تمام اخبارات میں شائع ہو چکی ہے۔تحریک طالبان کا مقصد پاکستان کو تخریبی کارروائیوں کے ذریعہ کمزور کرنا ہے اور بعد میں سامراج کے تعاون سے ایٹمی اثاثوں پر قبضہ کرنا تھا۔کراچی کے بین الاقوامی ہوائی اڈے پر منظم حملہ ان کی قابل مذمت حکمت عملی کا حصہ تھا۔پشاور ایئر پورٹ پر لینڈنگ کے دوران ایک جہاز پر گولیاں چلا

کر ایک مسافر خاتون کو شہید اور بعض کو زخمی کرنا ان کی پاکستان سے بدترین دشمنی کی ایک مثال ہے''

(روزنامہ دنیا آغا مسعود حسین مستقل کالم نئی دنیا زیر عنوان دہشت گردی کے خلاف جنگ اور علمائے کرام 14/06/28)

یہ مجاہد نہیں ایک مافیا ز کا گینگ ہے

ملک لال خان صاحب فرماتے ہیں کہ یہ جہادی اب منشیات سمیت بہت سارے مافیاز کا روپ دھار چکے ہیں آپ فرماتے ہیں۔

''دہشت گردی کی مالیاتی بنیادوں اور کالی دولت کی آمدن کے ذرائع کا تفصیلی جائزہ لیا جائے تو بات بہت دور تک چلی جاتی ہے۔ یہ مذہبی اور غیر مذہبی دہشت گردی صرف پاکستان ہی نہیں وسط ایشیا سے مشرق وسطیٰ اور افریقہ سے لے کر جنوبی امریکہ تک مختلف سامراجی اور مقامی اجارہ داریوں کے مالیاتی مفادات کے تحت دہشت اور خون ریزی کا بازار گرم ہے۔ ۔معدنیات اور ہیروں کی کانوں پر تسلط، اسلحے کی فروخت، منشیات کے کاروبار اور انسانوں کی سمگلنگ جیسی کئی وجوہ اس خون ریزی کے پیچھے کارفرما ہیں۔ مشرق وسطیٰ میں ایسی کئی دہشت گرد تنظیمیں موجود ہیں جو تیل کے کاروبار سے اور امریکہ سے درآمد شدہ گاڑیاں مغربی افریقہ میں فروخت کر کے بے تحاشا منافع کما رہی ہیں۔ اہم جریدہ اکانومسٹ اپنے اداریے میں لکھتا ہے کہ ''اغواء برائے تاوان، منشیات کی سمگلنگ، بینکوں میں خورد برد اور بھتہ خوری ان بے شمار طریقوں میں شامل ہے جن کے ذریعہ سے دہشت گرد اپنے ہولناک جرائم کی فنانسنگ کرتے ہیں۔ حکومتیں ان بینکوں کے خلاف اقدامات کرنے کی کوشش کرتی ہیں جو ان خطرناک عناصر کے مالی معاملات میں مالی معاونت کرتے ہیں۔ 2012 میں امریکی حکومت نے ایک برطانوی بینک پر کالے دھن کو سفید کرنے کے جرم میں 1.9 ارب ڈالر کا جرمانہ عائد کیا تھا۔ اسی طرح سے بارکلیز (برطانیہ) اور انگ (ہالینڈ) پر انہیں الزامات کی بنیاد پر بھاری جرمانے عائد کئے گئے...اربوں ڈالر کے جرمانوں کے باوجود یہ کاروبار بڑا منافع بخش ہے۔ پاکستان اور افغانستان میں جاری دہشت گردی کی معاشی بنیادیں سب سے پہلے امریکی سامراج نے ہی فراہم کی تھیں۔ 1978 میں شروع ہونے والے ڈالر جہاد کی مالی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ہیروئین اور دوسری منشیات کی پیداوار اور سمگلنگ کا نیٹ ورک cia نے بچھایا تھا۔ اس کے بعد سے یہ کالی معیشت جتنی وسیع ہوئی ہے، دہشت گردی کی وحشت اور خطے کے عدم استحکام میں اتنا ہی اضافہ ہوا ہے... BBC کی ویب سائٹ پر حال ہی میں رو پزیر ہونے والے ایک مضمون میں اینڈریو نارتھ لکھتے ہیں'' جوں جوں نیٹو افغانستان میں پسپائی اختیار کر رہی ہے طالبان دولت کے انباروں میں لوٹ پوٹ ہو رہے ہیں۔ یہ تحریک ایک مجرمانہ کاروبار بن چکی ہے۔ ان کی دولت کے حوالے سے جو اندازے لگائے گئے ہیں وہ بہت کم ہیں۔''

اسی طرح چند ہفتے پہلے اقوام متحدہ کی شائع کردہ ایک رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ'' اس سال افیون کی بڑی فصل سے منشیات کی آمدن میں بہت اضافہ ہو گیا ہے۔ منشیات کے علاوہ اغواء برائے تاوان، غیر قانونی کان کنی اور دوسرے مجرمانہ کاروباروں سے دہشت گردوں کے مختلف گروہ مافیا طرز کے سینڈیکیٹ بن چکے ہیں۔ ماہانہ کروڑوں ڈالران کی تجوریوں میں گر رہے ہیں۔ جس سے دہشت گردی کو فروغ مل رہا ہے۔ امن ان کے منافعوں کے لئے خطرہ ہے۔ یہ کسی مذہبی نظریے پر مبنی تحریک نہیں بلکہ منافع پر مبنی جرائم پیشہ نیٹ ورکس کا متزلزل الحاق ہے۔ حکمرانوں کے اپنے ادارے تسلیم کرتے ہیں کہ رد انقلابی ڈالر جہاد کے جس دیو کو سامراجیوں نے بوتل سے نکالا تھا وہ اب قابو سے باہر ہو گیا ہے۔ اس بربریت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کالے دھن کو نہ صرف پاکستان اور افغانستان کی سرکاری معیشت پر سبقت حاصل ہے بلکہ اس ناسور کی جڑیں سرمایہ دارانہ نظام کی معیشت میں گہرائی تک پھیل چکی ہیں۔

کالے دھن پر مبنی یہ مذہبی جنون سماج، سیاست، اور ریاست پر اثر ورسوخ اور اتھارٹی حاصل کر چکا ہے۔ محنت کش عوام کو سیاہ اور سفید سرمائے کے اس چنگل سے نکلنے کے لئے سرمایہ داری کے خلاف بغاوت کرنا ہو گی۔ انقلابی جراحی کے علاوہ اس سرطان کو جڑوں سمیت سماج پر سے کاٹ پھینکنے کا کوئی دوسرا طریقہ نہیں ہے۔''

(روزنامہ دنیا تحریر لال خان صاحب مستقل کالم زیر عنوان سیاست اور دہشت کے کاروبار حصہ دوئم 14/06/27)

مجاہد قرآنی لفظ اور اسلامی اصطلاح ہے۔ جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین پر سب سے پہلے بولا گیا۔ مجاہد کی فضیلت پر بیسیوں آیات اور سینکڑوں احادیث بھی پیش کی جاسکتی ہیں اور صلحاءامت کا اقوال کا ذخیرہ اس کے علاوہ ہے... مگر یہ اس دور میں کیسے مجاہد ہیں جو زنا بھی کریں اور ڈاکے بھی ڈالیں اور پھر بھی مجاہد؟ اسلام دشمن اور وطن دشمن طاقتوں سے پیسے لے کر ناحق معصوموں کا خون بھی کریں اور پھر بھی مجاہد۔ بدترین درندوں کی طرح اپنے مسلمان بھائیوں کے سامنے دوسرے مسلمان بھائیوں کو ذبح کریں اور پھر بھی جنت معلیٰ کے وارث۔ کرائے کے قاتل بن کر اپنے ہی مسلمان بھائیوں پر خودکش حملے کریں۔ ڈرگ، منشیات سمگلنگ سمیت دنیا کا ہر غلیظ کاروبار کریں پھر بھی اور یا مقبول جان کے نزدیک مجاہد۔ شہزادہ محمد بن سلیمان کے نزدیک امریکہ کے لئے امریکی ڈالروں کی خاطر بکاؤ مال بن جائیں اور پھر بھی مجاہد سوچو اتنے سارے گند منہ پر مل کر ساری دنیا کو جہاد کا منکر اور یہود و ہنود کا ایجنٹ کا طعنہ دے کر اور اپنے سر پر مجاہد اور غازی کی ٹوپی سجا کر پھر کعبہ کس منہ سے جاؤ گے؟؟ ***

مَا کَانَتْ نُبُوَّۃٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَۃٌ

اسلام میں نظام خلافت



ناز احمد ناصر لندن

اسلام میں ''نظام خلافت'' کی بڑی اہمیت ہے۔خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ میں یہ نظام جاری و ساری ہے۔اس مضمون میں نظام خلافت کیا ہے، خلافت کے وعدہ کے متعلق قرآن کریم کی بنیادی آیت، خدا تعالیٰ کی طرف سے اس بارہ میں وعدہ اور ہماری ذمہ واریاں، اور حدیث نبوی ﷺ میں خلافت کے بارہ میں پیشگوئی، خلفاء کے تقرر کے متعلق اسلامی تعلیم، خلافت کی مختلف اقسام اور خلافت کے نظام کے متعلق احادیث کا تذکرہ ہوگا۔

''نظام خلافت'' وہ بابرکت آسمانی نظام اور حبل اللہ ہے، جو اللہ تعالیٰ جماعت مومنین کی روحانی بقاء اور ترقی کے لئے ان کے اندر جاری فرماتا ہے تا کہ اس ذریعہ سے نبوت کے بعد مومنین کے دلوں میں نبوت کی برکات کو قائم رکھے اور وہ برکات کبھی مٹنے نہ پائیں۔ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

مَا کَانَتْ نُبُوَّۃٌ قَطُّ اِلَّا تَبِعَتْهَا خِلَافَۃٌ۔

یعنی ہر نبوت کے بعد لازماً خلافت کا سلسلہ قائم ہوتا ہے۔

(کنزالعمال، کتاب الخلافت، جلد 1، حدیث نمبر 3224)

''نظام خلافت'' کیا ہے؟ یہ نظام حکومت کا نام نہیں، نہ یہ ضروری ہے کہ خلافت کے ساتھ حکومت بھی ہو۔کیونکہ ''نظام خلافت'' ایک نظام ہے اور نظام مستقل چیز کا نام ہے۔حکومت ایک آنے جانے والی چیز ہے۔تاہم ''نظام'' حکومت پر بھی جاری ہوتا ہے، جب ''حکومت'' نظام کو مل جائے۔پس مسئلہ خلافت دراصل ایک اسلامی نظام ہے۔سلطنت اس کے ساتھ ساتھ ایک اضافی چیز ہے۔حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے وقت میں حالات کے لحاظ سے حکومتی خلافت ایک وقتی فیصلہ تھا۔ عرب ایک قبائلی سوسائٹی تھا اور قبیلہ کا سردار ہی حکمران بن جاتا تھا۔اسلام کی وجہ سے ایک تغیر پیدا ہوا اور قبائل زیر نگیں ہو گئے تو ایک حکومتی خلاء واقع ہو گیا، اس لئے باقاعدہ حکومت قائم کرنے کی ضرورت پڑی اور شریعت کے قوانین کے نفاذ کا موقع آیا۔ہمیشہ کے لئے حکومتی خلافت قائم کرتے چلے جانا شریعت کا منشاء نہ تھا۔

اسلام معاشرت اور سیاست میں بنیادی احکامات دیتا ہے۔مختلف معاملات کو رسول کریم ﷺ کی عدالت میں پیش کرنے کا حکم ہے۔پس خدا نے رسول کریم ﷺ کو حکومتی اختیارات دیئے۔عرب چونکہ قبائلی معاشرہ تھا، ان میں احکامات قبائلی ہوتے تھے۔اسلام کے آنے پر ہی قرآنی احکامات نے ان کی جگہ لے لی اور رسول کریم ﷺ کی بعثت کا مطلب بھی یہ تھا کہ آپ ﷺ ان کو ''خلافت'' کے اصول بتاتے۔قرآن کریم میں ہے: خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَۃً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا وَصَلِّ عَلَيْهِمْ (التوبہ: 103) ترجمہ: (اے محمدؐ) تو ان کے مالوں میں سے صدقہ قبول کر لیا کر۔اس ذریعہ تو انہیں پاک کرے گا، نیز ان کا تزکیہ کرے گا اور ان پر نماز جنازہ بھی پڑھ لیا کر۔

(ترجمہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ)

پس یہ آیت رسول کریم ﷺ اور بعد میں آنے والی خلافت کے لئے بنیاد ہے۔چونکہ شریعت رسول کریم ﷺ کی حکومت کا حصہ تھی، اس لئے یہ احکامات نافذ کئے گئے اور آئندہ کے لئے نظیر بن گئے۔30 سالہ خلافت راشدہ رسول کریم ﷺ کی شریعت کے نفاذ کا عملی دور تھا۔

اب میں قرآن کریم کی اس بنیادی آیت کو پیش کرتا ہوں جس میں ''نظام خلافت'' کا وعدہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خلافت راشدہ کا وعدہ دیا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ۝

(سورۃ النور: 56)

''تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال بجا لائے اُن سے اللہ نے پختہ وعدہ کیا ہے کہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اُس نے اُن سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور اُن کے لئے اُن کے دین کو، جو اُس نے اُن کے لیے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور اُنہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ وہ میری عبادت کریں گے۔ میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے اور جو اس کے بعد بھی ناشکری کرے تو یہی وہ لوگ ہیں جو نافرمان ہیں۔'' (ترجمہ از قرآن کریم اردو ترجمہ از حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ)

قرآن مجید کی پیشگوئی آیت استخلاف کے مطابق اللہ تعالیٰ جس طرح انبیاء سابقین کی وفات کے بعد ہر زمانے میں سلسلہء خلافت کو قائم فرماتا چلا آیا اسی سنت قدیمہ کے مطابق علیم وحکیم خدا نے حضرت محمد ﷺ کی وفات کے بعد بھی ''نظام خلافت،، کو قائم کیا۔ آنحضرت ﷺ کے جانشین خلفاء راشدین نے آنحضرت ﷺ کے جوارح اور اعضاء بن کر آپؐ کے مشن اور آپؐ کی تعلیم وتبلیغ کی۔ ان کے ذریعہ سے جہاں تک خدا تعالیٰ کا منشاء مبارک تھا، اسلام دنیا میں پھیلا اور خدا تعالیٰ کا نام بلند ہوا۔ درج بالا آیت کریمہ میں، جسے'' آیت استخلاف،، بھی کہتے ہیں، مومنین کی جماعت سے چار وعدے کئے گئے ہیں، جو کہ درج ذیل ہیں:

1۔ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا، جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا۔ 2۔ ان کے لئے ان کے دین کو، جو اس نے ان کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا۔ 3۔ ان کی خوف کی حالت کے بعد ضرور انہیں امن کی حالت میں بدل دے گا، اور 4۔ وہ میری عبادت کریں گے اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گے۔ اسی طرح یہ وعدہ چار ذمہ واریوں کے ساتھ مشروط بھی ہے:

اول۔ یہ کہ مسلمانوں کی جماعت اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلافت راشدہ کے قیام کے وعدہ پر ایمان رکھتی ہو۔

دوم۔ یہ کہ خلافت حقہ کی منشاء کے مطابق اعمال صالحہ پر کاربند ہو۔

سوم۔ یہ کہ توحید کے قیام کے لئے ہر قسم کی قربانیاں دینے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور چہارم، یہ کہ ہر حال میں خلیفہ وقت کی اطاعت کو مقدم رکھتی ہو۔

چنانچہ تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ جب تک امت مسلمہ ان چار ذمہ داریوں کو ادا کرتی رہی اور ان شرائط کو پورا کرتی رہی، جو خلافت کے قیام کے لئے ضروری ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو خلافت راشدہ کے انعام سے سرفراز فرماتا رہا ہے۔ لیکن جب یہ شرائط مفقود ہو گئیں اور مسلمانوں میں اختلاف اور انتشار پھیل گیا اور اعمال صالحہ سے دوری اور اطاعت وفرمانبرداری کی روح ختم ہو گئی تو یہ انعام چھین لیا گیا اور ظالم حکمرانوں کا لمبا دور شروع ہو گیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس زمانہ میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے روحانی فرزند جلیل، حضرت مرزا غلام احمد، مسیح موعود علیہ السلام، کی بعثت کے ذریعے امت محمدیہ میں پھر ایک ایسی پاک جماعت کا قیام عمل میں آیا جو سورہ نور میں بیان فرمودہ چار شرائط سے آراستہ ہو گئی، جس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ میں خلافت راشدہ کا سلسلہ شروع ہوا۔

جماعت احمدیہ میں نظام خلافت کے متعلق پیشگوئی

اسی طرح نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث میں بھی خلافت راشدہ کا ذکر ملتا ہے۔ اس حدیث میں آپ ﷺ نے اپنی امت میں خلافت راشدہ کے قیام اور اس کے بعد آنے والی بادشاہتوں کا ذکر کرنے کے بعد دوبارہ ''خلافت علیٰ منہاج نبوت،، کے قیام کا بھی وعدہ فرمایا ہے، جو کہ قیامت تک، انشاء اللہ، جاری رہے گا۔ چنانچہ آپ ﷺ کی وہ حدیث پیش کی جاتی ہے: حدیث:

عَنْ حُذَیْفَۃَ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَکُوْنُ النُّبُوَّۃُ فِیْکُمْ مَا شَآءَ اللہُ اَنْ تَکُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُھَا اللہُ تَعَالٰی ثُمَّ تَکُوْنُ خِلَافَۃٌ عَلٰی مِنْھَاجِ النُّبُوَّۃِ مَا شَآءَ اللہُ اَنْ تَکُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُھَا اللہُ تَعَالٰی ثُمَّ تَکُوْنُ مُلْکًا عَاضًّا فَتَکُوْنُ مَا شَآءَ اللہُ اَنْ تَکُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُھَا اللہُ تَعَالٰی ثُمَّ تَکُوْنُ مُلْکًا جَبْرِیَّۃً فَیَکُوْنُ مَا شَآءَ اللہُ اَنْ یَکُوْنَ ثُمَّ یَرْفَعُھَا اللہُ تَعَالٰی ثُمَّ تَکُوْنُ خِلَافَۃٌ عَلٰی مِنْھَاجِ النُّبُوَّۃِ ثُمَّ سَکَتَ۔ (مسند احمد بن حنبل جلد 4 صفحہ 273۔ مشکٰوۃ بَابُ الْاِنْذَارِ وَالتَّحْذِیْرِ)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں نبوت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا پھر وہ اس کو اٹھا لے گا اور خلافت عَلٰی مِنْھَاجِ النُّبُوَّۃِ قائم ہو گی، پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس نعمت کو بھی اٹھا لے گا، پھر ایذا رساں بادشاہت قائم ہو گی اور تب تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا۔ جب یہ دور ختم ہو گا تو اس سے بھی بڑھ کر جابر بادشاہت قائم ہو گی اور تب تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا پھر وہ ظلم ستم کے اس دور کو ختم کر دے گا جس کے بعد پھر نبوت کے طریق پر خلافت قائم ہو گی! یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ چنانچہ تاریخ اسلام اس بات پر بھی شاہد ہے کہ امت مسلمہ میں بعینہٖ اسی طرح ظہور میں آیا۔ آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کا سنہری دور شروع ہوا جو تقریباً تیس سال تک جاری رہا۔ اس دور میں مسلمانوں کو جتنی فتوحات حاصل ہوئیں وہ بعد کے بادشاہوں کے دور میں نہ ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس زمانہ میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ ﷺ کے روحانی فرزند جلیل، حضرت مرزا غلام احمد مسیح موعود علیہ السلام، کی بعثت کے ذریعے امت محمدیہ میں پھر ایک ایسی پاک جماعت کا قیام عمل میں آیا، جس کے نتیجہ میں جماعت احمدیہ میں خلافت راشدہ کا سلسلہ شروع ہوا۔

خلفاء کے تقرر اور مقام کے متعلق اسلامی تعلیم

خلفاء کے تقرر اور ان کے مقام کے متعلق اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ 'خلافت' کا منصب کسی صورت میں بھی ورثہ میں نہیں آ سکتا، بلکہ یہ ایک مقدس امانت ہے جو مومنوں کے انتخاب کے ذریعہ جماعت کے قابل ترین شخص کے سپرد کی جاتی ہے۔ اور

چونکہ نبی کی جانشینی کا مقام ایک نہایت نازک اور اہم روحانی مقام ہے اس لئے اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ گو بظاہر خلیفہ کا انتخاب لوگوں کی رائے سے ہوتا ہے مگر اس معاملہ میں خدا تعالیٰ خود نگرانی فرماتا ہے اور اپنے تصرف خاص سے لوگوں کی رائے کو ایسے راستہ پر ڈال دیتا ہے جو اس کے منشاء کے مطابق ہو۔ اس طرح گو بظاہر خلیفہ کا تقرر انتخاب کے ذریعہ عمل میں آتا ہے مگر دراصل اس انتخاب میں خدا تعالیٰ کی مخفی تقدیر کام کرتی ہے اور اسی لئے خدا نے خلفاء کے تقرر کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ خلیفہ ہم خود بناتے ہیں۔ یہ ایک نہایت لطیف روحانی انتظام ہے۔ پھر جب ایک شخص خدائی تقدیر کے ماتحت خلیفہ منتخب ہو جاتا ہے تو اس کے متعلق اسلام کا حکم یہ ہے کہ تمام مومن اس کی پوری پوری اطاعت کریں۔ جماعت احمدیہ میں یہ ’’نظام خلافت،، اسی سابقہ خلافت راشدہ کا تسلسل ہے جو آج سے چودہ سو برس قبل سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے بعد منہاج نبوت پر قائم ہوا تھا۔ اس بارے میں مخبر صادق، حضرت اقدس محمد ﷺ، نے بھی پیشگوئی فرمائی تھی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے وصال سے کچھ عرصہ قبل اس نعمت خلافت کی بشارت دیتے ہوئے جماعت کو ان الفاظ میں تسلی دلائی تھی کہ:

’’سو اے عزیزو! جبکہ قدیم سے سنت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا وے سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی، غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں، کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور دوسری قدرت آ نہیں سکتی جب تک میں نہ جاؤں۔ لیکن میں جب جاؤں گا تو پھر خدا اس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی۔ میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہونگے۔ سو تم خدا کی قدرت ثانی کے انتظار میں اکٹھے ہو کر دعا کرتے رہو اور چاہیے کہ ہر ایک صالحین کی جماعت ہر ایک ملک میں اکٹھے ہو کر دعا میں لگے رہیں تا دوسری قدرت آسمان سے نازل ہو اور تمہیں دکھا دے کہ تمہارا خدا ایسا قادر خدا ہے،،

(روحانی خزائن، جلد 20، رسالہ الوصیت صفحہ 305۔306)

26 مئی 1908ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ہوئی اور 27 مئی کو جماعت احمدیہ میں ’’خلافت،، کا قیام عمل میں آیا اور تمام اراکین جماعت نے حضرت الحاج حکیم مولوی نورالدین صاحب ؓ کو خلیفۃ المسیح الاول تسلیم کیا اور آپ کی بیعت کی۔ جو شخص بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہوتا ہے اسے خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ خدا نے اسے بیعت کرنے کی توفیق دی۔ حضرت مسیح موعودؑ کی وفات پر حضرت خلیفۃ المسیح الاول ؓ کی بیعت ویسے ہی تھی جیسے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی بیعت کی تھی۔

خلافت کی اقسام

اب میں آپ کے سامنے خلافت حقہ اسلامیہ کو سمجھنے کے لئے خلافت کی مختلف اقسام کے بارہ میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ ’’خلافت،، کئی قسم کی ہوتی ہے، یہاں پر ان میں سے بعض مشہور اقسام کا ذکر کیا جاتا ہے۔

1۔ خلافت نبوت: پہلی قسم ’’خلافت نبوت،، ہے، جیسے حضرت آدمؑ اور حضرت داؤدؑ کی خلافت تھی، جن کو قرآن کریم نے خلیفہ قرار دیا ہے۔ جیسے فرمایا: وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ترجمہ: اور (یاد کرو) جب تیرے رب نے فرشتوں سے کہا کہ یقیناً میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں۔ مگر ان کو خلیفہ صرف نبی اور مامور ہونے کے معنوں میں کہا گیا ہے، چونکہ وہ اپنے اپنے زمانہ کی ضرورت کے مطابق صفات الٰہیہ کو دنیا میں ظاہر کرتے تھے اور اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کے ظل بن کر ظاہر ہوئے اسی لئے وہ اللہ تعالیٰ کے خلیفہ کہلائے۔

2۔ خلافت ملوکیت: دوسری قسم کی خلافت، جو قرآن کریم سے ثابت ہے، وہ ’’خلافت ملوکیت، ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ حضرت ہودؑ کے متعلق فرماتا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ فَاذْكُرُوْٓا اٰلَآءَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (اعراف: 70) اور یاد کرو جب اس نے نوح کی قوم کے بعد تمہیں جانشین بنادیا تھا اور تمہیں افزائش نسل کے ذریعہ بہت بڑھایا۔ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو تا کہ تم فلاح پاؤ۔ اسی طرح حضرت ہود علیہ السلام کی زبانی فرماتا ہے وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ (اعراف: 75) اور وہ وقت یاد کرو جب اس نے تم کو عاد کے بعد جانشین بنایا۔ اور اس طرح حکومت تمہارے ہاتھ میں آ گئی۔ اس آیت میں خلفاء کا جو لفظ آیا ہے اس سے صرف دنیوی بادشاہ مراد ہیں اور نعمت سے مراد بھی نعمت حکومت ہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے انہیں نصیحت کی ہے کہ تم زمین میں عدل وانصاف کو مدنظر رکھ کر تمام کام کرو، ورنہ ہم تمہیں سزا دیں گے۔

3۔ خلافت انتظامی

تیسری قسم کی خلافت نبی کے وہ جانشین بھی خلیفہ کہلاتے ہیں جو اس کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں یعنی اس کی شریعت پر قوم کو چلانے والے اور ان میں اتحاد قائم رکھنے والے ہوں خواہ وہ نبی ہوں یا غیر نبی، جیسا کہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام موعود راتوں کے لئے ''طور،، پر گئے تو اپنے بعد انتظام کی غرض سے انہوں نے حضرت ہارونؑ کو کہا کہ اَخْلُفْنِي فِي قَوْمِي وَ اَصلِح وَ لَا تَتَّبِع سَبِيلَ الْمُفْسِدِين۔ (اعراف: 143)

یعنی میری قوم میں میری قائمقامی کر اور اصلاح کر اور مفسدوں کی راہ کی پیروی نہ کر۔ حضرت ہارون علیہ السلام چونکہ خود نبی تھے اور اس وقت سے پہلے نبی ہو چکے تھے اس لئے یہ خلافت جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں دی تھی وہ خلافت نبوت نہیں ہوسکتی تھی۔ اس کے معنے صرف یہ تھے کہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی غیر حاضری میں آپ کی قوم کا انتظام کریں اور قوم کو اتحاد پر قائم رکھیں اور فساد سے بچائیں۔ پس وہ ایک تابع نبی بھی تھے اور ایک حکمران نبی کے خلیفہ بھی تھے۔ اور یہ خلافت ''خلافت نبوت،، نہ تھی بلکہ ''خلافت انتظامی'' تھی۔

4۔ خلافت علیٰ منہاج النبوۃ

چوتھی قسم کی خلافت وہ ہے جو ''خلافت علیٰ منہاج نبوت،، کہلاتی ہے، یعنی نبی کی وفات کے بعد اس کے کاموں کی تکمیل کرنے کے لئے جاری ہوتی ہے۔ یہ وہ خلفاء ہوتے ہیں، جو ان کاموں کی تکمیل کرنے والے اور نبی کی شریعت پر قوم کو چلانے والے اور ان میں اتحاد قائم رکھنے والے ہوں۔ ایسی خلافت شریعت والے نبی کے بعد بھی ہوسکتی ہے، جیسے حضرت نبی کریم ﷺ، جو تشریعی نبی تھے، کے بعد خلافت کا اجراء ہوا اور غیر تشریعی نبی کے بعد بھی ہوسکتی ہے، جیسے آپ کے روحانی فرزند حضرت مسیح موعود علیہ السلام، جو صرف امتی نبی تھے، کے بعد خلافت کا اجرا ہوا اور اس خلافت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ انشاء اللہ قیامت تک قائم رہے گی۔ اب میں نظام خلافت کے متعلق قرآن واحادیث کی روشنی میں اسلامی تعلیم پیش کرنا چاہتا ہوں:

نظام خلافت قرآن واحادیث کی روشنی میں

''نظام خلافت،، قرآن کریم اور احادیث نبوی کے عین مطابق ہے۔ قرآن کریم میں سورہ نور: 56 اس سلسلہ میں کلیدی آیت کریمہ ہے، جس میں خلافت کے اس عظیم انعام کا ذکر کیا گیا ہے، جس کا ذکر اوپر کے صفحات میں کیا جا چکا ہے، بعض دیگر آیات میں بھی خلافت کا ذکر ہے، لیکن ''خلافت علیٰ منہاج نبوت،، کا ذکر اسی آیت کریمہ میں ہے۔ اس آیت کریمہ میں مشروط خلافت کا وعدہ فرمایا گیا ہے جو خدا تعالیٰ کے وعدوں کے مطابق حضرت نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد خلافت راشدہ کی صورت میں، جب تک مسلمان ان شرائط کو پورا کرتے رہے، جاری وساری رہا۔ آپ کے روحانی فرزند حضرت مرزا غلام احمد صاحب مسیح موعود ومہدی علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ سلسلہ، جیسا کہ مقدر تھا، دوبارہ شروع ہوا جس کے قیامت... تک جاری وساری رہنے کے متعلق واضح پیشگوئیاں ہیں۔ اس وقت خدا تعالیٰ کے فضل وکرم سے پانچویں خلیفہ کے طور پر حضرت مرزا مسرور احمد صاحب ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مسند خلافت پر متمکن ہیں اور آپ کی قیادت میں جماعت دن دگنی رات چوگنی ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ نبی کے بعد جاری رہنے والی خلافت کے سلسلے میں علاوہ مذکورہ بالا بنیادی بعض اور احادیث میں بھی اشارات ملتے ہیں اور وہ حسب ذیل ہیں۔

نبوت اور خلافت

حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کا ہاتھ پکڑا اور فرمایا: ''جب بھی کوئی نبوت آئی اس کے بعد خلافت قائم ہوئی ہے،، (مجمع الزوائد، علی بن ابی الھیثمی، جلد ۵، ص ۸۸، دار الکتاب العربی قاہرہ، بیروت 1407ھ) خلیفہ خدا بناتا ہے:

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے مجھے اپنی آخری بیماری کے دوران فرمایا: ''مجھے ڈر ہے کہ کئی خواہش رکھنے والے اٹھ کھڑے ہوں گے اور کہیں گے، میں خلافت کا زیادہ حقدار ہوں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اور مومن ابوبکرؓ کے سوا کسی کو خلیفہ بنانے پر راضی نہیں ہونگے،، (مسلم کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل ابوبکر، حدیث نمبر 4399)

اللہ نے خلیفہ بنایا: حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کی ایک مجلس سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے ابوبکرؓ کو خلیفہ بنایا۔ اللہ کی قسم، نہ میں نے کبھی ان کی نافرمانی کی اور نہ کبھی انہیں دھوکا دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے عمرؓ کو خلیفہ بنایا، خدا کی قسم، نہ میں نے کبھی ان کی حکم عدولی کی، نہ کبھی غلط بیانی کی، پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے خلیفہ بنا دیا۔ کیا میرے تم پر وہی حقوق نہیں جو ان پہلے خلفاء کے مجھ پر تھے،،

(صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب ھجرۃ الحبشۃ، حدیث نمبر 3583)

خدائی خلعت

حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمانؓ سے فرمایا:

''یقیناً اللہ تعالیٰ تجھے ایک قمیص پہنائے گا اور اگر منافقین تجھ سے اس قمیص کے

اُتارنے کا مطالبہ کریں تو اسے ہرگز نہ اُتارنا یہاں تک کہ تم مجھ سے آن ملو۔ یہ بات حضورؐ نے تین دفعہ فرمائی،، (مسند احمد، حدیث نمبر 23427)

خلافت اور مشورہ

حضرت عمرؓ سے روایت ہے۔آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشْوَرَہ کہ خلیفہ (راشد) پر فرض ہے کہ وہ (دینی امور میں) مسلمانوں سے مشورہ کرلیا کریں۔(کنزالعمال، کتاب الخلافت، جلد 5، ص 648، حدیث نمبر 14136) قرآن کریم سے پتہ لگتا ہے کہ مشورہ کرنا تو خلیفہ پر فرض ہے لیکن اس مشورہ کو من وعن قبول کرنا ہرگز فرض نہیں۔خلیفۃ اللہ کی راہنمائی میں جوفیصلہ فرمادیں وہ ماننا سب مسلمانوں پر لازم ہے۔

خلفاء اور مشورہ

حضرت میمونؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کا یہ طریق تھا کہ وہ مختلف معاملات میں حکم جاری کرنے سے پہلے دیکھتے تھے کہ کتاب اللہ میں اس بارہ میں کیا حکم ہے۔اگر اس میں نہ ملتا تو پھر سنت رسول اللہؐ میں تلاش کرتے اور اگر اس میں نہ ملتا تو رؤساء کو جمع کرتے اور ان سے مشورہ کرتے۔ جب وہ کسی معاملہ پر اتفاق کرتے تو اس کے مطابق حکم دیتے تھے۔حضرت عمرؓ کا بھی یہی طریق تھا اور کتاب و سنت کے بعد وہ یہ بھی دیکھتے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کا اس بارہ میں کیا خیال تھا۔اس کے بعد علماء سے مشورہ کرتے تھے۔

(اعلام الموقعین، جلد 1، ص 62، باب لوعید علی القول بالرای ابن قیم جوزی)

خلفائے راشدین کی اطاعت

حضرت عرباض بن ساریہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

عَلَیْکُم بِسُنَّتِي وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ سنت اور خلفائے راشدین جو خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ ہیں، کی سنت کی اطاعت فرض ہے۔اس طریق کو مضبوطی سے تھام لو۔

(سنن ابوداؤد، کتاب السنۃ، باب فی لزوم السنۃ، حدیث نمبر 3991)

ہر خیر خلافت سے وابستہ ہے

حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں جب بعض لوگ آپ کے خلاف فتنوں میں مصروف تھے تو صحابی رسول ﷺ حضرت حنظلہؓ نے کچھ اشعار کہے، جن کا ترجمہ یہ ہے:

’’مجھے تعجب ہے کہ لوگ کن باتوں میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ خلافت جاتی رہے۔ اگر وہ چلی گئی تو لوگ ہر خیر سے محروم ہو جائیں گے اور پھر انتہائی ذلیل ہو جائیں گے۔ وہ یہود اور نصاریٰ کی طرح ہو جائیں گے، جو راہ حق سے بھٹک چکے ہیں،، (تاریخ ابن اثیر جلد 2، ص 173)

ہم خوش قسمت ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم اور نبی کریم ﷺ کی پیشگوئیوں کے عین مطابق جماعت احمدیہ خلافت علیٰ منہاج النبوت کا اجراء فرمایا ہے۔ہمیں وقت کے امام کو ماننے کی توفیق دی ہے، ہماری بقاء اور بہتری اسی میں ہے۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں خلافت کی حقیقت کو سمجھنے اور اس کے ساتھ وابستہ رہنے کی توفیق دے۔

***



ابن کریم

ہم کو مہدی و عیسیٰ عطا ہوگیا — پیارے آقاؐ کا وعدہ وفا ہوگیا
ہرطرف تھا اندھیرا، فضا خوف کی — اُس کا آنا تو معجز نما ہوگیا
کوئی بھی تو نہیں جو فلک پر بسا — بند عقدہ جو تھا برملا ہوگیا
واں جو دیکھا تو رُخ پر عجب نور تھا — اُس کے ہرروپ پر دِل فدا ہوگیا
اُس کو دیکھو ثریا سے وہ جا ملا — سوچ سے دُشمنوں کی وراء ہوگیا
اُس کے شمسِ صداقت کو بھی دیکھ کر — ایک عالم کا عالم خفا ہوگیا
تونے کلمے مٹائے تھے اے اولیئم — بس اُسی دِن سے تو رُوسیاہ ہوگیا
ہم حُسینی علَم ، کو اُٹھا کر چلے — قریہ قریہ یہاں کربلا ہوگیا
اس کی باتیں بھلائی کی ہرسُو گئیں — اُس کا حامی و ناصر خُدا ہوگیا
اُس کے آیا مقابل پہ جوبھی دجل — بس دُعاؤں سے ہی وہ فنا ہوگیا
مسئلہ جب عدو سے نہ حل ہوسکا — تو اُسی دم و ہم سے خفا ہوگیا
اُس نے خلعت خلافت کی جس کو بھی دی — دلبر و دل ستاں دلرُبا ہوگیا
اس کی شاخیں سما تک اُٹھائی گئیں — اب تو شجرہ بہت ہی بڑا ہوگیا
جو بھی عقدہ تھا مشکل یہاں دین کا — اُس کے نورِ بصیرت سے وا ہوگیا
وہ تو ہر سُو معافت لُٹاتا گیا — الحکَم بھی دوبارہ ندا ہوگیا
اہل ربوہ ہیں سجدوں میں گریہ کناں — شورِ محشر یہاں پر بپاہوگیا
عاجزی اور اطاعت سے ہردم حلیم — جو جھکاتا ہے سر باخُدا ہوگیا



میں جنت نہیں جاؤں گا



اصغر علی بھٹی مغربی افریقہ

پاکستان کے سابقہ صدر اور پیپلز پارٹی کے شریک چیئر مین صاحب نے اپنے ایک حالیہ جلسہ میں جناب نواز شریف صاحب کے خلاف تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ میں تو نواز شریف کے ساتھ جنت میں بھی نہیں جاؤں گا۔

جنت وہ اعلیٰ ترین مقام ہے جہاں مومنین اور متقین محض خدا کے فضل سے داخل ہوں گے نہ کہ کسی عمل سے۔حتیٰ کہ اللہ کے رسول نے فرمایا کہ وہ بھی جنت میں محض خدا کے فضل سے داخل ہوں گے۔صحابہ نے حیرت سے سوال کیا کہ آپ بھی؟ فرمایا ہاں میں بھی۔میرے پیارے دیس میں جہاں کے حکمرانوں کی خواہ ذاتی زندگی ہو یا ان کی طرز حکومت ہو ہر لحاظ سے اسلامی اقدار کی نقیض کا چلتا پھرتا نمونہ ہے۔جس دیس میں چھ چھ سات سات سال کی بچیاں ان حکمرانوں کی ناک کے نیچے درندگی کا نشانہ بن رہی ہوں۔مائیں سڑکوں کے کنارے بچے پیدا کر رہی ہوں۔بہنیں بھائیوں کے انصاف کے لئے دھاڑیں مار مار کر رو رہی ہوں۔خوراک،دودھ، پانی حتیٰ کہ زندگی بچانے والی دوائیوں تک میں ملاوٹ ہو رہی ہو۔اس ملک کے حاکم فخریہ اعلان کر رہے ہیں کہ اگر اللہ نے جنت کی فلائیٹ میں فلاں شخص کو بھی ٹکٹ دی تو میں اللہ کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ایسی جنت میں جانے سے انکار کر دوں گا۔گویا جنت بھی منڈی بہاء الدین کا حلقہ انتخاب ہے اگر قمر الزمان کائرہ صاحب کو ٹکٹ دی تو ندیم افضل چن صاحب احتجاج کریں گے۔اسے کیا کہیں؟ مذہبی افلاس کہیں، دین سے مذاق کہیں یا جہالت کی معراج کہیں۔ان صاحب کو کس نے یقین دلا دیا ہے کہ آپ نہ صرف جنت میں جانے کا استحقاق رکھتے ہیں بلکہ جس جنت میں یہ ہونگے اُس میں باقی بندے بھی اپنی مرضی کے لے کر جائیں گے۔جناب زرداری صاحب کا ٹریک ریکارڈ بتاتا ہے کہ جس نے جیل میں آپ کی کوئی بھی خدمت کی، پاؤں دبائے، یا آپ کی بیرک کے باہر کے گملوں کو پانی دیا آپ نے حکومت میں آکر سب کو نوازا۔اسی لئے وہ فرماتے ہیں کہ جب لندن، دوبئی، اور پیرس کے محلوں میں زندگی گزار کر اللہ کے دربار جائیں گے تو وہاں بھی اپنے استحقاق کے مطابق 30 لاکھ کا بیماری کا بل وصول کر لیں گے۔بلکہ اپنی مرضی سے ساکنان جنت کی چھانٹی بھی کروا دیں گے۔اللہ رحم کرے ایسے تحور اور ایسے استحقاق پر۔زردای صاحب جس ڈگر پر چل پڑے ہیں کبھی کسی زمانے میں ہمارے علمائے کرام بھی ایسے اعلانات فرما کر اللہ کو تڑیاں لگایا کرتے تھے جیسے مدیر چٹان جناب آغا شورش کاشمیری صاحب مولانا غلام غوث ہزاروی صاحب سے لڑ پڑے تو آپ کا اعلان بھی یہی تھا کہ اگر یہ مولوی جنت میں جائے گا تو میں ایسی جنت کے بغیر ہی بھلا۔

خیر یہ ہمارے سیاستدان اور مولویان کرام بڑے لوگ ہیں اور بڑے استحقاق کے مالک ہیں مگر پھر بھی جنت میں جانے سے کوئی کیسے انکار کر سکتا ہے میں اپنی چھوٹی سوچ کے ساتھ اسی ادھیڑ بن میں تھا کہ پاس سے گنوں سے بھری ہوئی ٹرالی گزری جس میں لالہ عطاء اللہ عیسیٰ خیلوی صاحب ٹریکٹر کے پھٹے ہوئے سپیکروں کی مدد سے پورے علاقے کو چیخ چیخ کر اطلاعاً ڈھنڈھورا پیٹ رہے تھے کہ

میں چلا شراب خانے یہاں کوئی غم نہیں ہے
جسے دیکھنی ہو جنت میرے ساتھ ساتھ آئے

لالہ گاتے ہوئے اپنے گنوں کی ٹرالی سمیت آگے چلے گئے مگر یہاں مجھے میری چھوٹی سوچ پر شرمندہ کر گئے وہیں ماضی کے بہت سے در بھی کھول گئے اور میرے لئے سمجھنا آسان ہو گیا کہ زرداری صاحب کس جنت میں جانے سے انکاری ہیں۔

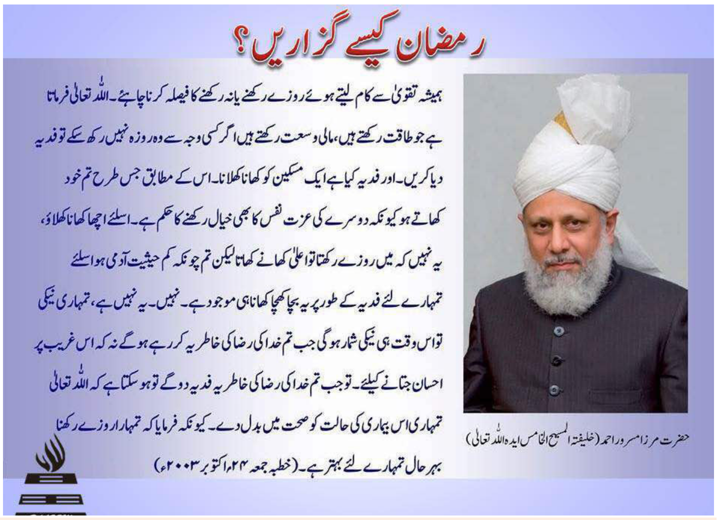
مجھے یاد ہے جن دنوں بینظیر صاحبہ اور نواز شریف صاحب میں حکومت کے حصول کی میوزیکل چیئر کا مقابلہ جاری تھا اُن دنوں ایسی جنتوں کے دروازے کھولنے کا بھی مقابلہ ساتھ کے ساتھ عروج پر تھا اخبار ان دنوں کو یوں رپورٹ کرتا ہے ''سندھ اسمبلی میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے صوبائی وزیر آبکاری اسمعیل راہو نے بتایا ہے کہ سندھ میں اب شراب خانوں کی کل تعداد 109 ہو گئی ہے جن میں سے 55 کراچی ڈویژن، 34 حیدرآباد ڈویژن، 6 سکھر ڈویژن اور 14 لاڑکانہ ڈویژن میں ہیں۔ انہوں نے بتایا کہ موجودہ حکومت نے شراب خانوں کے مزید دس لائسنس جاری کئے ہیں جن میں سے آٹھ کراچی کیلئے ہیں۔مولانا شاہ احمد نورانی نے شاید اس لئے کہا تھا کہ کراچی میں پانی مشکل سے ملتا ہے لیکن شراب آسانی سے دستیاب ہو جاتی ہے۔موجودہ حکومت کے دور میں جس تیزی سے نئے شراب خانے کھل رہے ہیں ان سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ حکومت ملک میں شراب کی نہریں جاری کرنا چاہتی ہے۔پچھلے

دنوں سینیٹر ڈاکٹر جاوید اقبال نے انکشاف کیا تھا کہ اسلام آباد میں جب قومی اسمبلی کا اجلاس شروع ہوتا ہے تو شراب کی قیمتیں تین گنا بڑھ جاتی ہیں جس کا سیدھا سادا مطلب یہ ہے کہ ہمارے اکثر عوامی نمائندے پانی کی جگہ شراب استعمال کرتے ہیں۔معلوم ہوتا ہے کہ مسلم لیگی حکومت اسے ''شرابا طہورا'' سمجھ کر عام کرنا چاہتی ہے۔اسلام زندہ باد!''

ادھر نوائے وقت نے بسنت کے حوالے سے اسلامیان لاہور کے متعلق مزید یوں لکھا'' خدا کا شکر ہے کہ اہل لاہور کو بسنت کے بخار سے نجات ملی۔ہفتہ اتوار کی درمیانی رات کا پورا دن اہل لاہور پر بڑا بھاری گزرا۔امراء کی چھتوں پر جوانیاں ناچتی رہیں۔فلمی اداکار اور سیاستدان مل کر بھنگڑے ڈالتے رہے۔گورنر پنجاب اور چیر مین سینٹ نے بھی بسنتیوں کے ساتھ ملکر تصویریں اتروائیں۔بھارت سے سکھوں سمیت بہت سے مہمان آئے ہوئے تھے۔انہوں نے جی بھر کر بھنگڑا ڈالا۔ان کے علاوہ دوسرے شہروں سے بھی بہت سے لوگ بسنت منانے کے لیے لاہور کے ہوٹلوں میں مقیم تھے۔شہر میں پانی نایاب لیکن شراب کھلے عام دستیاب تھی۔ہمارے ٹی وی نے قومی تہوار قرار دیکر بسنت کو عید سے زیادہ اہمیت دیدی۔سارا دن تڑ تڑ گولیاں چلتی رہیں۔لیکن شام کے وقت تو وہ گولی چلی کہ الامان۔یہ بسنت کو الوداع کرنے کا وقت تھا۔یہ اس قوم کا حال ہے کہ جس کا بال بال قرضے میں جکڑا ہوا ہے۔اگر حساب لگایا جائے تو اربوں روپے شراب اور ڈور پر خرچ ہو گئے ہوں گے''۔(نوائے وقت 24 فروری 1998ء سرا ہے)

محترمہ کی پہلی حکومت کے متعلق بھی روزنامہ خبریں کسی ایسی ہی جنت کے بارے میں شاقی نظر آتا تھا چنانچہ 15 مئی 1995 کی اشاعت خاص میں لکھتا ہے

''قومی اخبارات میں گزشتہ دنوں یہ افسوسناک خبر شائع ہوئی کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی وزیر اعظم محترمہ بینظیر بھٹو نے صرف ایک شہر کراچی میں بیک جنبش قلم شراب کی 70 دکانوں کو اجازت نامے عطا کرنے کے علاوہ ایک شراب کی فیکٹری کا لائسنس بھی منظور فرمایا ہے۔ابھی اس حکم کی سیاہی بھی خشک نہیں ہوئی تھی اور اگلے روز کے اخبارات میں مختلف رہنماؤں کا ردعمل شائع ہوا۔اسی روز وزیر اعظم صاحبہ کا یہ فرمان بھی نظر سے گزرا کہ فائیو سٹار اور فور سٹار ہوٹلوں کو شراب کے لائسنس جاری کئے گئے ہیں۔کراچی میں دیئے گئے شراب خانوں کے لائسنس کے جواز میں اس دلیل کا سہارا لیا گیا تھا کہ عیسائیوں اور غیر مسلموں کے روپ میں شراب کے پرمٹوں سے دراصل مسلمان فائدہ اٹھاتے تھے۔یعنی بالفاظ دیگر جو لوگ چوری چھپے یا غیر مسلم بن کر غیر قانونی طور پر شراب کے پرمٹوں پر دختر انگور سے شوق فرماتے تھے،اب انہیں قانون کے دائرے میں حصول شراب کی کھلی چھٹی دیدی گئ



ہے۔جہاں تک شراب نوشی اور اس کی خرید وفروخت کا تعلق ہے۔اس معاملے میں دو رائیں نہیں ہوسکتیں۔اللہ تعالیٰ نے چودہ سو سال پہلے اسے حرام قرار دیا۔قرآن حکیم میں اسے ام الخبائث کہا گیا ہے،اس لحاظ سے شراب کے استعمال کے علاوہ اس کی خرید وفروخت بھی ممنوع اور حرام قرار پائی لیکن وزیر اعظم صاحبہ نے اللہ اور اس کے رسول مقبولؐ کے احکامات کی سراسر نفی کرتے ہوئے شراب کی فروخت کے اجازت نامے اور لائسنس جاری کردیئے ہیں۔میں یہ کہنے میں کوئی باک محسوس نہیں کرتا کہ وزیر اعظم بینظیر نے اپنے اعلانات کے ذریعے نہ صرف اسلام کی توہین کی ہے،اسلامی اقدار کی توہین کی ہے بلکہ بارہ کروڑ مسلمانوں کی توہین کی ہے اور سچ پوچھیں تو یہ اعلان اسلام کے نام پر حاصل کردہ ملک پاکستان کو شرابیوں اور بدقماش لوگوں کا ملک بنانے کے مترادف ہے۔یہ امریکہ کے''نیو ورلڈ آرڈر'' کا ایک حصہ ہے جس کے تحت شراب نوشی ، بے حیائی اور فحاشی کو فروغ دینے کی خفیہ اور کھلے عام کوششیں کی جارہی ہے۔ان مذموم مساعی کا ایک نمونہ قاہرہ کی نام نہاد بہبود آبادی کانفرنس بھی تھی جس میں محترمہ نے سیاسی ودینی جماعتوں اور تنظیموں کی تمام تر مخالفت کے باوجود شرکت کی تھی۔اب انہوں نے شراب کی دکانوں اور ہوٹلوں میں فروخت کیلئے اجازت نامے اور فیکٹری کیلئے لائسنس کے اجرا کے ذریعے مہر تصدیق ثبت کردی ہے...یہ کہنا غلط نہیں ہوگا کہ محترمہ کے حالیہ اعلانات کے تحت شراب خانوں کو عام اور حصول کو ہر فرد کیلئے ممکن بنانے کے بعد حدود آرڈیننس اور اس میں تجویز کردہ سزائیں اور متعلقہ عدالتیں بھی ایک مذاق بن کررہ جائیں گی۔(خبریں اسلام آباد 15 مئی 1995 اشاعت خاص)اللہ محترمہ بینظیر بھٹو صاحبہ کو غریق رحمت کرے ان کی تمام لغزشیں معاف کرے اور انکو اصلی والی جنت میں جگہہ دے باقی رہے جناب زرداری صاحب تو یہ تو وہ خود ہی بتا سکتے ہیں کہ وہ لالہ عیسیٰ خیلوی والی جنت کے انکاری ہیں یا اس جنت الفردوس کے جو مرنے کے بعد محض خدا کے فضل سے حاصل ہوگی؟؟؟

بدلتا ہے رنگ آسمان کیسے کیسے



اصغر علی بھٹی۔مغربی افریقہ

22 سال کے بعد 28 مارچ کی سہ پہر جناب عظمیٰ گل صاحبہ صاحبزادی جناب جنرل حمید گل صاحب مرحوم سابق ڈی جی آئی ایس آئی ایک مرتبہ پھر تھانے میں درخواست دینے آئی تھیں۔لیکن اب کی بار زمانے کے بدلے ہوئے تیور نے ان کو ماضی کا بہت کچھ یاد دلا دیا۔یہ اُس کی بات ہے جب جنرل حمید گل صاحب ابھی بقید حیات تھے۔24 اکتوبر 1996 کی شام جناب عظمیٰ گل صاحبہ کی صاحبزادی اپنے سکول فرابلز انٹرنیشنل اسلام آباد سے واپس آتی ہے اور اپنی امی کو بتاتی ہے کہ اُن کو سکول میں اسلامیات کے نام پر کچھ عجیب وغریب اشیاء پڑھائی جا رہی ہیں مثلاً

1۔زمین وآسمان خدائے واحد نے نہیں بلکہ تین خداؤں زیم، می نبیر، اور نکوانے نے بنایا۔

2۔نبی کریم ﷺ نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ کی بطن مادر کے اندر کی تصویر کشی۔

3۔اللہ کے تخت کے چار پایوں کو چار درندوں نے سہارا دیا ہوا ہے۔

4۔''خدا کے خلاف بغاوت'' کے تحت ذکر ہے کہ زیم۔می نبیر اور نکوانامی خداؤں نے اپنے جیسی مخلوق انسان بنائی اور پہلے انسان کا نام ''فیم'' رکھا۔اس کو عقل اور حسن دیا مگر یہ فیم دیگر جانوروں سے خوبصورت ہونے کی وجہ تکبر کرنے لگا اور خدا سے بغاوت کے نغمے الاپنے لگا۔خدا نے غضب ناک ہوکر پوری دنیا پھونک ڈالی لیکن چونکہ تخلیق کرتے وقت وہ کہہ چکا تھا کہ تم کبھی نہیں مروگے اس لیے یہ پہلا انسان جل جانے کے باوجود زندہ ہے۔

5۔خدا نے زمین پر نگا ڈالی اور اسے خاکستر دیکھ کر شرمندہ ہوا اور درخت اگا دیئے۔

6۔''روشنی اور روحیں'' نامی باب میں حضرت جبرائیل اور اسرافیل اور عزرائیل کی تصاویر کشی۔اور بہت کچھ خرافات استغفر اللہ من الخرافات کلھا۔

(مگر فرابلز انٹرنیشنل سکول میں پڑھائی جانے والی اسلامیات کی کتاب کی مکمل تفصیلی رپورٹ ہفت روزہ تکبیر 14 نومبر 1996ء میں زیر عنوان ''افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی'' صفحہ 8 تا 11 اور اسی شمارے میں زیر عنوان ''کفر کی تعلیم اور توہین رسالت'' 16 تا 19 ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

عظمیٰ گل صاحبہ یہ سب سن کر بہت حیران ہوتی ہیں اور فوراً تھانہ کوہسار اسلام آباد میں مقدمہ درج کروانے پہنچ جاتی ہیں۔تھانے دار صاحب کے سامنے پاکستان کے پاورفل جنرل کی بیٹی بیٹھی تھی مگر وہ جن کے خلاف 295اے اور 295 سی کا مقدمہ درج کرنے کی ضد کر رہی تھیں وہ فرابلز انٹرنیشنل ایف سیون ٹو اسلام آباد کے مالک جناب سعد خان صاحب کی ذات گرامی تھی۔ممدوح محترمہ صبیحہ ضمیر صاحبہ اور ایڈمرل ضمیر صاحب کے فرزند ارجمند اور جناب ڈاکٹر عبدالقدیر خان صاحب کے داماد گرامی تھے۔یاد رہے یہ وہی سکول ہے جس میں کسی زمانے میں بلاول زرداری بھٹو صاحب بھی پڑھا کرتے تھے۔نتیجۃً تھانے دار صاحب اپنے حوصلے اور عہدے کے مطابق ترلہ ہی کر سکتے تھے سو وہ ترلے اور منت سماجت کر کے مہلت مانگتے رہے مگر رپورٹ درج کرنے سے ٹال گئے۔اگلے دن کی صبح نے ایک عجیب نظارہ دیکھا۔جماعت اسلامی سے متعلق 80 کے قریب وکلاء نے بار ایسوایشن میں ایک قرارداد پاس کی اور کمشنر اسلام آباد کے دفتر کا گھیراؤ کر لیا اور پورا اسلام آباد کفر و اسلام کے نعروں سے گونجنے لگا۔کمشنر صاحب نے ڈی سی صاحب اور ایس ایس پی اسلام آباد جناب کیپٹن جمیل صاحب کو بلوایا اور عظمیٰ گل صاحبہ کا مئوقف سنا اور اسکے بعد ایف آئی آر کاٹنے کا عندیہ دے دیا۔چنانچہ اسی روز سوا گیارہ بجے 295 اے اور 295 سی کے تحت جناب سعد خان صاحب کے خلاف مقدمہ درج کر لیا گیا۔

یہ بات آج مجھے اس لئے یاد آئی جب میں نے جناب جاوید چوہدری صاحب کا کالم زیر عنوان ''افغانوں کا بے گناہ لہو بول رہا ہے'' پڑھا۔آپ نے لکھا ہے کہ عظمیٰ گل صاحبہ نے اُن کو فون کر کے اپنے بھائیوں کے خلاف اپنی دکھ بھری بپتا سنائی ہے۔اس سے قبل 28 مارچ 2018 کو اُنہوں نے تھانہ ائیرپورٹ میں اپنے بھائی عبداللہ گل کے خلاف باقاعدہ درخواست دی ہے۔اُن کا کہنا تھا کہ عبداللہ گل نے جائیداد پر قبضہ کر لیا ہے۔یہ والدہ اور میرا حصہ دینے کے لئے تیار نہیں۔یہ ماں اور بہن کے ساتھ بدکلامی بھی کرتا ہے اور دھمکیاں دیتا ہے۔عظمیٰ گل صاحبہ نے مجھے فون کر کے بتایا کہ جنرل صاحب کے بیٹے عبداللہ اور عمر والد کی پنشن تک کھا جاتے ہیں والدہ علیل ہیں۔ان کی حالت بہت خراب ہے۔عمر گل اسٹیریلیا میں جا بیٹھا ہے۔عبداللہ گل والد کے ساتھ بھی گستاخی اور بدتمیزی کرتا تھا اور والدان بدتمیزیوں کی وجہ سے دنیا سے رخصت ہو گئے۔'' بھائی اس کے الٹ بیان کر رہے ہیں کہ بہن زیادتی کر رہی ہے اور بھائیوں کی جائیداد ہتھیانا چاہ رہی ہے۔دونوں میں سے کون درست

رمضان کیسے گزاریں؟


حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانیؓ

يٰاَيُّهَاالَّذِيْنَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ یہ آیت خداتعالیٰ نے روزوں کے ساتھ بیان کی ہے جس سے پتہ لگتا ہے کہ اس کا روزوں سے بہت گہرا تعلق ہے۔اور اس کے روزوں کے ساتھ بیان کرنے کی وجہ یہی ہے کہ جس طرح مظلوم کی ساری توجہ محدود ہو کر ایک ہی طرف یعنی خداتعالیٰ کی طرف لگ جاتی ہے اسی طرح ماہ رمضان میں مسلمانوں کی توجہ خداتعالیٰ کی طرف ہو جاتی ہے۔اور قاعدہ ہے کہ جب کوئی پھیلی ہوئی چیز محدود ہو جائے تو اس کا زور بہت بڑھ جاتا ہے جیسے دریا کا پاٹ جہاں تنگ ہوتا ہے وہاں پانی کا بڑا زور ہوتا ہے۔اسی طرح رمضان کے مہینہ میں وہ اسباب پیدا ہو جاتے ہیں جو دعا کی قبولیت کا باعث بن جاتے ہیں۔اس مہینہ میں مسلمانوں میں ایک بہت بڑی جماعت ایسی ہوتی ہے جو راتوں کو اٹھ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتی ہے۔پھر سحری کے لئے سب کو اٹھنا پڑتا ہے اور اس طرح ہر ایک کو کچھ نہ کچھ عبادت کا موقعہ مل جاتا ہے۔اس وقت لاکھوں انسانوں کی دعائیں جب خداتعالیٰ کے حضور پہنچتی ہیں تو خداتعالیٰ ان کو رد نہیں کرتا بلکہ انہیں قبول فرماتا ہے۔اُس وقت مومنوں کی جماعت ایک کرب کی حالت میں ہوتی ہے۔پھر کس طرح ممکن ہے کہ ان کی دعا قبول نہ ہو۔درد اور کرب کی حالت کی دعا ضرور سنی جاتی ہے۔جیسے یونس کی قوم کی حالت کو دیکھ کر خداتعالیٰ نے ان کو بخش دیا اور ان سے عذاب ٹل گیا۔اس کی وجہ یہی تھی کہ وہ سب اکٹھے ہو کر خداتعالیٰ کے حضور جھک گئے تھے۔ (تفسیر کبیر از حضرت مصلح موعودؓ تفسیر سورۃ البقرہ زیر آیت ۱۸۷)

ہے یہ تو اللہ بہتر جانتا ہے۔اللہ تعالیٰ کسی دشمن کو بھی ایسا دن نہ دکھائے کہ باپ بیٹوں کی گالیوں کے زخم جھیلتا اس دنیا سے رخصت ہو۔اور ماں دکھوں اور بیماریوں سے چور یہ نظارہ دیکھنے کے بعد بھی زندہ ہو۔جس بات نے مجھے یہ تحریر لکھنے پر مجبور کیا وہ ہے زمانے کے بدلتے رنگ اور چڑھتے سورج کو سلامی اور جانے والوں سے رشتہ توڑنے کی جلدی۔اگر جنرل صاحب زندہ ہوتے تو عظمیٰ گل صاحبہ کو کسی کالم نگار کو فون کر کے اپنی بپتا نہ سنانا پڑتی۔ جماعت اسلامی کے کرتا دھرتا یہ مسئلہ حل کرنے کے لئے ایک سے ایک آگے بڑھ کر اپنی خدمات پیش کر رہے ہوتے۔

مگر افسوس اب جنرل صاحب نہیں رہے وہ جنرل صاحب جن کی جماعت اسلامی کے لئے بے تحاشا خدمات ہیں تو ان کی اولاد کی جوتیوں میں بٹتی دال کو کوئی سنبھالنے والا نہیں۔ آج سے چند دن قبل چوہدری شجاعت صاحب کی کتاب کی تقریب رونمائی میں تقریر کرتے ہوئے جناب شیخ رشید صاحب نے بھی ایک ایسا ہی انکشاف کیا تھا یعنی صحافت کے بڑے نام اور جماعت اسلامی کا چٹان کے صفحات پر سال ہا سال کیس لڑنے والے جناب آغا شورش کاشمیری صاحب بھی دوائی کے پیسے نہ ہونے پر بیماری سے فوت ہو گئے۔ بعد میں ان کی اولاد کے بارے میں بڑی دردناک خبریں اخبارات کی زینت بنتی رہیں۔شائد جماعت اسلامی کی ایسی ہی تاریخ کی بناء پر جناب مودودی صاحب اور قاضی حسین احمد صاحب نے اپنے کچھ بچوں کو اپنی زندگی میں ہی امریکہ میں سیٹل کر لیا تھا۔ جناب مودودی صاحب تو اپنی زندگی کی ڈور جھولتے دیکھ کر فوراً امریکہ نکل لئے اور آخری دن وہیں بتائے اور وہیں پر وفات پائی۔قاضی حسین احمد صاحب نے بھی ساری دنیا کے بچوں کو افغانستان کی جنگ میں جھونک دیا اور اپنے بچوں کو ولائیت کی یونیورسٹیوں میں۔لیکن تاریخ کا یہ ایک انمٹ سبق ہے کہ تاریخ کسی کو معاف نہیں کرتی اور بددعا کبھی پیچھا نہیں چھوڑتی چاہے ہاورڈ یونیورسٹی سے بچوں کو پڑھالیں یا آسٹریلیا میں چھپالیں۔

***

رمضان کیسے گزاریں؟


حضرت حافظ مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالثؒ

اللہ تعالیٰ کا ایک مومن بندہ رمضان کے مہینے میں جنونی شکاری کی طرح بھوک اور پیاس اور دوسری تکالیف کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے جس مطلوب کی تلاش میں نکلتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ اس رحمت کی بارش کے بغیر میرے دل کی جلن دور نہیں ہو سکتی مرے اندر جو آگ لگی ہوئی ہے وہ بجھ نہیں سکتی جب تک کہ مجھ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی بارش نازل نہ ہو پس یہ تمام مفہوم لفظ رمضان کے اندر ہی پایا جاتا ہے۔پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ ایک ایسا مہینہ ہے کہ میرے بندوں کو چاہئے کہ وہ راتوں کے تیروں (دعاؤں) کو تیز کریں اور جنونی شکاری کے جنوں سے بھی زیادہ جنوں رکھتے ہوئے میری رحمت کی تلاش میں نکل پڑیں تب میری رحمت کی تسکین بخش بارش ان پر نازل ہو گی اور میرے قرب کی راہیں ان پر کھولی جائیں گی۔

خطبہ جمعہ ۲۴ دسمبر ۱۹۶۵ء))



محترم حضرت عثمان چینی صاحب کی وفات برحق پر



آدم چغتائی

خاک میں مضمر ہے یارو ایک ایسی کائنات
دفن ہیں عثماںؒ صفت چینی ضمیرِ باصفات
حُرمتِ قدسی میں جھکتے ہیں سبھی مہرو قمر
عملِ صالح نے ہے بخشا تقوے کو کیسا ثبات
نغمہ گر ہیں راستوں میں سُنبل و لالہ و گلاب
اور ملائک عرش سے لائے ہیں جنت کی سوغات
وقتِ رُخصت ذکرِ باری تھا زباں پہ یوں رواں
جیسے بچہ یاد کرتا ہو کوئی اُلفت کی بات
کب اماں ملتی ہے بحرِ زیست کے آلام سے
موت بھی تو زندگانی کی ہے دُزدیدہ حیات
گھٹ کے رہ جائے گا غم بھی آستینِ صبر میں
صبر کی تلقین کرتی ہیں سطورِ بینات
اُن کے سارے ہمنواؤں کو عطا کر سچا عشق
انکساری میں گزاریں وہ سبھی اپنی حیات
گریۂ غم یوں ہوا جاری زباں کی نوک پر
یادِ مولیٰ اور دُعاؤں میں کٹی آدمؔ کی رات

میاں عبدالواسع آدم چغتائی برمنگھم
پسر حکیم محمد حسینؓ مرہم عیسیٰ

ہمیں فُرصت نہیں ملتی

ارشاد عرشی ملک

خُدا سے دل لگانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
اُسی اِک در پہ جانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
یہ دل اللہ کا گھر تھا، مگر اب غیر بستے ہیں
وہ آتا ہے، بُلانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
مہد سے تا لحد،دُنیا ہے،اس کے تانے بانے ہیں
خُدا سے تانے بانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
نبھاتے ہیں زمانے میں تعلق داریاں پیہم
مگر رب سے نبھانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
مِلے رہتے ہیں موبائل پہ دل کے تار غیروں سے
خُدا سے دل ملانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
جہاں پر آنسوؤں کا مول ہیروں سے بھی بڑھ کر ہے
وہاں آنسو بہانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
زمانے کی رضا ہر حال میں مطلوب ہے ہم کو
رضا اُس کی کمانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
خُدا کو بھول کر ہر در پہ ہم فریاد کرتے ہیں
وہ سُنتا ہے سُنانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
دُکھاتے ہیں دلوں کو،کر کے کاری وار لفظوں کے
مگر مرہم لگانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
نہ خود کو خاک کرتے ہیں، نہ ملتا ہے خُدا ہم کو
یہ نُسخہ آزمانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
حیاتِ اُخروی کے واسطے لازم ہے جو کھانا
اُسی اِک آب و دانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
جہاں جُھکتے سروں پر رفعتیں بھی ناز کرتی ہیں
وہیں پر سر جھکانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی
جہاں سے لوٹ کر عرشیؔ کوئی خالی نہیں آتا
اُسی اِک در پہ جانے کی ہمیں فُرصت نہیں ملتی

رمضان کیسے گزاریں؟



حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابعؒ

اپنی اگلی نسلوں کی تربیت کی کوشش کریں۔ان کو بار بار یہ بتائیں کہ عبادت کے بغیر تمہاری زندگی بالکل بے معنی اور بے حقیقت بلکہ باطل ہے۔ایک ایسی چیز ہے جو خدا تعالیٰ کے ہاں کسی شمار میں نہیں آئے گی۔اس لئے جانوروں کی طرح یہیں مر کر مٹی ہو جاؤ گے۔مگر فرق صرف یہ ہے کہ جانور تو مر کر نجات پا جاتے ہیں تم مرنے کے بعد جزا سزا کے میدان میں حاضر کئے جاؤ گے۔پس یہ شعور ہے جسے ہمیں اگلی نسلوں میں پیدا کرنا ہے اور رمضانِ مبارک میں ایک بہت اچھا موقع ہے کیونکہ فضا سازگار ہو جاتی ہے۔

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۷ جنوری ۱۹۹۷ء)

مولوی



عاصی صحرائی

پگڑی اچھا لنے سے بھی کرتا نہیں گریز
آداب زندگی بھی سکھاتا ہے مولوی
سجدوں کا ہے جبیں پہ نشاں دل مگر سیاہ
ڈرتا نہیں خدا سے ڈراتا ہے مولوی
روشن چراغ کرتا ہے اندھوں کے سامنے
اہل نظر سے آنکھ چراتا ہے مولوی
کرتا ہے دین فروخت فتاویٰ کی شکل میں
انسانیت کا منہ بھی چڑاتا ہے مولوی
واعظ کی شکل میں کبھی ناصح کے روپ میں
دیوار بن کے راہ میں آتا ہے مولوی
ٹھیکہ لیا ہے دین کی تبلیغ کا مگر
ابلیسیت کے کام کراتا ہے مولوی
چربی چڑھی ہے دیکھیئے گردن پہ تہہ بہ تہہ
ملت کے غم میں پھولتا جاتا ہے مولوی
بارہ وفات ہو کہ محرم کا چاند ہو
سیزن میں دام اپنے بڑھاتا ہے مولوی
عاصیؔ خدا گواہ بساط حیات پر
دست اجل کی شکل میں آتا ہے مولوی



ازروئے حدیث اُمت میں نبوت جاری ہے

(ختمِ نبوّت کے موضوع پر کتاب کا ساتواں باب)

جمیل احمد بٹ

آیات قرآنیہ کی متابعت میں آنحضرت ﷺ کے بہت سے ارشادات حتمی طور پر نبوت کو جاری رکھتے ہیں۔ احادیث مبارکہ میں یہ مضمون کئی بار اور کئی طرح بیان ہوا ہے۔ زمانی طور پر آخری ہونے کے بجائے بعض احادیث میں کسی بھی نبی کے ظہور سے پہلے آپ ﷺ کا خاتم النبیین ہونا بیان ہوا ہے اور بعض میں اس مقام کا مدح اور افضل نبیّین کے معنوں میں ہونے کا اظہار ہے۔

پھر بہت ساری احادیث میں اُمت میں تجدید دین کے عمل کے جاری رہنے، علمائے حق کے انبیاء بنی اسرائیل کے مانند ہونے، مبشرات کے جو نبوت کا بنیادی حصہ ہیں باقی رہنے اور آپ ﷺ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نبی بن سکنے کے امکان کا ذکر ہے۔ پھر ان پر مستزاد واضح طور پر ایک نبی اللہ کی آمد کی پیش خبری، اس موعود سے پہلے کسی نبی کے نہ آنے کی خبر اور بمطابق میثاق نبیّین امام مہدی کی بیعت اور مدد کرنے کا حکم بھی موجود ہے اور یہ وضاحت بھی کہ یہ موعود امت میں سے ہوگا یعنی امتی نبی۔ غرضیکہ یہ سب مضامین احادیث میں بیان شدہ ہیں۔ اس باب کا موضوع انہی کا دہرانا ہے۔

ا۔ مقامِ مدح اور افضل نبیّین

آنحضرت ﷺ نے مقام خاتم النبیین کے حوالے سے جو ارشادات فرمائے ہیں ان سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اس مقام سے مراد آپ ﷺ کا افضل نبیّین ہونا ہے اور اس کا زمانہ کے لحاظ سے آخری ہونے سے کوئی تعلق نہیں۔ ایسے چند ارشادات درج ذیل ہیں:

i۔ تمام نبیوں پر فضیلت: آپ ﷺ نے اپنے اس مقام کو ان وجوہات میں شامل فرمایا ہے جن میں آپ ﷺ کو تمام نبیوں پر فضیلت دی گئی جیسا کہ فرمایا:

ا۔ افضلت علی الانبیاء لبست ... وختم بی النبیون

(مسلم فی الفضائل)

ترجمہ: مجھے چھ باتوں میں سب نبیوں پر فضیلت دی گئی ہے ... میرے ذریعہ سب انبیاء مہر لگائے گئے ہیں۔

چونکہ اپنے خاتم نبیّین ہونے کو آپ ﷺ نے ایک وجہ فضیلت فرمایا ہے اس لئے اس کے معنی ایسے کئے جانے چاہئیں جن سے آنحضرت ﷺ کی افضلیت ثابت ہو اور یہ معنی یہی ہیں کہ آپ ﷺ تمام انبیاء کے لئے مہر تصدیق ہیں۔ کیونکہ محض زمانے کے لحاظ سے آخری ہونے میں کوئی فضیلت نہیں۔ جیسے بطور مثال بہادر شاہ ظفر کا مغلیہ حکومت کا آخری بادشاہ اس کے لئے کوئی فضیلت شمار نہیں ہوتا۔

ii۔ دیگر انبیاء مطیع

اس مقامِ فضیلت کا ایک اور اظہار دوگزشتہ انبیاء کے حوالہ آپ ﷺ نے یوں فرمایا:

۲۔ لو کان موسیٰ وعیسیٰ حین لما وسعهما الا اتباعی

(تفسیر القرآن العظیم از ابن کثیرؒ سورۃ آل عمران زیر آیت وَإِذْ أَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ النَّبِيِّينَ جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 378 ناشر المکتبۃ التوفیقیۃ امام الباب الخضر)

ترجمہ: اگر اس وقت موسیٰؑ اور عیسیٰؑ زندہ ہوتے تو انہیں بھی میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔

(تفسیر ابن کثیرؒ اردو جلد اول زیر تفسیر سورت آل عمران آیت 83-84 مترجم علامہ محمد میمن جونا گڑھی صفحہ نمبر 85۔ شائع کردہ نور محمد، اصح المطابع و کارخانہ تجارت کتب، آرام باغ، کراچی)

آپؐ کے اس ارشاد سے آں حضرت ﷺ کی بلند شان اور مقام خاتم النبین کے درست ادراک کے اظہار کے ساتھ مطیع اور تابع نبی یعنی امتی نبی کا تصور بھی نمایاں ہے۔

۲۔ مقامِ خاتم النبیین زمانہ کی قید سے آزاد ہے:

آنحضرت ﷺ نے اپنے آپ کا نہ صرف سب انبیاء سے پہلے نبی بنائے جانے کا ذکر فرمایا ہے بلکہ یہ بھی فرمایا ہے کہ آپ ﷺ حضرت آدمؑ سے بھی پہلے مقام خاتم النبیین پر فائز کئے گئے تھے۔ یوں آپ ﷺ اول النبیین بھی ہیں اور خاتم النبیین بھی اور آپ ﷺ کی نبوت زمانے کی قید سے آزاد ہے۔ اس لئے مقام خاتم النبیین سے یہ معنی کرنا غلط ٹھہرتا ہے کہ آپ ﷺ زمانی لحاظ سے آخری ہیں۔

i۔ آپ ﷺ دوسرے انبیاء سے پہلے نبی بنائے گئے: درج ذیل احادیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ سب انبیاء سے پہلے مقام نبوت پر فائز کئے گئے۔

۳۔ا۔انا اول الانبیاء خلقاً ۔(موضوعات کبیر صفحہ نمبر 116و درمنثور جزو 5 صفحہ نمبر 184 بحوالہ پاکٹ بک از ملک عبدالرحمن صاحب خادم صفحہ نمبر 320)

ترجمہ: انبیاء میں سب سے پہلے میں نبی بنایا گیا۔

۴۔**ب**۔ کُنتُ نَبِیاً و آدَمُ بَینَ الرُّوحِ وَ الجَسَدِ (طبرانی جامع الصغیر حرف 'ک' بحوالہ حقانیت احمدیت از مولانا محمد صادق سماٹری ربوہ صفحہ نمبر ۵۶)

ترجمہ: میں اس وقت بھی نبی تھا جب کہ آدم ابھی پیدا نہ ہوا تھا۔

آنحضرت ﷺ کے اوّل النبیین ہونے کا یہ اظہار بھی آپ ﷺ کے مقام خاتم النبیین کے ان معنوں کی تائید کرتا ہے کہ آپ ﷺ انبیاء کے لئے روحانی ابوّت کے مقام پر فائز ہیں۔

ii آپؐ پیدائش آدم سے پہلے خاتم النبیین تھے۔

درج ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ آں حضرت ﷺ سب انبیاء سے پہلے مقام خاتم النبیین پر فائز کئے گئے۔

۵۔انی عبد اللہ خاتم النبیین وان آدم علیہ السلام لمنجدل فی طینتہ۔ (مسند امام احمد بن حنبلؒ جلد ثانی زیر عنوان حدیث العرباض بن ساریہ صفحہ نمبر 127 دار صادر بیروت)

ترجمہ: یقیناً میں عبداللہ اس وقت سے **خاتَم النبیین** ہوں جبکہ آدمؑ اپنی پیدائش کے ابتدائی مراحل میں تھے۔ آپ ﷺ کے سب انبیاء سے پہلے خاتم النبیین ہونے کا یہ اظہار اس بات کی واضح دلیل ہے کہ مقام خاتم النبیین محض زمانی تاخر سے بالا ایک بڑی حقیقت ہے۔

۳۔نبوت جاری رہنے کی تعلیم

مقام خاتم النبیین کی اس وضاحت کی تائید میں آں حضرت ﷺ کے ایسے کئی ارشادات ہیں جن میں کئی طور امت میں نبوت جاری رہنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ ایسی چند احادیث درج ذیل ہیں:

i۔سلسلہ مجددین: اصولی طور پر امت میں ایک مقررہ وقفہ سے اصلاحِ احوال کی ضرورت اور اس کی درستگی کے نظام کی خوش خبری اس حدیث میں دی گئی ہے:

۶۔ اِنَّ اللّٰہ یَبْعَثُ لھذہ الِأمّۃ علی رأس کل مائۃ سنۃ مَنْ یُجَدِّدُولھا دینھا۔

(سنن ابوداؤد جلد نمبر 4، کتاب الملاحم باب مایذکر فی کرن المائۃ صفحہ نمبر 109)

ترجمہ: یقیناً اللہ اس امت میں ہر صدی کے سر پر ایسے لوگ معبوث کرے گا جو اس کے دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔ دین کی تجدید کے لئے ان آنے والوں کا اللہ تعالیٰ کا معبوث کرنا اس قرآنی وعدہ کے تحت ہے جس میں فرمایا گیا: لَیَسْتَخْلِفَنَّھُمْ فِی الْأَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِینَ مِن قَبْلِھِمْ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَھُمْ دِینَھُمُ الَّذِی ارْتَضَیٰ لَھُمْ (سورت نور آیت 56)

ترجمہ: کہ وہ انہیں ضرور زمین میں خلیفہ بنائے گا جیسا کہ اس نے ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا اور ان کے لئے ان کے دین کو ضرور تمکنت عطا فرمائے گا۔

یہ سلسلہ قرآن کریم کی حفاظت کے اس اعلان کے تحت بھی ہے کہ:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَإِنَّا لَہُ لَحَافِظُونَ (سورت حجر 15-10)

ترجمہ: یقیناً ہم نے ہی یہ ذکر اتارا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

یہ خوش خبری اس بات کی واضح دلیل ہے کہ دین میں کسی خرابی کی درستگی ایسے وجودوں کے ذریعہ ہی ہوتی ہے جنہیں اللہ اس غرض سے کھڑا کرتا ہے اور یہ تاثر کہ بنیادی اصلاح کا کام مدرسوں، انجمنوں، دین کا علم رکھنے والے عام افراد، اور قلم کاروں سے ہوسکتا ہے، درست نہیں ہے بلکہ یہ ایسے برگزیدوں کا کام ہے جو خدا سے تعلق رکھتے ہوں اور رویاء و کشوف و الہام کی روشنی میں اس فریضہ کو انجام دیں۔ یہ نظام دائمی ہے گو اس کے وقت معینہ پر خلافت علیٰ منہاج نبوت میں بدل جانے کی پیش خبری بھی آں حضرت ﷺ نے فرمائی ہے۔ امت میں ان سب آسمانی انعامات کا عطا ہونا انجام کار نبوت کے جاری رہنے پر دلیل ہے۔

ii۔**مبشرات باقی ہیں:** آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

۷۔ یاأیھا الناس انہ لم یبقٍ من النُّبُوَّۃِ الاَّ المُبشرات (بخاری کتاب التعبیر)

ترجمہ: اے لوگو! نبوت میں سے مبشرات کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔

مبشرات نبوت کا لازمی جزو ہے جبکہ شریعت اضافی۔ یہ حدیث شریعت والی نبی کی نفی کرتی ہے اور اس کے بغیر نبوت کا اثبات۔ حدیث کے الفاظ کے ہم رنگ یہ مثال ہے کہ کھانے میں روٹی کے سوا کچھ باقی نہیں رہا۔ ظاہر ہے روٹی کھانے کا حصہ بھی اور خود کھانا بھی اسی طرح مبشرات نبوت کا حصہ بھی ہیں اور خود نبوت بھی۔ قرآن کریم کے مطابق انبیاء مبشرات کے ساتھ ہی بھیجے جاتے ہیں، جیسا کہ فرمایا: وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِینَ إِلَّا مُبَشِّرِینَ وَمُنذِرِینَ (انعام 49:6)

ترجمہ: اور ہم پیغمبر نہیں بھیجتے مگر اس حیثیت میں کہ وہ بشارت دینے والے اور انذار کرنے والے ہوتے ہیں۔

ماضی میں بھی وہ تمام انبیاء جو شریعت کے بغیر تھے مبشرات یعنی امورِ غیبیہ پر اطلاع پانے کی وجہ سے ہی نبی کہلاتے رہے۔ انہی میں سے ایک حصہ رویائے صالحہ اور کشف والہام کی شکل میں مومنین کو بھی ملتا ہے۔ اسی حدیث کی روشنی میں حضرت

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں:

لَاِنَّ النُّبُوَّۃُ تَتَجَزّٰی وجُزْءٌ مِّنھا بَاقٍ بَعدَ خاتَمِ الاَنبِیَاء

(المسوی شرح موطا جلد نمبر ۲،صفحہ نمبر ۲۱۶ مطبوعہ دہلی)

ترجمہ: نبوت قابلِ انقسام ہے اور اس کا ایک جزو خاتم الانبیاء کے بعد باقی ہے۔

مبشرات والی نبوت کے جاری رہنے پر حضرت امام محی الدین ابن عربیؒ نے یہ دلیل دی ہے کہ فانّہ یستحیل ان یّنقطع خبرو اِللہ وا خبارہ عن العالم اذلو انقطع لم یبق للعالم غذاءٌ یتعذیٰ بہ فی بقآء وجودہٖ۔

(فتوحاتِ مکیہ جلد نمبر ۲،صفحہ نمبر ۱۰۰ باب ۷۳ نمبر ۸۲)

ترجمہ: یہ محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اخبار غیبیہ اور حقائق و معارف کا علم دیا جانا بند ہو جائے کیونکہ اگر یہ بند ہو جائے تو پھر دنیا کے لئے کوئی روحانی غذا باقی نہ رہے گی جس سے وہ وہ اپنے روحانی وجود کو باقی رکھ سکے۔ (باستفادہ الحق المبین از حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری صفحہ نمبر ۱۰۱ تا ۱۰۸ ربوہ 1971ء)

iii۔امت میں کمالات نبوت:

امت میں عام طور پر کمالات نبوت پائے جانے کا ذکر آں حضرت ﷺ کے بہت ارشادات میں ملتا ہے اور بعض صحابہ کے بارے میں خاص طور پر بھی۔ پھر امت کے علمائے حق کو آپؐ نے بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند فرمایا ہے۔ ایسی چند احادیث درج ذیل ہیں:

۸۔ کان ھٰذہ الامۃ ان تکونو اانبیاء کلھا (ابوداؤد)

ترجمہ: یہ امت بلحاظ کمالات سب کے سب نبی ہونے کے قریب تھے۔

ب۔ چند صحابہ کے بارے میں فرمایا:

۹۔ کادو ان یکونو انبیاء

ترجمہ: یعنی یہ لوگ باعتبار کمالات نبی ہونے کے قریب تھے۔

(کنز العمال بحوالہ ختم نبوت از مفتی محمد شفیع صاحب صفحہ نمبر 284 ادارۃ المعارف کراچی طبع جدید ستمبر 2012ء)

ج۔ امت کے علمائے حق کے بارے میں فرمایا:

۱۰۔ **ان العلماء ورثۃ الانبیاء** (ترمذی ابواب العلم)

ترجمہ: علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔

د۔ علمائے حق کو مانند انبیاء بنی اسرائیل فرمایا:

۱۱۔ علماءُ امتی کانبیاء بنی اسرائیل

(مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانیؒ اردو۔ دفتر اوّل حصہ چہارم صفحہ نمبر 72، مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی بحوالہ کلید دعوت از جمال الدین شمس صفحہ نمبر 57)

امت میں کمالات نبوت کی موجودگی کی یہ سب بشارتیں انجام کار نبوت جاری رہنے پر دلیل ہیں۔

iv۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نبی کے سوا افضل ترین:

حضرت ابوبکرؓ سب سے اوّل ایمان لانے والے بزرگ وجود تھے۔ آپؓ کو زمانہ نبوت میں ہر اہم موقع پر آنحضرت ﷺ کی رفاقت کی سعادت نصیب ہوئی۔ ہجرت کے موقع پر اس ساتھ کا قرآن کریم میں بھی ذکر ہوا۔ آپ کے انہی فضائل کے سبب آپ اُمت کے بزرگ ترین وجود تھے۔ آنحضرت ﷺ کے نے بھی ایسا فرمایا لیکن امت میں کسی نبی کے استثناء کے ساتھ۔

اس حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں:

۱۲۔ اَبُوْبَکْرٍ اَفْضَلُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ اِلَّآ اَنْ یَکُوْنَ نَبِی۔

(کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق صفحہ نمبر 6 و جامع الصغیر السیوطی بحوالہ الحق المبین از حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری صفحہ نمبر 91)

ترجمہ: ابوبکر اس امت میں افضل ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی پیدا ہو۔

اگر امت محمدیہ میں کوئی نبی پیدا نہ ہونا ہوتا تو آں حضرت ﷺ کا یہ ارشاد کافی ہوتا کہ حضرت ابوبکرؓ تمام امت میں افضل ہیں اور اس فضیلت سے آئندہ آنے والے نبی کے استثناء کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ یہی مضمون درج ذیل ایک اور حدیث میں بھی ملتا ہے جس میں آں حضرت ﷺ نے نبی کے استثناء کے ساتھ حضرت ابو بکر صدیقؓ کو سب انسانوں سے افضل قرار دیا ہے:

۱۳۔ ابو بکر خیر الناس الا ان یّکون نبی

(جامع الصغیر از امام جلال الدین سیوطیؒ، زیر عنوان حرف الھمزہ جلد نمبر 1 صفحہ نمبر 6 ایڈیشن کنوز الحقائق فی حدیث خیر الخلائق از علامہ عبدالرؤف مناوی)

ترجمہ: ابوبکر سب لوگوں سے بہتر ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی پیدا ہو۔

کنز العمال کے اردو ترجمہ از مولانا مفتی احسان اللہ شائق میں یہ حدیث یوں درج ہے:

'ابوبکر لوگوں میں سب سے افضل ہیں۔ ہاں البتہ کوئی نبی ہے تو وہ ابوبکر صدیق سے افضل ہے'۔

(حدیث نمبر ۳۲۵۴۸ ۔حصہ ۱۱۔۱۲،صفحہ نمبر ۲۵۹، دارالاشاعت۔اردو بازار۔کراچی)

مفتی محمد شفیع صاحب نے اپنی کتاب میں ایک لفظ کے فرق کے ساتھ اس مضمون کی درج ذیل حدیث بھی درج کی ہے:

۱۴۔ ابو بکر خیر الناس بعدی الا ان یّکون نبی۔

(ختم نبوت از مفتی محمد شفیع صفحہ نمبر 317 ادارۃ المعارف کراچی طبع جدید ستمبر 2012ء)

ترجمہ: ابوبکر میرے بعد سب لوگوں سے بہتر ہیں سوائے اس کے کہ کوئی نبی پیدا ہو۔اس حدیث میں ’بعدی‘ کا زائد لفظ بمعنی ’میرے بعد‘ اور پھر ’ان یکون نبی‘ یعنی ’کوئی نبی پیدا ہو‘ کے الفاظ قابل غور ہیں جو واضح طور پر آپ ﷺ کے بعد امکان نبوت پر دلیل ہیں۔

۷۔صاحبزادہ حضرت ابراہیم کے نبی ہونے کا امکان: ایک اور حدیث جس میں آں حضرت ﷺ کے بعد امکان نبوت کا یقینی ذکر ہے وہ ارشاد ہے جو آپ ﷺ نے اپنے بیٹے حضرت ابراہیم کی وفات پر ان الفاظ میں فرمایا اور جسے حضرت ابن عباسؓ نے روایت کیا:

۱۵۔وَلَوْ عَاشَ لَکَانَ صِدِّیقًا نَبِیًّا

(ابن ماجہ کتاب الجنائز باب ما جا فی الصلوٰۃ علیٰ ابن رسول اللہ و ذکر وفاتہ جلد اول صفحہ نمبر 474 شائع کردہ عیسیٰ البابی الحلبی وشرکاء)

ترجمہ: اگر وہ زندہ رہتا تو ضرور صدیق نبی ہوتا۔

حضرت ابراہیم کی وفات ۹ ہجری میں ہوئی یعنی آیت خاتم النبین کے ۵ ہجری میں نزول کے ۴ سال بعد۔

اگر مقام خاتم النبین کے معنی یہی ہوتے کہ آپؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا تو آں حضرت ﷺ یہ امکان کس طرح ظاہر فرما سکتے تھے کہ حضرت ابراہیم زندہ رہنے کی صورت میں ضرور نبی ہوتے۔ بلکہ درست اظہار تو یہ ہوتا کہ اگر ابراہیم زندہ رہتے تو بھی نبی نہ ہوتے کیونکہ نبوت ختم ہوگئی ہے۔

دو علماء کے اس حدیث کو ضعیف قرار دینے کی رائے کو بیشتر دیگر بزرگان نے رد کیا ہے۔جن میں حضرت ملا علی قاریؒ (موضوعات کبیر صفحہ نمبر 58) علامہ شوکانیؒ (الفوائد المجموعہ صفحہ نمبر 141) اور شہاب علی البیضاوی جیسے بزرگ شامل ہیں۔(بحوالہ الحق المبین از حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری صفحہ نمبر 98-99)

حضرت امام قاری نے اس حدیث کو صحیح قرار دیتے ہوئے لکھا ہے: **وَإذا خبر الصادق وثبت لنه النقل الموافق فلا کلام فیه مما نها فیه**

ترجمہ: اور جب نبی کریم ﷺ نے یہ خبر بیان فرمائی اور نقلاً یہ خبر آپ سے ثبوت کو پہنچ گئی تو اس میں کوئی کلام ہی باقی نہیں رہا۔

(موضوعات کبیر از حضرت ملا علی قاریؒ مترجم اردو صفحہ نمبر 319-320 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

نیز لکھا: **له طُرقٌ ثلثةٌ یقوی بعضُهَا بِبَعضٍ**

ترجمہ: اس کی تین سندیں ہیں جو ایک دوسرے کی تقویت کرتی ہیں۔

(موضوعات کبیر از حضرت ملا علی قاریؒ مترجم اردو صفحہ نمبر 320 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

پھر اس حدیث کی تشریح میں حضرت ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں **لو عاش إبراهیمُ وصارَ نبیاً، و کذالو صارَ عُمرُ نَبیّاً لکانا من أتباعه۔ فلا یُناقِضُ قولَهُ تعالی (و خاتَمَ النبیّین) إذ المعنی: أنّه لا یاتی نبیّ بَعْدَہُ مِلَّتهُ ولم یَکُنْ مِنْ أُمَّتهِ...ویقویه حدیث لو کان موسی حَیّا لما وَسِعَهُ إلا اتباعی۔**

ترجمہ: اگر ابراہیمؑ زندہ رہتے اور نبی ہوتے اور عمرؓ بھی نبی ہوتے تو ہر دو آپؐ کے متبعین سے ہوتے...تو یہ اللہ تعالیٰ کے قول **خاتم النبیین** کے منافی نہیں کیونکہ اس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کے بعد کوئی ایسا نبی نہ آئے گا جو آپ کی ملت کو منسوخ کر دے اور آپ کی امت سے نہ ہو جیسا کہ اس کی تائید یہ حدیث کرتی ہے کہ ’’اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو میری اتباع کے بغیر چارہ نہ ہوتا۔‘‘

(موضوعات کبیر از حضرت ملا علی قاریؒ مترجم اردو صفحہ نمبر 321-322 مطبوعہ محمد سعید اینڈ سنز قرآن محل مقابل مولوی مسافر خانہ کراچی)

پس یہ حدیث امت میں امکان نبوت کی واضح دلیل ہے۔

حضرت امام ابن حجر الہیثمی نے اپنی کتاب الفتاویٰ الحدیثیہ میں حضرت علیؓ ابن ابی طالب کے حوالہ سے ایک حدیث درج کی ہے جس کے آخری الفاظ ہیں:

۱۶۔وَ قالَ أما واللہ انهُ لنبی ابن نبی۔

ترجمہ: اور فرمایا خدا کی قسم یہ ضرور نبی ابن نبی ہے۔

آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بھی حضرت ابراہیم کے نبی بالقوہ ہونے پر روشن دلیل ہے۔

(بحوالہ الحق المبین از حضرت قاضی محمد نذیر لائل پوری صفحہ ۱۰۰۔۱۰۱، ۱۹۷۱ء ربوہ)

۴۔امت میں نبی آنے کی خبر: آں حضور ﷺ نے امت میں امکان نبوت کے ذکر کے ساتھ کئی رنگ میں امت میں نبی آنے کی خوش خبری بھی دی۔ایسی چند خبریں درج ذیل ہیں:

i۔خلافت علیٰ منہاج نبوت کے قیام کی خبر:

درج ذیل حدیث میں آں حضرت ﷺ نے اپنے فوراً بعد خلافت علیٰ منہاج نبوت اور اس کے بعد حکومت وسیادت کے دو ادوار اور ان کے بعد ایک بار پھر خلافت علیٰ منہاج نبوت کی پیش خبری فرمائی ہے۔

۱۷۔ تکون النبوۃ فیکم ماشاء اللہ ان تکون ثم رفعها اذا شاء ان یرفعها ثم تکون خلافة علی منهاج النبوۃ فتکون ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعها اذا شاء ان یرفعها اثم تکون خلافة علی

منہا ج النبوۃ فتکون ان تکون ثم یرفعھا اذا شاء اللہ أن یرفعھا ثم تکون ملکا عاضا فیکون ماشاءاللہ ان یکون ثم یرفعھا اذا شاء أن یرفعھا ثم تکون ملکا جبریۃ فتکون ماشاء اللہ ان تکون ثم یرفعھا اذاشاء ان یرفعھا ثم تکون خلافۃ علی منہا ج النبوۃ ثم سکت رسول اللہ۔

(مسند احمد بن حنبل زیر عنوان حدیث نعمان بن بشیرؓ جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 273 دارالصادر بیروت ومشکوٰۃ باب الانذار وتحریر)

ترجمہ: تمہارے اندر نبوت موجود رہے گی جب تک خدا چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ اسے اٹھا لے گا۔ پھر خلافت علیٰ منہاج نبوت ہو گی جب تک خدا تعالیٰ چاہے گا پھر اللہ تعالیٰ یہ نعمت بھی اٹھا لے گا پھر ایک طاقت ور اور مضبوط بادشاہت کا دور آئے گا جب تک اللہ تعالیٰ چاہے وہ رہے گا پھر اسے بھی اٹھا لے گا اور ظالم و جابر حکومت کا زمانہ آئے گا جب تک خدا چاہے گا پھر اسے بھی اٹھا لے گا پھر خلافت منہاج نبوت قائم ہو گی۔ اس کے بعد حضورؐ خاموش ہو گئے۔

اس پیش خبری میں دنیوی حکومتوں کے دو ادوار کے بعد ایک بار پھر خلافت علیٰ منہاج نبوت کے قیام کی خوش خبری واضح طور پر اوّل ایک نبی کی آمد کی خبر ہے جس کے بعد اس کی منہاج پر سلسلہ خلافت جاری ہو گا۔ آں حضور ﷺ کا اس خلافت کے دور کے بعد سکوت کرنا اور مزید کسی دور کا ذکر نہ فرمانا خوش خبری میں مسرت کا یہ پہلو بھی نمایاں کرتا ہے کہ خلافت علیٰ منہاج نبوت کا یہ دور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے تا قیامت جاری رہے گا۔

ii۔ امت میں نبی کی آمد کے وقت کی خبر:

نبوت کا راستہ کھلا ہونا اپنی جگہ ایک حقیقت ہے لیکن نبی کا آنا بہر حال بوقت ضرورت خدائی فیصلہ اور انتخاب کے تابع ہے تاہم پیش خبری کے رنگ میں آں حضرت ﷺ نے اس نبی کی آمد کے زمانے کا تعین یوں فرمایا ہے:

۱۸۔ لیس بینی و بینہ نبی (بخاری کتاب بداء الخلق، جلد ۲ صفحہ ۱۵۸ مصری)

ترجمہ کہ آپ ﷺ اور اس (آنے والے موعود) کے درمیان کوئی نبی نہیں۔

ابوداؤد میں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

۱۹۔ لیس بینی و بینہ نبی و انہ نازل (ابوداؤد کتاب الملاحم باب خروج الدجال)

ترجمہ: اس (مسیح موعود) اور میرے درمیان کوئی نبی نہیں ہو گا اور وہ ضرور نازل ہو گا۔

اس ارشاد سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ اگر نبوت جاری ہے تو تیرہ سو سال میں کوئی نبی کیوں نہیں آیا؟ اس لئے نہیں آیا کہ خدائی تقدیر یہی تھی کہ اس درمیانی عرصہ میں کوئی نبی نہ آئے اور وہی وجود نبی ہو جس کی مسیح اور مہدی کے نام سے امت میں آنے کی خبر دی گئی تھی۔

iii۔ نبی کے آنے کی واضح خبر:

یہ آنے والا نبی ہونا تھا اس کی واضح خبر یہ حدیث مبارکہ ہے جس میں اس موعود کا چار بار نبی اللہ کہہ کر ذکر فرمایا گیا ہے۔

۲۰۔ وَیحصر نبی اللہ عیسیٰ واصحابہ۔۔ فیرغبُ نبی اللہ۔ عیسیٰ واصحابہُ۔ ثم یھبط نبی اللہ عیسیٰ وأصحابُہُ ... فیرغبُ نبی اللہ عیسیٰ واصحابہُ الی اللہ...

(صحیح مسلم جلد نمبر 4 کتاب الفتن صفحہ نمبر 2254 مطبع دار احیاء الکتب العربیہ)

اس حدیث مبارکہ میں آنے والے موعود کو چار بار نبی اللہ فرمایا گیا ہے۔ یہ غیر معمولی طرز کلام ہے اور غالباً اسی حکمت پر مبنی ہے کہ اپنے بعد نبی کی آمد کی اس خبر میں کوئی اشتباہ نہ رہ جائے۔ اور اس کا یقینی طور پر ہونا سب پر کھل جائے۔

iv۔ آنے والے نبی کے نام:

پیش خبریوں میں آنے والے کو عیسیٰ ابن مریم اور امام مہدی کہا گیا لیکن یہ وضاحت بھی ساتھ ساتھ موجود ہے کہ یہ دونوں نام اصل میں ایک ہی وجود کے ہیں ایسی دو احادیث درج ذیل ہیں:

۲۱۔ مَنۡ عَاشَ مِنۡکُمۡ اَنۡ یَّلۡقٰی عِیۡسَی ابۡنَ مَرۡیَمَ اِمَامًا مَھۡدِیًّا حَکَمًا عَدۡلًا۔

(مسند احمد بن حنبل جلد 2 صفحہ نمبر 411 بروایت حضرت ابو ہریرہؓ بحوالہ 'امام مہدیؑ کا ظہور از مسلمات اہل سنت و تشیع' از حضرت قاضی محمد نذیر صاحب لائل پوری صفحہ نمبر 10)

ترجمہ: تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ عیسیٰ بن مریم کا زمانہ پائے گا وہی امام مہدی حکم و عدل ہو گا۔

اس حدیث مبارکہ میں واضح طور پر عیسیٰ ابن مریم کو ہی امام مہدی فرمایا گیا ہے۔

۲۔ ابن ماجہ میں حضرت انسؓ بن مالک سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا:

۲۲۔ وَلَا الۡمَھۡدِیُ اِلَّا عِیۡسَی بۡنُ مَرۡیَمَ (ابن ماجہ کتاب الفتن باب شدۃ الزمان جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 1341 شائع کردہ عیسیٰ الباب الحلبی وشرکاء)

ترجمہ: کوئی مہدی مسیح کے سوا نہیں ہو گا۔

یہ حدیث مشہور کتب مستدرک امام حاکم، جامع العلم اور مجمع البیان تفسیر علامہ طبرسی میں بھی بیان ہوئی ہے۔

علامہ ابن کثیرؒ نے اسے صحیح قرار دیا ہے اور اس کی تشریح کی ہے کہ المہدی سے مراد مہدی کامل ہے اور حدیث کا یہ مطلب کہ مہدی کامل حضرت عیسیٰ ہی ہوں گے۔ اگرچہ مہدی اور بھی ہو سکتے ہیں (النہایہ فی الفتن والملاحم صفحہ 27 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان بحوالہ مسیح اور مہدی۔ حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی نظر میں از حافظ مظفر احمد صاحب صفحہ نمبر 160 اسلام انٹرنیشنل پبلیکیشنز لیمیٹڈ انگلینڈ 1998ء)

علمائے سلف میں سے امام ابن تیمیہؒ، علامہ قرطبیؒ، علامہ ابن قیمؒ، علامہ سیوطیؒ، علامہ مناوی نے بھی اس حدیث سے یہی قرار دیا ہے۔

حکم و عدل حضرت مسیح موعود نے اس حدیث کے بارے میں فرمایا ہے: محدثین اس پر کلام کرتے ہیں مگر مجھ پر خدا تعالیٰ نے یہی ظاہر کیا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ (ملفوظات جلد دوم صفحہ نمبر 45 نیا ایڈیشن)

پس آنے والے ایک فرد کے یہ دو نام ان کے کاموں کے لحاظ سے ہیں۔ یعنی کسر صلیب کے کام کے لئے عیسیٰ ابن مریم اور امت محمدیہ کی اصلاح و تربیت کے لئے امام مہدی۔

v۔ آنے والے پر ایمان لانے کا حکم:

آں حضرت ﷺ نے امت میں آنے والے مہدی کی بیعت کی سخت تاکید کرتے ہوئے یہ فرمایا:

۲۳۔ فَإِذَا رَأَيْتُمُوهُ فبايعوه وَلَوْ حَبْوًا عَلَى ثلج فَإِنَّهُ خَلِيفَةُ اللهِ الْمَهْدِيُّ۔ (سنن ابن ماجہ کتاب الفتن باب خروج المہدی جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 1367 شائع کردہ عیسیٰ البابی الحلبی و شرکاء)

ترجمہ: جب تم مہدی کو پاؤ اس کی بیعت کرو خواہ تمہیں برف کے پہاڑوں پر سے گھٹنوں کے بل جانا پڑے کیونکہ وہ مہدی اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے۔ اسی طرح اس موعود کے دوسرے نام مسیح کے حوالے سے اسے اپنا سلام پہنچانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔

۲۴۔ من ادرك منكم عيسى ابن مريم فليقرئه مني السلام۔ (درِ منثور از حضرت امام جلال الدین سیوطیؒ زیر آیت و ان من اهل الکتاب جلد نمبر 2 صفحہ نمبر 433 دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان)

ترجمہ: جو بھی تم میں سے عیسیٰ بن مریم کو پائے تو اس کو میرا سلام پہنچا دے۔ سلامتی کا سامان کرنے کا یہ ارشاد اس کی تائید کرنے، ساتھ دینے، اور مدد کرنے کے معنی لئے ہوئے ہے۔

ایمان لانے اور مدد کرنے کے یہ احکامات اس میثاق کے عین مطابق ہیں جو اولاً سب انبیاء سے آں حضرت ﷺ کے حق میں لیا گیا اور جس میں یہ الفاظ شامل تھے: لَتُؤْمِنُنَّ بِهِ وَلَتَنصُرُنَّهُ۔ (آل عمران 82:3)

ترجمہ: تم ضرور اس پر ایمان لے آؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے اور پھر اس عہد کا آں حضرت ﷺ سے بھی لیا جانا یوں مذکور ہوا:

وَإِذْ أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ وَمِنكَ۔ (احزاب 8:33)

ترجمہ: اور جب ہم نے نبیوں سے ان کا پختہ عہد لیا اور تجھ سے بھی۔

vi۔ زمانے کے امام کی شناخت کرنے کا اصولی حکم:

زمانے کے امام اور ان کے بعد خلافت علیٰ منہاج النبوت کے تخت نشینوں کی شناخت اور ان کی اطاعت کا جوا لازمی طور پر اٹھانے کے لئے آنحضرت ﷺ نے امت کو یہ اصولی نصیحت بھی فرمائی کہ:

۲۵۔ من لم يعف امام زمانه مات ميته الجاهلية

(مسند امام احمد بن حنبل زیر عنوان حدیث معاویہؓ بن ابی سفیان جلد نمبر 4 صفحہ نمبر 96)

ترجمہ: جس نے زمانے کے امام کو نہیں پہچانا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

۵۔ آنے والے نبی کا امتی ہونا:

مقام خاتم نبیین کے تقاضوں کے عین مطابق آنے والے نبی کا امتی ہونا ضروری تھا۔ اسی لئے آنحضرت ﷺ نے اس موعود کی خبر میں واضح طور پر اس کا امت میں سے ہونا بھی بیان فرمایا: جیسا کہ بخاری کی یہ حدیث:

۲۶۔ كيف انتم اذا نزل ابن مريم فيكم وامامكم منكم (بخاری کتاب الانبیاء جلد نمبر 2 باب نزول عیسیٰ ابن مریم صفحہ نمبر 1073 المکتبۃ العضیر یہ بیروت)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ تمہاری حالت کیسی نازک ہوگی جب ابن مریم نازل ہوگا جو تمہارا امام ہوگا تمہیں میں سے۔ یہ حدیث قرآن کریم کے اس وعدہ کے مطابق ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ (نور 56:24)

ترجمہ: اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال بجالائے کہ انہیں ضرور زمین پر خلیفہ بنا دے گا۔

صحیح مسلم میں ایسی ہی حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں:

۷۲۔اِمَّکُم منکم (مسلم کتاب الایمان باب نزول عیسیٰ ابن مریم)

ترجمہ: پس وہ تمہاری امامت کرے گا (کیونکہ) وہ تم میں سے ہی ہوگا۔ حدیث کے یہ الفاظ حضرت عیسیٰؑ کے امت محمدیہ میں سے ہونے کی وضاحت کے ساتھ بعض حلقوں کے اس خیال کی بھی نفی کرتے ہیں کہ مسیح ابن مریم نازل ہوجائیں گے۔ لیکن مسلمانوں کا امام کوئی اور ہوگا۔

اہمیت کے سبب لفظِ نزول کا استعمال:

آں حضرت ﷺ کا حضرت عیسیٰؑ کے امت میں سے ہونے کے ان واضح الفاظ کے ساتھ ان کے ظہور کو نزول فرمانا انہی معنوں میں ہے جن میں قرآن شریف میں لباس (اعراف 27:7)' لوہا (حدید 26:57) اور چوپایوں (زمر 7:39) کے نزول کا ذکر ہے۔ جس طرح یہ تینوں اشیاء اس زمین پر ہوتی ہیں اسی طرح زمانہ پہلے فوت شدہ حضرت عیسیٰ ناصریؑ کے نام سے امت محمدیہ میں سے ایک موعود کا آنا یقینی طور پر اسی زمین سے مقدر ہے اور اس کے لئے نزول کے لفظ کا استعمال اس واقعہ کی اہمیت ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

۶۔خلاصۂ مضمون:

مذکورہ بالا حصۂ مضمون میں ۲۷ احادیث درج ہوئی ہیں جن سے آں حضرت ﷺ کے مقام خاتم نبیّین سے متعلق درج ذیل نکات کی پوری وضاحت ہو جاتی ہے:

۱۔ یہ مقام مدح ہے اور آں حضرت ﷺ کی تمام انبیاء پر فضیلت کی ایک وجہ۔ اس لئے اس کے درست معنی وہی ہیں جو آپ ﷺ کی مدح میں ہوں یعنی نبیوں کی مہر۔

۲۔ اسی مقام کے سبب آں حضور ﷺ نے یہ فرمایا کہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ اگر زندہ ہوتے تو آپ ﷺ کے مطیع ہوتے۔ یعنی اب کوئی نبی وہی ہوسکتا ہے جو آپ ﷺ کا مطیع اور تابع ہو یہ امتی نبی کا Concept ہے۔

۳۔ مقام خاتم النبیین کا بلحاظ زمانہ آخر میں آنے سے کوئی بھی تعلق نہیں کیونکہ آں حضرت ﷺ سب انبیاء سے پہلے نہ صرف نبی بنائے گئے بلکہ اس مقام خاتم النبیین پر بھی فائز کئے گئے اور اسی طرح سب نبی آپ ﷺ کے بعد ہی آئے۔

۴۔ امت میں سلسلہ مجددین کی خبر سے ظاہر ہے کہ بگاڑ بھی پیدا ہوگا اور اصلاح کی ضرورت پڑے گی۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے افراد مقرر کئے جائیں گے تا کہ دین خالص ہو اور ایمان تازہ۔ چونکہ یہ مجدد اللہ کی طرف سے مقرر ہوں گے اس لئے وحی والہام وکشوف بھی پائیں گے اور یوں یہ خبر ان سب روحانی نعمتوں کے جاری رہنے کی خبر بھی ہے۔

۵۔ نبوت بنیادی طور پر خوش خبریوں اور انذار پر مشتمل ہوتی ہے۔ آں حضرت ﷺ نے امت میں مبشرات کا راستہ کھلا رکھا ہے جس سے نبوت کا راستہ کھلا ہونا ظاہر ہے۔

۶۔ امت میں کمالات نبوت پائے جانے کا بھی کئی طرح ذکر ہے اور آں حضرت ﷺ نے امت کے علمائے حق کو انبیاء کا وارث اور بنی اسرائیل کے انبیاء کی مانند قرار دیا ہے۔ ان کمالات کا پایا جانا امکان نبوت پر واضح دلیل ہے کہ اسی مخاطبہ ومکالمہ کی کثرت کا نام نبوت ہے۔

۷۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امت کا افضل ترین فرد قرار دیا لیکن کسی نبی کے استثناء کے ساتھ۔ اس استثناء کا بیان امکان نبوت پر قوی دلیل ہے کیونکہ اگر یہ امکان نہ ہوتا تو حضرت ابوبکرؓ بلا استثناء افضل قرار پاتے۔

۸۔ آیت خاتم النبیین کے نزول کے 4 سال بعد اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم کی وفات پر آں حضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ اگر وہ زندہ رہتے تو ضرور نبی ہوتے، نبوت کا دروازہ کھلے ہونے کی قطعی دلیل ہے۔ اگر کسی نبی کا کوئی امکان نہ تھا تو ارشاد یہ ہونا چاہئے تھا کہ اگر یہ بیٹا زندہ رہتا تب بھی نبی نہ ہوتا۔

۹۔ امت میں خلافت علیٰ منہاج نبوت کے دوبارہ قیام کی خوش خبری اس سے معاً قبل ایک نبی کی آمد کی ایک یقینی خبر ہے۔

۱۰۔ آں حضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ آپ ﷺ اور اس موعود نبی کے درمیان کوئی اور نبی نہیں، یہ ظاہر کر دیتا ہے کہ درمیانے عرصہ میں کوئی نبی نہیں آئے گا اور یہ کہ وہ آنے والا نبی ہوگا جس کا ذکر آپ نے چار بار نبی اللہ کے طور پر فرمایا ہے۔

۱۱۔ آنے والے موعود نبی کی خبر میں اس کے کاموں کے لحاظ سے دو علیحدہ نام بیان ہوئے ہیں یعنی مسیح اور مہدی لیکن یہ وضاحت بھی موجود ہے کہ اصل میں یہ دونوں ایک ہی ہیں۔

۱۲۔ آں حضرت ﷺ نے اس آنے والے کی بیعت کرنے اور اس کی مدد کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔ یہ تاکید یقینا انبیاء پر ایمان اور ان میں کوئی تفریق نہ کرنے کے قرآنی حکم کے تابع ہے۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ زمانے کے امام کو پہچانے بغیر گزر جانا ایک عبث فعل ہے اس امر کی تاکید مزید ہے۔

۱۳۔ آں حضرت ﷺ کا آنے والے کو نبی قرار دینا اور ساتھ ہی یہ فرمانا کہ وہ امت میں سے ہوگا یکجا طور پر امتی نبوت کا مضمون ہے۔

۱۴۔ ان سب ارشادات کا مجموعی قطعی نتیجہ یہی ہے کہ از روئے حدیث امت میں نبوت جاری ہے۔ **فھو المراد**۔

(ساتواں باب یہاں ختم ہوا۔ اگلے باب کا عنوان ہوگا 'ختم نبوت کے حق میں دوسو احادیث؟)

فرمان حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

’’شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْآن یہی ایک فقرہ ہے جس سے ماہ رمضان کی عظمت معلوم ہوتی ہے۔ رمضان دعا کا مہینہ ہے۔ صوفیوں نے اس مہینہ کو تنویر قلب کے لئے عمدہ لکھا ہے اس میں کثرت سے مکاشفات ہوتے ہیں۔ نماز تزکیۂ نفس کرتی ہے اور روزہ سے تجلی قلب ہوتی ہے۔ تزکیہ نفس سے مراد یہ ہے کہ نفس امارہ کی شہوات سے بعد حاصل ہو جائے اور تجلی قلب سے مراد یہ ہے کہ کشف کا دروازہ اس پر کھلے کہ خدا کو دیکھ لیوے۔‘‘ (بدر ۱۲ر دسمبر ۱۹۰۲ء)

’’رمض سورج کی تپش کو کہتے ہیں۔ رمضان میں چونکہ انسان اکل وشرب اور تمام جسمانی لذتوں پر صبر کرتا ہے دوسرے اللہ تعالیٰ کے احکام کے لئے ایک حرارت اور جوش پیدا کرتا ہے۔ روحانی اور جسمانی حرارت اور تپش مل کر رمضان ہوا۔ اہل لغت جو کہتے ہیں کہ گرمی کے مہینہ میں آیا اس لئے رمضان کہلا یا میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ عرب کے لئے یہ خصوصیت نہیں ہو سکتی روحانی رمض سے مراد روحانی ذوق وشوق اور حرارت دینی ہوتی ہے۔ رمض اُس حرارت کو بھی کہتے ہیں جس سے پتھر وغیرہ گرم ہو جاتے ہیں‘‘۔

(الحکم جلد ۵ نمبر ۲۷ مورخہ ۲۴ جولائی ۱۹۰۱ صفحہ ۲)



اطہر حفیظ فراز

عشق خدا کے جب ہمیں ادراک ہوگئے
اہل زمیں تھے، شوکت افلاک ہوگئے
سورج ستارے چاند سب دامن میں اپنے آ گئے
جب ہم غلام صاحب لولاک ہوگئے
’’اے میرے والے مصطفیٰ!! اے سید الوریٰ‘‘
تجھ پہ درود بھیج کے ہم پاک ہوگئے
مرزا!! ترے حریف ہیں کل کی کہانیاں
کتنے بلند و بانگ تھے، سب خاک ہوگئے
تجھ کو قبول کرتے ہی اعمال قوم کے
سب ٹھیک ہو گئے، سب ٹھاک ہوگئے
مالک!! مرے قدیر!! تو خود ہی پکڑ انھیں
دشمن ہمارے عہد کے بیباک ہوگئے
دشمن ہماری جان کے درپے ہیں اس طرح
گویا کہ ہم ذخیرہ خوراک ہوگئے
ہم کل بھی کامراں تھے، ہم اب بھی کامراں،
ہم جب فراز!! یار کی املاک ہوگئے



اے شہیدوں کی روحو!! مبارک تمہیں

اطہر حفیظ فراز

جس گھڑی معبدوں کو سجا کے چلے،
کتنی شدت سے جھونکے ہوا کے چلے
کتنے معصوم خوں میں نہا کے چلے،
جب خدا کے گھروں میں دھماکے چلے
اس طرح قاتلوں نے گرایا بارود،
جیسے طوفاں قیامت گرا کے چلے
پھر تو "النور" سے، پھر تو "الذکر" سے،
اپنے پیرو جواں کو اُٹھا کے چلے
اے شہیدوں کی رُوحو!! مبارک تمہیں،
تم ہو مولا کی جنت کما کے چلے
تم پہ رحمت خدا کی برستی رہے!!
تم حسینی شجاعت دکھا کے چلے
ہاں وہ زندہ دلاں تب تھے لاہور کے،
جب وہ مقتل سے نعرے لگا کے چلے
دشمنو!! آ کے دیکھو!! تمھارے لئے،
ہم دُعاؤں کے پتھر اُٹھا کے چلے
ان کی ڈھارس بندھائی تھی مسرور نے،
جیسے رندوں کو ساقی پلا کے چلے
سب اسی کے تھے بخشے وہی لے گیا،
تذکرے پھر خدا کی رضا کے چلے
ان کے صبرو تحمّل کا اعجاز ہے،
کہ عدو بھی سبھی ڈگمگا کے چلے
ان کی میت کو مٹی نے گوہر کیا،
تم نے سمجھا کہ انکو رُلا کے چلے
ہم جو آگے بڑھے ہیں تو پیچھے فرازؔ!!
قافلے نور کے جگمگا کے چلے

***

حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی علیہ السلام کی مسلم علماء کی طرف سے مخالفتیں اور اُن کا انجام



سیدنا حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی موعودؑ

اس سے قبل حضرت شیخ محی الدین ابن عربی حضرت شیخ احمد سرہندی، مجدد الف ثانی اور نواب صدیق حسن خان کے اقوال درج کر آئے ہیں جن میں یہ کہا گیا ہے کہ جب اُمت اسلامیہ میں مہدی موعود نازل ہوں گے تو ان کی سب سے شدید مخالفت علمائے اُمت کی طرف سے ہی کی جائے گی۔ انہی خصلتوں کی وجہ سے حدیث نبویؐ میں ایسے علماء کو زمین پر بدترین مخلوق کہا گیا ہے۔ اگرچہ اس کتاب کا موضوع بحث یہ نہیں کہ ہم حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی طرف سے پیش کئے جانے والے دعاوی اور علماءِ اُمت کی طرف سے اُن پر اعتراضات کا موازنہ کریں اور ان کے صحیح یا غلط ہونے کے بارے میں اپنا نقطہ نظر پیش کریں لیکن یہ بات بالکل واقعات سے ثابت ہے کہ علماء کی طرف سے جس قدر مخالفت کا سامنا حضرت مرزا غلام احمد صاحب اور آپ کی جماعت کو کرنا پڑا اور پڑ رہا ہے وہ مخالفت بھی کسی اور کے حصے میں نہیں آئی۔

حضرت مرزا صاحب کی نسبت کافر، ملحد، دجال، کذاب، زندیق وغیرہ کے خطابات سے ہزاروں صفحات سیاہ کئے جا چکے ہیں اور یہ سلسلہ ءِ تکفیر جاری ہے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو وفات پائے ۸۰ سال سے زائد گزر چکے ہیں اور آپ کی مخالفت براہین احمدیہ حصہ اوّل ۱۸۸۰ء لکھنے کے ساتھ ہی شروع ہو گئی تھی۔ ہم گزشتہ ایک صدی کے بے شمار چھوٹے بڑے واقعات کا احاطہ تو ایک کتاب یا باب میں نہیں کر سکتے لیکن اُن معرکوں کا ضرور جائزہ پیش کر سکتے ہیں جو حضرت مرزا صاحب اور آپ کے شدید ترین مخالفین کے درمیان پیش آئے اور جو اپنے وقت پر دور دور تک مشہور ہوئے۔ چونکہ ان معرکوں کو ماضی کا حصہ بنے ہوئے پون صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے۔ تاریخی لحاظ سے یہ بالکل ممکن ہے کہ فاتح اور مفتوح، صحیح اور غلط، سچے اور جھوٹے کے درمیان مستند حوالوں کی مدد سے تمیز کی جا سکے۔ ایسے لوگ جن کے دِل میں خوفِ خدا ہے جن میں بے جا ضد اور اندھی مخالفت کا مادّہ نہیں ان کے لئے یہ واقعات اور ان کے نتائج حق و صداقت کو پہچاننے میں مددگار ہوں گے۔ **وماعلینا الاالبلاغ**۔ جب حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ۱۸۸۰ء میں



رانا عبدالرزاق خان
لندن

براہین احمدیہ تصنیف کی تو عام طور پر ہندوستان کے طول و عرض میں اس کا زبردست خیر مقدم کیا گیا اور دُشمنان اسلام خاص طور پر آریوں اور عیسائیوں کے مقابلے میں اسلام کی خوبیاں بیان کرنے میں اسے بے مثال قرار دیا گیا۔ (باب اوّل) مرزا صاحب نے زندہ خدا کے ثبوت کے لئے طالبان حق کے سامنے نشان نمائی کا چیلنج بھی دیا اور کتاب کے اندر اپنے کئی الہامات بھی درج کئے لیکن اس تصنیف کی بنا پر حضرت مرزا صاحب کی مخالفت بھی ۱۸۸۰ء سے ہی شروع ہو گئی۔ امرتسر اور لدھیانہ کے بعض علماء کے نزدیک مرزا صاحب کے الہامات غیر ممکن، غیر صحیح اور ناقابل تسلیم تھے۔ چنانچہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اِن مخالف علماء کے بارے میں اپنے اخبار اشاعۃ السنہ میں لکھا کہ ان علماء کی مخالفت کا سبب اُنکی نافہمی، بے ذوقی اور کسی قدر عموماً اہل اللہ اور اہل باطن سے گوشۂ تعصبی تھا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب کے خیال میں لُدھیانہ کے کچھ علماء کی طرف سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مخالفت کی کچھ وجہ یہ بھی تھی کہ وہ روپیہ جو لُدھیانہ کے مسلمان عوام کی طرف سے ان علماء کو برائے تعمیر مدرسہ ملنے کی توقع تھی وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی خدمت میں برائے طبع و اشاعت براہین احمدیہ پیش کر دیا گیا۔ بحر حال یہ علماء حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے خلاف تکفیر کا فتویٰ لکھ کر دیو بند اور گنگوہ کے اسلامی مدرسوں میں پہنچے تا کہ وہاں کے علماء کے اس پر تصدیقی دستخط حاصل کر سکیں لیکن کوئی ایک عالم بھی ان کی اس تکفیر میں ملوث ہونے کے لئے تیار نہ ہوا اور یہ علماء کا گروہ بے مراد واپس ہوا۔ (اس وقت سے لے کر آج تک مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مسلمان علماء کی طرف سے مخالفت جاری ہے لیکن مرزا صاحب کے پیروکاروں کی تعداد بھی دن بدن بڑھ رہی ہے۔ مرزا صاحب کے مخالفین میں سے آریوں، برہموسماج والوں، عیسائیوں اور کچھ اقرباء کا تذکرہ گزشتہ ابواب میں آ چکا ہے)

مرزا صاحب کے مخالف مسلمان زعما میں ہر طبقے کے لوگ شامل تھے۔ کچھ اپنی دنیاوی طاقت، جاہ و جلال اور اثر و رسوخ کی بنا پر مرزا صاحب کو زک پہنچانے کے

در پے ہوئے، کچھ پیر و سجادہ نشین تھے اور لاکھوں مریدوں کے رُوحانی پیشوا ہونے کے دعویدار تھے اور انہیں تعلق باللہ کا گمان تھا کچھ اپنی علمی قابلیت، فصاحت بیان یا حسب و نسب پر نازاں تھے۔ غرضیکہ مرزا صاحب کو براہین احمدیہ کی تصنیف کے بعد کی ۲۸ سالہ زندگی میں غیر مسلموں کے (مولوی محمد حسین بٹالوی۔ اخبار اشاعۃ السنہ جلد ۷ حصہ ۶ صفحات ۱۷۰۔۱۷۱) علاوہ بہت سے مسلمان علماء اور اکابرین کے ساتھ علمی اور رُوحانی معرکہ آرائی کرنی پڑی۔ ہم ان میں سے چند اہم معرکوں کا اختصار سے جائزہ پیش کریں گے اور یہ واضح کریں گے کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے مخالفین کا کیا انجام ہوا۔

نواب صدیق حسن خان کا ناروا طرزِ عمل اور اُن کا انجام

نواب صدیق حسن خان صاحب آف بھوپال مولوی سید اولاد حسن قنوجی کے فرزند تھے۔ انہوں نے علوم دین علمائے یمن اور ہندوستان سے حاصل کئے تھے۔ پھر ریاست بھوپال کی ملازمت اختیار کر لی اور بتدریج ترقی کر کے وزارت و نیابت پر فائز ہو گئے یہاں تک کہ اُن کا عقد والیہ ریاست نواب شاہجہان بیگم سے ہو گیا جس سے پوری ریاست کی باگ ڈور عملاً اُنہی کے ہاتھ میں آ گئی۔ حکومت برطانیہ نے انہیں نواب والہ جاہ، امیر الملک اور معتمد المہام کے خطابات سے نوازا۔ نواب صاحب موصوف اہل حدیث فرقے کے مشہور عالم تھے اور اپنی شاہانہ ٹھاٹھ باٹھ کے باوجود اسلام کی تحریری خدمات انجام دے رہے تھے۔ ان کی علمی تصانیف کا ہندوستان کے طول و عرض میں شہرہ تھا۔ اُن کے بیٹے نواب محمد علی حسن خان سابق ناظم ندوۃ العلماء کی شائع کردہ فہرست کے مطابق نواب صدیق حسن خان صاحب ۲۰۰ سے زائد کتب کے مصنف تھے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی جو خود بھی مشہور اہل حدیث عالم تھے وہ نواب صاحب موصوف کو مجدّدِ وقت تسلیم کرتے تھے۔ خود حضرت مرزا غلام احمد صاحب نواب صاحب کو "پارسا طبع اور متقی اور فضائلِ علمیہ سے متصف اور قال اللہ و قال الرسول سے بدرجہ غائت خبر رکھنے والا سمجھتے تھے۔

(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۸۸ء۔ براہین احمدیہ حصہ چہارم طبع اوّل صفحہ ۳۲۰)

مرزا غلام احمد صاحب کی تصنیف براہین احمدیہ کا حصہ اوّل جب ۱۸۸۰ء میں چھپ چکا تو متعدد وجوہ کی بنا پر آپ نے اس کتاب کے ڈیڑھ سو نسخے ملک کے مسلمان اُمراء اور رؤساء کو اس خیال سے بھجوائے تا کہ اگر وہ اس کتاب کی خریداری انتہائی معمولی قیمت پر بھی منظور کر لیں اور رقم پیشگی ارسال کر دیں تو کتاب کے اگلے حصے جن میں سے کچھ چھپ بھی چکے تھے ان کے لئے روپے کا انتظام ہو جائے۔ اس کتاب کی اہمیت کا مختصر سا ذکر باب اوّل میں آ چکا ہے۔ بار بار کی یاددہانیوں کے باوجود۔ چند کے علاوہ باقی رؤساء نے کتاب کی خریداری کی طرف کوئی توجہ نہ دی لیکن نواب حسن خاں صاحب آف بھوپال کا طرز عمل سب سے زیادہ افسوسناک تھا۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے انہیں ایک دردمند دِل رکھنے والا مسلمان سمجھ کر جب پہلی مرتبہ براہین احمدیہ کی اشاعت میں اعانت کے لئے اس کا پہلا حصہ بھجوایا تو انہوں نے پہلے تو رَکھ رکھاؤ کا طریق اختیار کرتے ہوئے لکھ دیا کہ وہ کتاب پندرہ بیس نسخے ضرور خرید لیں گے مگر دوبارہ یاددہانی پر کتب خریدنے سے انکار کرتے ہوئے لکھ دیا کہ "دینی مباحثات کی کتابوں کا خریدنا یا ان میں مدد دینا خلاف منشاء گورنمنٹ انگریزی ہے اس لئے اس ریاست سے خرید وغیرہ کی کچھ اُمید نہ رکھیں۔" حافظ حامد علی صاحب کا چشم دید بیان ہے کہ نواب صدیق حسن خان صاحب نے" براہین احمدیہ کا پیکٹ وصول کرنے کے بعداً سے چاک کر کے آپ کو واپس کر دیا۔

(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۸۸ء۔ براہین احمدیہ حصہ چہارم طبع اوّل صفحہ ۳۲۰)

کتاب کی یہ حالت دیکھ کر کہ وہ پھٹی ہوئی ہے اور نہایت بُری طرح اس کو خراب کیا گیا ہے حضرت (مرزا غلام احمد صاحب۔ ناقل) کا چہرہ مبارک متغیر اور غصے سے سُرخ ہو گیا... یکا یک آپ کی زبان سے نکلا اچھا تم اپنی گورنمنٹ کو خوش کر لو۔ نیز یہ دعا کی کہ اُن کی عزت چاک کر دی جائے۔ یہ واقعہ ۱۸۸۳ء کا ہے۔ مرزا غلام احمد صاحب نے جب براہین احمدیہ حصہ چہارم شائع کی تو اس واقعہ کا پھر تذکرہ کرتے ہوئے لکھا کہ "سو ہم بھی نواب صاحب کو اُمیدگاہ نہیں بناتے بلکہ اُمیدگاہ خداوند کریم ہی ہے اور وہی کافی ہے۔ (خدا کرے گورنمنٹ انگریزی نواب صاحب پر بہت راضی رہے)" مرزا غلام احمد صاحب کے منہ سے نواب صدیق حسن خاں کے بارے میں یہ انذاری الفاظ" کہ اُن کی عزت چاک کر دی جائے" ۱۸۸۳ء میں براہین احمدیہ کی توہین کرنے پر نکلے تھے کہ وہی سلطنت انگریزی جس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے نواب صاحب نے مرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ یہ ناروا سلوک کیا تھا اُسی گورنمنٹ نے نواب صاحب پر متعدد الزامات عائد کر کے اُن کے خلاف ایک تحقیقاتی کمیشن بٹھا دیا۔ ان الزامات میں ریاست بھوپال میں بے گناہوں کے قتل سوڈانی مہدی کو امداد بھجوانے اور اپنی تصانیف میں گورنمنٹ انگریزی کے خلاف بغاوت کی ترغیب جیسے سنگین الزامات شامل تھے ان تحقیقات کا یہ نتیجہ نکلا کہ اُن کے نوابی خطابات (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی۔ تتمہ صفحہ ۳۷) (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۸۸ء۔ براہین احمدیہ۔ حصہ چہارم صفحہ۔ ۳۲۰) چھن گئے۔ یہاں تک بے آبرو ہوئے کہ خود مسلمانوں کے ایک طبقے نے حکومت پر زور دیا کہ اُن سے ذرّہ بھر رعایت نہ کی جائے اور ان جرائم کی پاداش میں یا تو وہ تختہ دار پر لٹکا دیئے جائیں یا کالے پانی بھیج دیئے جائیں۔ مولوی محمد حسین

بٹالوی جو خود انگریزی حکومت کے بڑے خیر خواہ اور حکومت کی نظر میں اہم شخصیت تھے انہوں نے حکومت سے نواب صاحب کے خطابات کی بحالی کے لئے التجا بھی کی مگر حکومت ٹس سے مس نہ ہوئی اور اس طرح حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے منہ سے نکلے ہوئے یہ الفاظ پورے ہوئے کہ ''اُن کی عزت چاک کردی جائے''۔ انہی حالات میں کہ نواب صدیق حسن خاں صاحب معزول ہو چکے تھے پنڈت لیکھرام نے طنزیہ لہجے میں مرزا غلام احمد صاحب کو مخاطب کر کے لکھا کہ 'آپ تو مقبولوں کے سرغنہ ہیں اور آپ کی دُعا تو تقدیرِ معلق کو باسلوبی ٹال سکتی ہے ...صدیق حسن خاں معزول ہیں اور اُن کی نسبت جو جو مقدمات اور غبن مال سرکاری دائر ہیں اُن سے نہایت ملول ہیں ...جناب بیگم صاحبہ والیء بھوپال صدیق حسن خاں معزول کو تین لاکھ دے کر خارج کرنا چاہتی ہیں اُن کا ارادہ فسخ کیجئے۔'' (الغرض جب نواب صاحب کے معاملات نے تشویشناک صورت اختیار کر لی تو انہوں نے نہایت عجز و انکسار سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی خدمت میں دعا کی درخواست کی۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی حافظ محمد یوسف صاحب ضلع دار نہر۔

(پنڈت لیکھرام پشاوری ۱۹۰۴ء۔کلیات آریہ مسافر۔صفحہ ۴۹۵)

امرتسر کے ذریعے مرزا صاحب کی خدمت میں نواب صاحب کے لئے دعا کی سفارش کی۔ حافظ صاحب کا بیان ہے کہ مرزا صاحب نے اولاً دُعا کرنے سے انکار کر دیا اور براہین احمدیہ کا واقعہ بیان کر کے کہنے لگے کہ وہ خدا کی رضا پر گورنمنٹ کی رضا کو مقدم کرنا چاہتے تھے اب گورنمنٹ کو راضی کرلیں۔ آخر حافظ صاحب کے مسلسل اسرار پر مرزا صاحب نے دُعا کی اور جواب دیا کہ وہ توبہ کریں خدا تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے کو معاف کرتا ہے۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ نواب صدیق حسن خاں کو قابل رحم سمجھ کر جب اُن کے لئے دُعا کی گئی تو خدا تعالی نے فرمایا کہ ''سر کوبی سے اُس کی عزت بچائی گئی'' (حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے نواب صدیق حسن خاں مولوی محمد حسین بٹالوی اور حافظ محمد یوسف صاحب کو اس الہام سے مطلع کر دیا۔ حافظ صاحب نے نواب صاحب اور مرزا صاحب کے درمیان پیدا شدہ رنجش کو دور کرنے کے لئے براہین احمدیہ کی خریداری کی درخواست کی جسے مرزا صاحب نے نامنظور کر دیا اور خدا کی شان دیکھئے کہ جس دعا کے لئے پنڈت لیکھرام نے مرزا صاحب کو طنزیہ انداز میں کہا تھا اسی دعا کے نتیجے میں نواب صاحب بالآخر الزامات سے بری کر دیئے گئے اور حکومت کی طرف سے ان کے خطابات باعزت بحال کر دیئے گئے۔ (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔حقیقۃ الوحی۔تتمہ صفحہ ۷۳)

۲۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی طرف سے نشان نمائی کا چیلنج

مرزا غلام احمد صاحب نے ۱۸۸۰ء میں براہین احمدیہ کی اشاعت کے ساتھ ہی ہر مذہب کے پیروؤں کو اسلام کی حقانیت سے روشناس کرانے کے لئے زبردست کوششیں شروع کر دی تھیں اور کے بعد دیگرے تحریری و تقریری طریقوں سے اُن کو قائل کرنے کا آغاز کر دیا تھا۔ مارچ ۱۸۸۵ء کو ایک اشتہار کے ذریعے آپ نے مذاہب عالم کے سرکردہ لیڈروں اور مقتدر راہنماؤں کو آسمانی نشانات کے عالمگیر مشاہدے کی دعوت دی۔ آپ نے اشتہار میں لکھا کہ '' آپ طالب صادق بن کر قادیان میں تشریف لاویں اور ایک سال تک اس عاجز کی صحبت میں رہ کر اُن آسمانی نشانوں کا بچشم خود مشاہدہ کرلیں ...اور اگر آپ آویں اور ایک سال رہ کر کوئی آسمانی نشان مشاہدہ نہ کریں تو دوسو روپیہ کے حساب سے آپ کو ہرجانہ یا جرمانہ دیا جائے گا۔ اس دوسو روپیہ ماہوار کو آپ اپنے شایانِ شان نہ سمجھیں تو آپ تو اپنے ہرج اوقات کا عوض یا ہماری وعدہ خلافی کا جرمانہ جو آپ اپنی شان کے لائق قرار دیں گے۔ ہم آپس کو بشرطِ استطاعت قبول کریں گے۔''

(مرزا غلام احمد قادیانی۔ اشتہار ۲۰ رمئی ۱۸۸۵ء۔ مجموعہ اشتہارا۔ مرزا غلام احمد جلد اوّل صفحات ۲۰ تا ۲۲) مرزا غلام احمد صاحب نے اس اشتہار کو انگریزی اور اُردو زبان میں چھپوا کر ۲۰ ہزار کی تعداد میں ایشیا، یورپ اور امریکہ کے تمام بڑے بڑے مذہبی لیڈروں، فرمانرواؤں، مہاراجوں، عالموں، مدیروں، مدّبروں اور نوابوں کو کثیر اخراجات صرف کر کے بذریعہ رجسٹری ڈاک بھجوایا تاکہ کوئی نامور اور معروف شخصیت ایسی نہ رہ جائے جس تک یہ خدائی آواز نہ پہنچے۔ اگرچہ اس کاروائی سے بیرونی دنیا سے تو کوئی خاص اور فوری ردِّعمل سامنے نہ آیا لیکن ہندوستان میں اس سے ضرور ہلچل مچ گئی اور اہم واقعات کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔

ااا۔ مرزا غلام احمد صاحب پر مولوی محمد اسمٰعیل آف علی گڑھ کے اعتراضات اور بہتانات اور مولوی صاحب کا انجام

علی گڑھ کے تحصیل دار سیّد محمد تفضّل حسین صاحب کو براہین احمدیہ کے زمانے سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے بڑی عقیدت تھی۔ اُن کی متعدد بار کی درخواستوں پر حضرت مرزا صاحب اپریل ۱۸۸۹ء میں لدھیانہ سے علی گڑھ تشریف لے گئے اور اُنہی کے ہاں ٹھہرے۔ علی گڑھ کے ایک مولوی محمد اسمٰعیل صاحب حضرت مرزا صاحب سے ملنے آئے اور نہایت انکساری سے درخواست کی کہ لوگ مُدت سے آپ کی باتیں سننے کے شائق ہیں بہتر ہے کہ لوگ ایک جگہ جمع ہو جائیں اور آپ کچھ وعظ فرماویں۔ مرزا صاحب کی طبیعت کچھ ناساز تھی جس وجہ سے اس قابل نہ تھے کہ وہ ان دنوں کوئی کام دماغی (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۹۱ء۔ فتح اسلام۔

حاشیہ صفحہ ۲۵) محنت کر سکیں یا کوئی لمبی گفتگو یا تقریر کر سکیں لیکن پھر بھی اس خیال سے کہ موقع غنیمت تھا کہ لوگوں کو اسلام کی حقیقی رُوح کے بارے میں کچھ راہنمائی کر دیں اور پھر اُن کو تو یہی عشق تھا اور یہی اُن کی دِلی خواہش رہتی تھی کہ اسلام کی خوبیاں بیان کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے۔ آپ نے باوجود طبیعت ناساز ہونے کے اس بات پر رضامندی ظاہر کر دی کہ وہ انشاء اللہ اسلام کی حقیقت کے موضوع پر تقریر کریں گے۔ چنانچہ اس لیکچر کے بارے میں اشتہار بھی شائع کر دیا گیا اور سب تیاری مکمل ہوگئی۔ لیکچر کا وقت قریب آیا تو مرزا صاحب کو خدا تعالیٰ کی طرف سے الہاماً اس لیکچر سے روک دیا گیا۔ اس پر مرزا صاحب نے لیکچر دینے کا ارادہ ترک کر دیا اور مولوی صاحب موصوف کو بھی اس سے مطلع کر دیا۔ سیّد تفضّل حسین صاحب نے بھی عرض کی کہ حضور اب تو ساری تیاری ہو چکی اگر اب لیکچر نہ ہوا تو بڑی بدنامی ہوگی۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے جواباً کہا کہ خواہ کچھ ہو ہم خدا کے حکم کے مطابق کام کریں گے۔ جب اور لوگوں نے بھی مرزا صاحب سے لیکچر کے لئے اصرار کیا تو آپ نے جواب دیا کہ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ میں خدا کا حکم چھوڑ دوں۔ اس کے حکم کے مقابل میں مجھے کسی ذلت کی پرواہ نہیں۔ مولوی محمد اسمٰعیل صاحب نے مرزا صاحب کے عُذر کو نیک ظنی سے دِل میں جگہ نہ دی بلکہ اسے مرزا صاحب کی دروغگوئی سمجھا اور اگلے دن نماز جمعہ پر مرزا صاحب کے خلاف ایک زہریلی تقریر کی جسے اُن کی اجازت سے لکھ کر مُشتہر کر دیا گیا۔ ان کی تقریر کے کچھ اقتباسات درج ذیل ہیں: ''میں نے اُس سے (یعنی مرزا غلام احمد صاحب سے۔ ناقل) کہا کہ کل جمعہ ہے وعظ فرمایئے۔ اس کا انہوں نے وعدہ بھی کیا مگر صبح کو رُقعہ آیا کہ میں بذریعہ الہام وعظ کرنے سے منع کیا گیا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ یہ سبب کذب بیانی وخوف امتحانی انکار کر دیا۔ یہ شخص محض نالائق ہے علمی لیاقت نہیں رکھتا۔ میں نے الہام کے بارے میں اس سے چند سوال کئے کسی قدر بے معنی جواب دے کر سکوت اختیار کیا۔ ہرگز یقین نہیں ہوسکتا کہ ایسی عمدہ تصانیف کے یہی حضرت مصنف ہیں۔ سیّد احمد عرب جن کو میں ثقہ جانتا ہوں وہ مجھ سے بلا واسطہ بیان کرتے تھے کہ میں دو ماہ تک اُن کے پاس ان کے معتقدین خاص کے زُمرہ میں رہا اور وقتاً فوقتاً نظر تجسّس وامتحان ہر ایک وقت خاص پر حاضرہ کر جا پہنچا تو معلوم ہوا کہ درحقیقت ان کے پاس آلاتِ نجوم موجود ہیں۔ وہ اُن سے کام لیتے ہیں۔ مجھے فقرات الہام پر غور کرنے سے ہرگز یقین نہیں آتا کہ وہ الہام ہیں۔ مدعی ہونا کرامات کے خلاف ہے اور یہ کہنا کہ جس کو انکار ہو وہ آ کر دیکھے یہ دعاوی باطلہ ہیں۔ میں ملاقات کرنے سے بالکل بے عقیدہ ہو گیا ہوں۔ میری رائے میں جو موحد ان سے ملاقات کرے گا۔ ان کا معتقد نہ رہے گا نماز ان کی اخیر وقت ہوتی ہے جماعت کے پابند نہیں۔'' (مرزا غلام احمد صاحب نے ان مشتہر شدہ اعتراضات کے جوابات اپنی تصنیف (مرزا احمد قادیانی ۱۸۹۱ء۔ فتح اسلام۔ حاشیہ صفحات ۲۷۔۳۶) فتح اسلام میں مولوی محمد اسمٰعیل صاحب کو آلات نجوم کے متعلق بہتان طرازی پر دعوت مباہلہ دی۔ مولوی صاحب نے جواب میں ایک کتاب لکھنے کا تہیہ کیا۔ جس میں مرزا صاحب کو بددُعا دی لیکن مولوی محمد اسمٰعیل صاحب جلد ہی خدا کی گرفت میں آ گئے۔ ابھی اُن کی کتاب مکمل بھی نہ ہوئی تھی کہ وہ اس دارِفانی سے کوچ کر گئے اور اس طرح مباہلے کا آسمانی فیصلہ سامنے آ گیا۔

١٧۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرف سے علماء کو مباحثے کا چیلنج:

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے جن دعاوی اور عقائد کا اس کتاب کے دوسرے اور تیسرے ابواب میں تذکرہ ہو چکا ہے ان کی بناء پر بعض مسلمان علماء حضرت مرزا صاحب کو مسلسل کافر قرار دے رہے تھے اس لئے حضرت مرزا صاحب نے ۲۶ / مارچ ۱۸۹۱ء کو جاری کردہ ایک اشتہار کے ذریعے کچھ علماء کو خاص طور پر مخاطب کر کے مباحثے کا چیلنج دیا۔ ان علماء میں مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی عبدالجبار غزنوی، مولوی عبدالرحمن لکھوکے والے، مولوی شیخ عبداللہ بتی، مولوی عبدالعزیز لدھیانوی اور مولوی غلام دستگیر قصوری وغیرہ شامل تھے حضرت مرزا صاحب نے لکھا کہ ''چونکہ مسئلہ وفات ونزول مسیح کے بارے میں یہ خیال کرتے ہیں کہ اس عاجز کے یہ دعاوی قال اللہ و قال الرسول کے خلاف ہیں تو وہ ایک عام مجلس مقرر کر کے تحریری طور پر اس عاجز سے ... مباحثہ کر لیں تا کہ جلسہ عام میں حق ظاہر ہو جائے۔ اور کوئی فتنہ بھی پیدا نہ ہو... سو مناسب ہے کہ ان سب میں سے وہ مولوی صاحب جو کمالات علمی میں اوّل درجے کے خیال کئے جائیں وہی فریق ثانی کی طرف سے مختار مقرر کئے جائیں...''(۱) مرزا صاحب کے اس چیلنج کے جواب میں اکثر علماء تو خاموش رہے لیکن پیر سراج الحق صاحب جو مرزا صاحب کے مرید تھے اور مولوی رشید احمد گنگوہی کے ہم زلف تھے اُن کی ذاتی کوشش سے مولوی صاحب اس شرط پر مباحثے کے لئے تیار ہوئے کہ بحث تقریری یا صرف زبانی ہوگی اور تحریری ہرگز نہ ہوگی۔ حضرت مرزا صاحب نے جواباً لکھوایا کہ بحث تحریری ہونی چاہئے تا کہ چھپ سکے اور جو لوگ حاضر نہ ہوں وہ بھی بعد میں پڑھ کر حقیقت سے آگاہ ہو سکیں لیکن اگر مولوی صاحب کو منظور نہ ہو تو مباحثہ بے شک تقریری ہو لیکن وہ اس قدر اجازت دے دیں کہ مولوی صاحب تقریر کرتے جائیں اور کوئی دوسرا شخص آپ کی تقریر لکھتا جائے اور جب تک کوئی ایک شخص تقریر کر رہا ہو کسی دوسرے کو اس

دوران بولنے کی اجازت نہ ہو اور یہ مباحثہ لاہور جیسی مرکزی جگہ پر ہو۔ مولوی رشید احمد گنگوہی نے تینوں شرائط رڈ کر دیں اور کہا کہ دوران تقریر کسی ایک لفظ لکھنے کی اجازت نہ ہوگی۔ حاضرین میں سے جس کا جی چاہے دوران تقریر اپنے شکوک کو رفع کرنے کے لئے بول سکتا ہے اور یہ کہ میں لاہور نہیں آتا مرزا صاحب سہارن پور آجائیں۔ مرزا صاحب نے پھر پیر سراج الحق کے ذریعے لکھوایا کہ مرزا صاحب (مرزا غلام احمد قادیانی۔ اشتہار ۲۶ / مارچ ۱۸۹۱ء۔ مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد جلد اوّل صفحات ۲۰۲۔ ۲۰۳)

مولوی صاحب کا لاہور آنے جانے اور قیام کا خرچ دینے کو تیار ہیں تا کہ لاہور جیسے دار العلوم اور مخزن علم میں مباحثہ ہو سکے مگر مولوی صاحب راضی نہ ہوئے بالآخر حضرت مرزا صاحب نے لکھوایا کہ وہ خود سہارنپور آنے کے لئے تیار ہیں تا کہ کسی صورت مباحثہ ہو سکے اور ساتھ ہی لکھ دیا کہ وہ یعنی مولوی رشید احمد گنگوہی انتظامات کروالیں اور جہاں تک تحریری یا تقریری مباحثے کا سوال ہے یہ بوقت مباحثہ حاضری کی کثرت رائے سے طے ہوجائے گا۔ مولوی صاحب نے مباحثے کے انتظامات سے معذوری ظاہر کردی اور پھر بار بار کی یاددہانیوں پر بھی کچھ جواب نہ دیا اور اس طرح یہ مباحثہ نہ ہوسکا۔ (۲) اسی دوران پیر سراج الحق صاحب نے مشہور سجادہ نشینوں میاں اللہ بخش صاحب تونسوی سنگھڑوی اور شاہ نظام الدین صاحب بریلوی نیازی کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرف سے دعوت دی کہ وہ مرزا صاحب سے رُوحانی، باطنی اور علمی مقابلہ کریں جو وفات مسیح پر خواہ تحریری، خواہ باطنی قوت قلبی یا دُعا سے ہو تا حق ظاہر ہو اور باطل مٹ جائے۔ اس دعوتِ مقابلہ کا سنگھڑ سے تو کوئی جواب ہی نہ آیا البتہ شاہ نظام الدین صاحب نے معذرت کے ساتھ لکھا کہ "فقیر میں اتنی قوت نہیں ہے کہ جو مقابلہ کر سکے یا اسی باطنی اور روحانی طور سے مقابل پر کھڑا ہو سکے"۔ (پیر سراج الحق نعمانی ۱۹۰۳ء۔ تذکرہ المہدی۔ حصہ اوّل صفحات ۱۶۵ تا ۱۸۳ (تاریخ احمدیت جلد دوئم صفحات ۲۰۷ تا ۲۰۹)

(پیر سراج الحق نعمانی ۱۹۰۳ء۔ تذکرہ المہدی۔ حصہ اوّل صفحات ۱۶۵ تا ۱۸۳ (تاریخ احمدیت جلد دوئم صفحہ ۲۰۸) (۳) دسمبر ۱۸۹۱ء میں مرزا غلام احمد صاحب نے ایک مختصر رسالہ "آسمانی فیصلہ" لکھا۔ یہ جنوری ۱۸۹۲ء میں شائع ہوا۔ اس میں بھی آپ نے ایک دفعہ پھر میاں نذیر حسین دہلوی، مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی عبدالجبار صاحب، مولوی عبدالرحمن صاحب لکھوکے والے، مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی اور مولوی رشید احمد گنگوہی کو مخاطب کر کے بطور خاص ایک غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انتظام کے تحت چار اُمور میں مقابلے کی دعوت دی۔ ان میں الہامی بشارتیں، اخبار الغیب بسلسلہ حادثات اور زلازل، مصیبت زدوں کے لئے قبولیت دُعا اور

معارف قرآنی کی علامات میں مقابلہ کرنا تھا۔ مرزا غلام احمد صاحب نے لکھا کہ "اللہ جلشانہٗ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر میں اس مقابلہ میں مغلوب ہو گیا تو اپنے ناحق ہونے کا خود اقرار شائع کردوں اور پھر میاں نذیر حسین صاحب و شیخ بٹالوی کی تکفیر اور مفتری کہنے کی حاجت نہیں رہے گی اور اس صورت میں ہر ایک ذلت اور توہین اور تحقیر کا مستوجب و سزاوار ٹھہروں گا اور اسی جلسے میں اقرار بھی کردوں گا کہ میں خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہوں اور میرے تمام دعاوی باطل ہیں۔" (۴) مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے مباحثے کے چیلنج کے جواب میں مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی حضرت مرزا صاحب کے مباحثے کا چیلنج دیا۔ چونکہ مولوی صاحب موصوف بحث کے (مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ۱۸۹۲ء۔ آسمانی فیصلہ۔ صفحات ۲۷ تا ۳۵) دوران گندی زبان استعمال کرنے کے عادی تھے اس لئے مرزا صاحب کے چند ہمدردوں نے آپ کو مولوی صاحب سے مباحثہ کرنے سے منع کیا لیکن اس خیال سے کہ سنجیدہ بحث کے جواب میں مولوی صاحب کی بدزبانی عوام وخواص کے لئے باعث اطمینان نہیں ہوگی اس لئے وہ اس سے گریز پر مجبور ہوں گے۔ حضرت مرزا صاحب نے اس مباحثے سے تامل نہ کیا۔ یہ مباحثہ دس دن ۲۰ سے ۲۹ / جولائی ۱۸۹۱ء تک جاری رہا لیکن اصل موضوع پر بحث نہ ہو سکی۔ یہ بحث "مباحثہ الحق لدھیانہ" کے نام سے چھپ چکا ہے اور ہر خواہشمند اسے پڑھ سکتا ہے۔ مولوی محمد حسین بٹالوی یہ چاہتے تھے کہ بحث سے پہلے چند اُصول طے کر لئے جائیں جن میں سے وہ سب سے اہم اُصول یہ طے کرانا چاہتے تھے کہ قرآن شریف کو حدیث پر مقدم کرنا صحیح عقیدہ نہیں ہے۔ جب کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کا عقیدہ تھا کہ "کتاب اللہ مقدم اور امام ہے۔ جس امر میں احادیث نبویہ کے معانی جو کئے جاتے ہیں کتاب اللہ کے مخالف واقع نہ ہوں تو وہ معانی بطورِ حجت الشرعیہ کے قبول کئے جائیں گے لیکن جو معنی نصوص بینہ قرآنیہ سے مخالف واقع ہوں گے ان معنوں کو ہم ہرگز قبول نہیں کریں گے بلکہ جہاں تک ہمارے لئے ممکن ہوگا ہم اس حدیث کے ایسے معنی کریں گے جو کتاب اللہ کی نصِ بین کے موافق ومطابق ہوں اور اگر ہم کوئی ایسی حدیث پائیں گے جو مخالف نص قرآنی ہوگی اور کسی صورت میں ہم اُس کی تاویل کرنے پر قادر نہیں ہو سکیں گے تو ایسی حدیث کو ہم موضوع قرار دیں گے کیونکہ اللہ جلشانہٗ فرماتا ہے "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍ بَعْدَ اللّٰہِ وَاٰیٰتِہٖ یُؤْمِنُوْنَ" اگرچہ دس روز تک مرزا صاحب تفصیل کے ساتھ حدیث کے مقابلے میں قرآن کی اوّلیت پر دلائل دیتے رہے لیکن ہر دفعہ مولوی محمد حسین بٹالوی کا یہ جواب ہوتا کہ مرزا صاحب نے میرے سوال کا صاف جواب نہیں دیا۔ سامعین بھی مولوی صاحب کے روّیے سے تنگ آ گئے لیکن مولوی صاحب اصل موضوع بحث حیات و وفات مسیح کی طرف آنے سے گریز کرتے رہے۔ آخر جب

دِلی کے علماء نے مولوی صاحب کے اس گریز پر تنقید کی تو انہوں نے کہا کہ ''اصل بحث کس طرح کرتا... میں مرزا صاحب کو حدیثوں پر لاتا تھا وہ مجھے قرآن کی طرف لے جاتے تھے۔''

۷۔مباحثہ الحق دہلی

ا۔حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیان سے روانہ ہو کر ۲۹ ستمبر ۱۸۹۱ء کو دہلی پہنچے اور ۲/اکتوبر کو آپ نے بذریعہ اشتہار شیخ الکل مولوی سیّد نذیر حسین دہلوی اور شمس العلماء مولوی عبدالحق حقانی کو دعوت دی کہ وہ قرآن وحدیث کی رو سے وفات مسیح پر تحریری بحث کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ اس اشتہار کے نکلتے ہی شمس العلماء مولوی عبدالحق صاحب مرزا غلام احمد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور گزارش کی کہ'' حضرت میں آپ کا بچہ ہوں آپ میرے بزرگ ہیں۔آپ کا (مولوی عبدالکریم سیالکوٹی ۱۹۰۳ء۔مباحثہ الحق لدھیانہ (طبع دوم صفحات ۹۔۲۱۰) پیر سراج الحق نعمانی ۱۹۰۳ء۔تذکرہ المہدی۔حصہ اوّل صفحہ ۳۵۶) مقابلہ بھلا مجھ جیسا ناچیز آدمی کیا کرسکتا ہے۔ میرا نام اشتہار مباحثہ سے کاٹ دیں۔ میں ایک فقیر، گوشہ نشین اور ایک زاویہ گزین درویش ہوں اور مباحثات سے مجھے کوئی سروکار نہیں۔'' (مرزا غلام احمد صاحب نے ان سے کہا۔ اچھا آپ اپنے ہاتھ ہی سے اپنا نام کاٹ دیں۔

چنانچہ انہوں نے اپنا نام اپنے ہاتھ سے کاٹ دیا۔(اس دوران مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بھی دہلی پہنچ گئے اور انہوں نے مولوی نذیر حسین صاحب کو مرزا صاحب کے مقابلے پر آنے کے لئے اُکسانا شروع کر دیا۔ مولوی سیّد نذیر حسین صاحب نے اُنہیں کہا کہ بڑھاپے میں مجھے رُسوا نہ کرواور اس قصے کو جانے ہی دو۔ حضرت مسیح کی جسمانی زندگی کا ثبوت کہیں بھی نہیں مل سکتا۔(لیکن مولوی محمد حسین بٹالوی نے مولوی نذیر حسین کو تیار کرلیا اور مرزا صاحب کو اطلاع دیئے بغیر ایک دن مباحثے کا مقرر کر دیا اور ساتھ ہی مفسدین کو جمع کر کے مرزا صاحب کی جائے رہائش کا محاصرہ کرلیا تا کہ آپ مکان سے نکل ہی نہ سکیں اور اس طرح آپ کی شکست کو مشتہر کر دیا جائے۔ ۱۷/اکتوبر ۱۸۹۱ء کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ایک اور اشتہار شائع کر کے مولوی سیّد نذیر حسین صاحب کو مخاطب کیا کہ اب ہم نے اپنی حفاظت کا انتظام کرلیا ہے۔ مولوی صاحب جہاں چاہیں گے مباحثہ کے لئے حاضر ہو جاؤں گا ہرگز تخلف نہیں کروں گا۔ مرزا صاحب نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ اگر بحث نہیں کرنا چاہتے تو ایک (پیر سراج الحق نعمانی ۱۹۰۳ء۔تذکرۃ المہدی حصہ اوّل صفحات ۲۲۴ تا ۲۲۶) (پیر سراج الحق نعمانی ۱۹۰۳ء۔تذکرۃ المہدی حصہ اوّل صفحات ۳۴۴) مجلس میں میرے تمام دلائل سُن کر تین مرتبہ قسم کھا کر کہہ دیں کہ یہ دلائل صحیح نہیں ہیں اور صحیح اور یقینی امر یہی ہے کہ حضرت مسیح ابن مریم زندہ بجسد عنصری آسمان کی طرف اُٹھائے گئے ہیں اور یہی میرا عقیدہ ہے۔اس پر اگر ایک سال کے اندر اندر آپ خدا کے عبرتناک عذاب سے بچ نکلیں تو میں جھوٹا ہوں۔

چنانچہ دِلی کے لوگوں کے مجبور کرنے پر اس مقصد کے لئے ہزاروں لوگوں کا ایک اجتماع ۲۰/اکتوبر ۱۸۹۱ء کو دِلی کی جامع مسجد میں جمع ہوا۔حضرت مرزا صاحب کو قتل کی متعدد دھمکیاں مل رہی تھیں لیکن پھر بھی آپ ظہر اور عصر کی نمازیں۔ظہر کے وقت جمع کر کے اپنے احباب کے ہمراہ جامع مسجد کے محراب کے پاس جا پہنچے۔ تھوڑی دیر کے بعد مولوی نذیر حسین صاحب مع مولوی محمد حسین بٹالوی، مولوی عبدالمجید انصاری وغیرہ بھی مسجد میں تشریف لے آئے۔لوگ منتظر تھے کہ مباحثہ شروع ہو یا مولوی سیّد نذیر حسین قسم کھالیں تا کہ کوئی فیصلہ ہو لیکن جب کافی انتظار کے بعد بھی مولوی صاحب مرزا صاحب کی طرف راغب نہیں ہوئے تو مولوی سیّد نذیر حسین صاحب جو سخت پریشان نظر آرہے تھے مرزا صاحب نے اُن کی طرف ایک رُقعہ لکھ کر اُنہیں دعوت دی کہ وہ آکر بحث شروع کریں یا مؤکدبعذاب قسم ہی کھائیں لیکن مولوی نذیر حسین صاحب نے آخر کار ہر چیز سے انکار کر دیا اور پولیس افسر جو امن وامان کا ذمہ دار تھا اس کے سامنے یہ عُذر پیش کر دیا کہ یہ شخص (یعنی مرزا صاحب) عقائد اسلام سے منحرف ہے جب تک اپنے عقائد کا ہم سے تصفیہ نہ کرلے ہم حیات ووفات مسیح کے بارے میں اس سے ہرگز بحث نہیں کریں گے۔(پیر سراج الحق نعمانی ۱۹۰۳ء۔تذکرۃ المہدی حصہ اوّل صفحات ۳۴۹۔۳۵۰) (۲) مرزا غلام احمد صاحب کے ہاتھوں مولوی سیّد نذیر حسین صاحب اور ان کے ساتھیوں کی کھلی ہزیمت دہلی کے مخالف مسلمانوں کے لئے بڑی تکلیف دہ تھی۔شرفاء نے بھی اس بات کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا کہ ایک علمی اور خالصتاً مذہبی بحث کی دعوت دینے والے کو جواب میں پتھر، گالیاں اور استہزاد یا گیا۔انہی میں علی جان والے بھی شامل تھے جو عقیدتاً اہل حدیث تھے۔اُن کا خیال تھا کہ اگر حیات مسیح جیسے مسئلہ پر بحث کرنے کے لئے کوئی بھی اہل حدیث عالم حضرت مرزا صاحب کے مقابلے پر نہ آیا تو اس عقیدے کو شدید ضعف پہنچے گا اس لئے انہوں نے دہلی کے علماء سے مایوس ہو ضلع بدایوں کے ایک مشہور اور جید عالم مولوی محمد بشیر صاحب کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے ساتھ حیات مسیح پر مباحثے کے لئے تیار کیا۔مولوی صاحب موصوف، مولانا سیّد محمد احسن صاحب امروہی کے ساتھ نواب صدیق حسن خان آف بھوپال کے قائم کردہ اشاعتی ادارے سے منسلک تھے۔وفات مسیح کے مسئلہ پر مرزا صاحب نے ۱۸۹۰ء میں جب خدا تعالیٰ سے الہام کی بنا پر اظہار خیال کیا تھا تو اس وقت سے

ہی دونوں علماء کے درمیان تبادلۂ خیالات ہوتا رہتا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مولانا سیّد محمد احسن صاحب امروہی تو حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی بیعت کر کے جماعت احمدیہ میں داخل ہو گئے لیکن مولوی سیّد بشیر صاحب عوام کی ناراضگی کے خوف سے ایسا نہ کر سکے۔(بالآخر حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور مولوی محمد بشیر صاحب کے درمیان دہلی (مباحثۃ الحق دہلی ۱۹۰۵ء - مطبع ضیاء الاسلام - قادیان صفحات ۹۴-۹۵) میں مباحثہ ہوا جو بعد میں مباحثۃ الحق دہلی کے نام سے شائع ہوا۔مباحثہ شرائط کے مطابق جاری نہ رہ سکا۔مباحثے کی ایک شرط تو یہ تھی کہ فریقین نے جو کچھ بحث میں لکھنا ہوگا وہ سب جائے مباحثہ پر ہی لکھنا ہوگا نہ کہ پہلے سے کچھ لکھا ہوا پیش کیا جائے۔مولوی محمد بشیر صاحب نے پہلے ہی دن اس شرط کو توڑ دیا اور وہ اس طرح کہ مولوی صاحب نے مرزا صاحب سے درخواست کی کہ وہ ایک کونے میں بیٹھ کر اطمینان سے اپنا پہلا مضمون لکھنا چاہتے ہیں۔یہ کہہ کر وہ ایک گوشے میں چلے گئے اور اپنے پہلے سے لکھے ہوئے مضمون کو جو وہ گھر سے لائے تھے دوسرے کاغذ پر نقل کرنا شروع کر دیا۔جب اُن سے پہلے سے طے شدہ شرائط کی خلاف ورزی کی طرف توجہ دلائی گئی تو انہوں نے کچھ توجیہات پیش کیں کہ پورا مضمون نہیں بلکہ صرف کچھ حوالہ جات لکھے ہوئے ہیں۔اُن سے درخواست کی گئی کہ لکھا ہوا مضمون ہی دے دیں تاکہ وقت ضائع نہ ہو اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب جواب لکھ سکیں۔چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے اوّل سے آخر تک ان کے مضمون پر تیز نظر دوڑائی اور جواب لکھنا شروع کر دیا۔مرزا صاحب نے جواب اس قدر تیزی سے لکھنا شروع کیا کہ زودنویس بھی حیران رہ گئے اور مولوی سیّد محمد بشیر صاحب بھی گھبرا گئے کہ ان سے اس روانی سے جواب لکھنا ممکن نہ ہو سکے گا۔چنانچہ پہلے ہی دن مولوی صاحب نے مرزا صاحب سے درخواست کی کہ اگر وہ اجازت دیں تو مولوی صاحب اپنا جواب گھر سے لکھ کر لائیں۔ ۲۳/اکتوبر سے ۲۷/اکتوبر ۱۸۹۱ء تک یہ مباحثہ جاری رہا اور فریقین کی طرف سے پانچ پانچ کی بجائے ابھی تین تین پرچے ہوئے تھے کہ مرزا صاحب نے اس مباحثے کو مزید جاری رکھنے سے ختم کر دیا۔اس کی کئی وجوہ تھیں۔ایک تو یہ کہ مولوی سیّد محمد بشیر صاحب نے پہلے ہی دن سے رُوبرو بیٹھ کر لکھنے سے اپنے عجز کا اعتراف کر لیا تھا۔اگر گھر بیٹھ کر ہی جواب لکھنا ہے تو پھر مباحثہ بذریعہ مراسلت قادیان اور دہلی میں بیٹھ کر بھی ہو سکتا ہے کیونکہ آمنے سامنے بیٹھ کر لکھنے میں جو حکمتیں پوشیدہ ہیں وہ گھر سے لکھ کر لانے میں ظاہر نہیں ہو سکتیں۔دوسری وجہ یہ تھی کہ مولوی سیّد محمد بشیر صاحب ابھی تک اس بات کے اقرار پر تیار نہ تھے کہ حیاتِ مسیح کے ثبوت مہیا کرنا ان کی ذمہ داری ہے اس لئے مرزا صاحب کا کہنا تھا کہ اگر مباحثہ کا اصل موضوع ہی اختلاف کی زد میں آجائے تو پھر بحث کس بات پر جاری رکھی جائے۔

مرزا غلام احمد صاحب نے مولوی سیّد محمد بشیر صاحب کے آخری مضمون پر مندرجہ ذیل تبصرہ کیا۔

''حضرت مولوی صاحب (مولوی سیّد بشیر صاحب -ناقل) نے اپنے اس دعویٰ کی تائید میں کہ حضرت مسیح جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہیں پانچ آیتیں اپنی طرف سے پیش کی تھیں۔پھر چار آیتوں کو تو خود اس اقرار کے ساتھ چھوڑ دیا کہ ان سے حضرت مسیح کا جسم خاکی کے ساتھ زندہ ہونا قطعی طور پر ثابت نہیں ہوتا...اور تمام مدار اپنے دعوے کا اس آیت پر رکھا جو سورہ النساء میں موجود ہے اور وہ یہ ہے وَاِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ مولوی صاحب اس آیت کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی جسمانی زندگی پر قطعی دلالت قرار دیتے ہیں اور فرماتے (دوست محمد شاہد ۱۹۵۹ء-تاریخ احمدیت جلد دوم صفحات ۲۴۷-۲۴۸) ہیں کہ اس آیت کے قطعی طور پر یہی معنی ہیں کہ کوئی اہل کتاب میں سے ایسا نہیں کہ جو عیسیٰ پر اُس کی موت سے پہلے ایمان نہیں لائے گا اور چونکہ اب تک تمام اہل کتاب کیا عیسائی اور کیا یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر سچا اور حقیقی ایمان نہیں لائے بلکہ کوئی اُن کو خدا قرار دیتا ہے اور کوئی اُن کی نبوت کا منکر ہے۔اس لئے ضروری ہے کہ حسبِ منشاء اس آیت کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اُس زمانہ تک زندہ تسلیم کر لیا جائے جب تک کہ سب اہل کتاب اس پر ایمان لے آویں۔مولوی صاحب اس بات پر حد سے زیادہ ضد کر رہے ہیں کہ ضرور یہ آیت موصوفہ بالا حضرت مسیح کی جسمانی زندگی پر قطعی طور پر دلالت کرتی ہے اور یہی صحیح معنے اس کے ہیں کسی دوسرے معنے کا احتمال اس میں ہرگز نہیں اور اس بات کو قبول کرتے ہیں کہ گویا بعض صحابہ اور تابعین اور مفسرین نے اور بھی کتنے معنے اس آیت کے کئے ہیں مگر وہ معنے صحیح نہیں ہیں...اور فرماتے ہیں کہ جو حضرت ابن عباس وغیرہ صحابہ نے اس کے مخالف معنے کئے ہیں...یہ معنے ان کی نحو کے اجماعی قاعدہ کے مخالف ہیں...سو مولوی صاحب کی اس تقریر کا حاصل کلام یہ معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ ابن عباس، عکرمہ اور ابی ابن کعب وغیرہ نحو نہیں پڑھے ہوئے تھے اس لئے وہ ایسی صریح غلطیوں میں ڈوب گئے جو انہیں وہ قاعدہ یاد نہ رہا جس پر تمام نحویوں کا اجماع اور اتفاق ہو چکا تھا۔...ابن عباس اور عکرمہ پر یہ الزام دینا کہ وہ نحوی قاعدہ سے بےخبر تھے میری سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مولوی صاحب یا کسی اور کا حق ہے کہ ان بزرگوں پر ایسا الزام رکھ سکے جن کے گھر سے ہی نحو نکلی ہو۔ظاہر ہے کہ نحو کو ان کے محاورات اور ان کے فہم کے تابع ٹھہرانا ہوگا نہ کہ اُن کی بول چال اور ان کے فہم کا محکم اپنی خود تراشیدہ نحو کو قرار دیا جائے۔''

VI-حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرف سے مخالف

علماء کو مباہلے کی پہلی دعوت

اب تک حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اپنے دعاوی (باب دوئم) کی سچائی ثابت کرنے کے لئے علماء سجادہ نشینوں اور دیگر مکفرین کو مباحثوں کی دعوت دیتے چلے آرہے تھے لیکن بہت سے مولوی صاحبان مرزا صاحب کو مسلسل کافر کہتے رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے پہلی دفعہ ۱۰ر دسمبر ۱۸۹۲ء کو بذریعہ اشتہار ایسے تمام علماء خصوصاً مولوی نذیر حسین دہلوی، مولوی محمد حسین بٹالوی اور دیگر سرکردہ مولوی صاحبان کو مباہلے کی درخواست کی اور اُن کو دسمبر ۱۸۹۲ء سے چار ماہ کی مہلت دی تاکہ اس دوران وہ مباہلے کے لئے شرائط طے کرلیں۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے یہ دعوت مباہلہ فرداً فرداً تمام مکفر علماء کو بھیجی لیکن ہزاروں علماء میں سے صرف مولوی عبدالحق صاحب غزنوی اور مولوی محمد حسین بٹالوی چند شرائط پر مباہلے کے لئے تیار ہوئے۔ مباہلے کے لئے ۲۷ مئی ۱۸۹۳ء کا دن امرتسر کا عیدگاہ کا میدان، متصل مسجد خان بہادر حاجی محمد شام قرار پایا۔ چنانچہ حضرت مرزا صاحب نے امرتسر کے مسلمانوں کو الحق مباحثہ۔ دہلی ۱۹۰۵ء۔ صفحات ۷۷۔۸۷) مخاطب کرکے اشتہار دیا کہ ''اے برادران اسلام! کل دہم ذیقعد وشنبہ کو بمقام مندرجہ عنوان میاں عبدالحق غزنوی اور بعض دیگر علماء جیسا کہ انہوں نے وعدہ کیا ہے اس عاجز سے اس بات پر مباہلہ کریں گے کہ وہ لوگ اس عاجز کو کافر اور دجال اور بے دین اور دشمن اللہ جلشانہٗ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سمجھتے ہیں اور اس عاجز کی کتابوں کو مجموعہ کفریات خیال کرتے ہیں اور اس طرف یہ عاجز نہ صرف اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہے بلکہ اپنے وجود کو اللہ اور اس کی راہ میں فدا کئے بیٹھا ہے...۔ اگر میری کتابیں خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودہ کے مخالف اور کفر سے بھری ہوئی ہیں تو خدا تعالیٰ وہ لعنت اور عذاب میرے پر نازل کرے جو ابتدائے دنیا سے آج تک کسی کافر، بے ایمان پر نہ کی ہو...۔ بڑے ثواب کی بات ہوگی اگر آپ صاحبان کل دہم ذیقعد کو دو بجے کے وقت عیدگاہ میں مباہلہ میں آمین کہنے کے لئے تشریف لاویں'' (۲۷ مئی ۱۸۹۳ء کے دن ۲ بجے کثیر تعداد میں امرتسر اور نواح کے لوگ مباہلہ دیکھنے کے لئے جمع ہوگئے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب مع احباب کے دو بجے عیدگاہ میدان میں پہنچ گئے۔ تھوڑی دیر بعد مولوی حسین بٹالوی بھی تشریف لے آئے اور آتے ہی عیدگاہ کے منبر پر کھڑے ہوکر گالیوں سے بھرپور تقریر شروع کردی حالانکہ یہ (مرزا غلام احمد قادیانی۔ اشتہار ۲۶ مئی ۱۸۹۳ء)

(مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد صاحب جلد ا صفحات ۴۲۶۔۴۲۷)

پہلے طے ہوچکا تھا کہ کوئی فریق مباہلے کے علاوہ کوئی تقریر کرنے کا مجاز نہیں ہوگا۔ حاضرین نے طے شدہ شرائط کی خلاف ورزی اور گندی تقریر کو سخت ناپسند کیا۔ خواجہ یوسف شاہ صاحب رئیس امرتسر، منشی غلام قادر فصیح اور دیگر معززین کے مجبور کرنے کے باوجود مولوی صاحب مباہلے پر راضی نہ ہوئے۔ ان معززین کی کوششوں کو رائیگاں جاتا دیکھ کر مرزا صاحب اپنے طور پر مولوی عبدالحق صاحب کے ساتھ مباہلے کے لئے کھڑے ہوگئے اور خدا تعالیٰ سے صرف اپنے لئے دُعا کی کہ اگر میں اپنے دعوے میں جھوٹا ہوں تو خدا تعالیٰ مجھے ہلاک کردے۔ تین بار دُعا کے الفاظ دُہرائے لیکن مولوی عبدالحق کے لئے کوئی بددُعا نہ کی، دوسری طرف نہ صرف مولوی عبدالحق صاحب اور دیگر مولوی صاحبان نے جوابی مباہلہ نہ کیا بلکہ اس یک طرفہ مباہلے کے اختتام پر مولوی صاحبان نے حضرت مرزا صاحب کے دعاوی پر بحث کرنے کے لئے شور مچادیا۔ حضرت مرزا صاحب نے بحث بھی منظور کرلی لیکن مولوی صاحبان نے اپنے درمیان مشورہ کرنے کے لئے کچھ مہلت مانگی اور مشورے کے بہانے مسجد محمد جان کے حجرے میں چھپ کر باہر سے قفل لگالیا۔ جب وہاں بھی لوگوں نے ڈھونڈ لیا تو مولوی غلام اللہ قصوری نے علماء کو یہ مشورہ دیا کہ مرزا صاحب سے بحث سے انکار نہ کرنا یہ کہہ دو کہ بحث تو ہوگی مگر کابل یا مکہ معظّمہ یا مدینہ منورہ میں ہوگی نہ وہاں جائیں گے نہ مباحثہ ہوگا۔''

(شیخ نور احمد صاحب۔ رسالہ نور احمد۔ نمبر ا صفحات ۳۳ تا ۳۵ (تاریخ احمدیت جلد ۲ صفحات ۳۷۷ تا ۳۸۰)

ہندوستان میں ترکی کے وائس کونسل جناب حسین کامی کی طرف سے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی مخالفت اور اس کا انجام:

ا۔ جناب حسین کامی ۱۸۹۷ء میں سلطنت ترکی کی طرف سے ہندوستان میں وائس کونسل تھے اور کراچی میں مقیم تھے۔ اپریل رمئی ۱۸۹۷ء میں جب لاہور آئے تو مسلمانان لاہور کی طرف سے خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید ثانی کے ساتھ گہری عقیدت کے باعث حسین کامی صاحب کا شاندار استقبال کیا گیا۔ اس موقع پر جماعت احمدیہ لاہور کے بعض اصحاب نے اُن سے ملاقات کی اور جماعت کا لٹریچر بھی دیا۔ اس ملاقات سے متاثر ہوکر جناب حسین کامی صاحب نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب سے ملاقات کی خواہش ظاہر کی اور ایک تحریری درخواست حضرت مرزا صاحب کی خدمت میں بھجوائی۔ انہوں نے اس درخواست میں جو فارسی زبان میں تھی اِن القابات سے مخاطب کیا۔'' جناب مستطاب معلّی القاب فدوۃ المحققین قطب العارفین حضرت پیر دستگیر حضرت مرزا غلام احمد صاحب دام کراماتہٗ...''

حضرت مرزا غلام احمد صاحب کی اجازت ملنے پر جناب حسین کامی صاحب ۱۰ / ۱۱ رمئی ۱۸۹۷ء کو نماز عشاء کے وقت قادیان پہنچے دوسرے روز مرزا صاحب سے

علیحدگی میں ملاقات کی درخواست کی مرزا صاحب نے ان کو مہمان سمجھ کر قابل التفات سمجھا اور (مرزا غلام احمد قادیانی۔اشتہار ۲۴رمئی ۱۸۹۷ء۔مجموعہ اشتہارات جلد دوئم صفحہ ۴۱۸) اپنے مزاج کے خلاف اس سے خلوت میں ملاقات کی جس کے دوران جناب حسین کامی صاحب نے سلطان ترکی (سلطان روم) کے لئے خاص دُعا کی درخواست کی اور یہ بھی چاہا کہ آئندہ قضاء قدر سے جو آنے والا ہے اس سے بھی مطلع کیا جاوے۔مرزا صاحب نے اس کو صاف بتلا دیا کہ ''سلطان کی حالت اچھی نہیں ہے اور یہ کشفی طریق سے اس کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں۔'' مرزا صاحب نے کئی اشارات سے اس بات پر بھی زور دیا کہ ''رومی (یعنی ترکی۔ناقل) سلطنت خدا کے نزدیک کئی باتوں میں قصوروار ہے اور خدا سچے تقویٰ اور طہارت اور نوع انسانی کی ہمدردی کو چاہتا ہے۔اور روم کی موجودہ حالت بربادی کو چاہتی ہے۔توبہ کرو تا نیک پھل پاؤ۔'' ''اوّل اس کشف کا نشانہ تم ہو اور تمہارے حالات کشف کی رُو سے اچھے معلوم نہیں ہوتے'' یہ الہامی باتیں جو حضرت مرزا صاحب نے وائس کونسل ترکی کو اس کی اپنی درخواست کے (مرزا غلام احمد قادیانی۔اشتہار ۲۴رمئی ۱۸۹۷ء۔مجموعہ اشتہارات جلد دوئم صفحہ ۴۱۸) (مرزا غلام احمد قادیانی۔اشتہار ۲۴رمئی ۱۸۹۷ء۔مجموعہ اشتہارات جلد دوئم صفحہ ۴۱۶) (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۰ء۔تریاق القلوب صفحہ ۲۸۱) جواب میں ازراہ ہمدری بتائی تھیں اور ان سے سلطان ترکی کی شان میں بے ادبی کرنا مقصود نہ تھا۔ان کو سُن کر جناب حسین کامی صاحب حیرت زدہ ہو گئے اور اُنہوں نے مرزا صاحب کے انکشافات کا بہت بُرا منایا۔قادیان سے واپس جانے کے بعد جناب حسین کامی صاحب نے مرزا غلام احمد صاحب کے خلاف ایک نہایت اہانت آمیز خط لکھ کر شیعہ مکتبہ فکر کے ایک اخبار ناظم الہند لاہور کی ۱۵رمئی ۱۸۹۷ء کی اشاعت میں چھپوا دیا۔اس خط میں جناب حسین کامی صاحب نے مرزا صاحب کے خلاف بہت گندے اور اخلاق سے گرے ہوئے الفاظ استعمال کئے جن میں مرزا صاحب کو نمبر و داور شداد اور شیطان لکھا نیز جھوٹا اور مردود قرار دے کر حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو مورد غضب الٰہی قرار دیا۔

یہ خط ہی کیا کم تھا کہ اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اسی اشاعت میں ایڈیٹر ناظم الہند نے اپنی طرف سے یہ اضافہ کیا کہ ''یہ نائب خلیفۃ اللہ سلطان روم (یعنی حسین کامی۔ناقل) جو پاک باطنی اور دیانت اور امانت کی وجہ سے سراسر نور ہیں یہ اس لئے قادیان میں بلائے گئے ہیں تا مرزائے قادیان اپنے افترا سے اس نائب الخلافت یعنی مظہر انوار الٰہی کے ہاتھ پر توبہ کرے اور آئندہ اپنے تئیں مسیح موعود ٹھہرانے سے باز آجائے''

(حسین کامی۔وائس کونسل ترکی ۱۸۹۷ء۔خط اخبار ناظم الہند۔لاہور ۱۵رمئی ۱۸۹۷ء)

(مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد قادیانی۔حصہ دوئم۔صفحات ۴۱۸-۴۱۹)

ایڈیٹر اخبار ناظم الہند لاہور۔۱۵رمئی ۱۸۹۷ء (تریاق القلوب۔مرزا غلام احمد قادیانی صاحب ۱۹۰۰ء صفحہ ۲۷۹) ۲۔جناب حسین کامی۔وائس کونسل ترکی کی مرزا صاحب کے ساتھ اس طرح پیدا شدہ عداوت کو بہت سے مخالفین اور اخباروں نے مسلمانوں میں مرزا صاحب کے خلاف اشتعال پیدا کرنے کے لئے خوب استعمال کیا چنانچہ مرزا صاحب نے ۲۴رمئی ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار شائع کیا جس میں جناب حسین کامی صاحب کی غلط بیانیوں اور ایڈیٹر اخبار ناظم الہند کے اپنی طرف سے ریمارکس کا خاص طور پر جواب دیا۔مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ''میں مکرر ناظرین کو اس طرف توجہ دلاتا ہوں کہ مجھے اس سفیر کی ملاقات کا ایک ذرّہ شوق نہ تھا بلکہ جب میں نے سُنا کہ لاہور کی میری جماعت اس سے ملی ہے تو میں نے بہت افسوس کیا اور ان کی طرف ملامت کا خط لکھا کہ یہ کاروائی میرے منشاء کے خلاف کی گئی ہے۔پھر آخر سفیر نے لاہور سے ایک انکساری کا خط میرے طرف لکھا کہ میں ملنا چاہتا ہوں۔سو اس کے الحاح پر میں نے اس کو قادیان آنے کی اجازت دے دی لیکن اللہ جلشانہ جانتا ہے جس پر جھوٹ باندھنا لعنت کا داغ خریدنا ہے کہ اس عالم الغیب نے مجھے پہلے سے اطلاع دے دی تھی کہ اس شخص کی سرشت میں نفاق کی رنگ آمیزی ہے''

''اللہ تعالیٰ اس بات پر گواہ ہے کہ مجھے دنیاداروں اور منافقوں کی ملاقات سے اس قدر بیزاری اور نفرت ہے جیسا کہ نجاست سے۔مجھے نہ (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۰۷ء اشتہار ۲۴رمئی ۱۸۹۷ء (مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد۔حصہ ۲ صفحہ ۴۱۷) کچھ سلطان روم (یعنی سلطان ترکی۔ناقل) کی حاجت ہے اور نہ اس کے کسی سفیر کی ملاقات کا شوق ہے۔میرے لئے ایک سلطان کافی ہے جو آسمان اور زمین کا حقیقی بادشاہ ہے اور میں اُمید رکھتا ہوں کہ قبل اس کے کہ کسی دوسرے کی طرف مجھے حاجت پڑے اس عالم سے گزر جاؤں۔آسمان کی بادشاہت کے آگے دنیا کی بادشاہت اس قدر بھی مرتبہ نہیں رکھتی جیسا کہ آفتاب کے مقابلہ پر ایک کیڑا مرا ہوا۔پھر جب کہ ہمارے بادشاہ کے آگے سلطان روم ہیچ ہے تو اس کا سفیر کیا چیز''

(جب حسین کامی صاحب وائس کونسل ترکی کا ۱۵رمئی ۱۸۹۷ء کے اخبار ناظم الہند لاہور میں چھپا ہوا خط راولپنڈی کے ایک دقیع عالم اور رئیس راجہ جہاں داد کی نظر سے گزرا تو انہوں نے بھی مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے متعلق بہت سے نازیبا الفاظ استعمال کئے۔گو انہوں نے خود تو کوئی مضمون مرزا صاحب کے خلاف نہیں لکھا لیکن ان کے تبصرے کو زیر بحث بنا کر اخبار چودھویں صدی نے ۱۵رجون ۱۸۹۷ء کی اشاعت میں سلطان ترکی کے بہانے سے مرزا صاحب کے متعلق سخت توہین

آمیز، تحقیر اور استہزا پر مبنی جملے لکھے۔ مرزا صاحب نے چودھویں صدی میں چھپنے والے اس مضمون کا جواب ۲۵ / جون ۱۸۹۷ء کو ایک اشتہار کے ذریعے دیا۔ اس میں آپ نے لکھا کہ ”جب یہ اخبار چودھویں صدی میرے رُوبرو پڑھا گیا تو میری مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۰۷ء اشتہار ۲۴ مئی ۱۸۹۷ء (مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد۔حصہ ۲ صفحہ ۴۱۵) روح نے اس مقام میں بددُعا کے لئے حرکت کی جہاں یہ لکھا ہے کہ ”ایک بزرگ نے جب یہ اشتہار (یعنی اِس عاجز کا اشتہار) پڑھا تو بے ساختہ ان کے منہ سے یہ شعر نکل گیا۔

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد...م
یلش اندر طعنہ پاکاں بُرد...

میں نے ہر چند اسی رُوحی حرکت کو روکا اور دبایا اور بار بار کوشش کی کہ یہ بات میری روح میں سے نکل جائے مگر وہ نہ نکل سکی تب میں نے سمجھا کہ وہ خدا کی طرف سے ہے۔تب میں نے اس شخص کے برے میں دعا کی جس کو بزرگ کے الفاظ سے اس اخبار میں لکھا گیا ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ دُعا قبول ہوگئی اور وہ دُعا یہ ہے کہ یاالٰہی اگر تو جانتا ہے کہ میں کذاب ہوں اور تیری طرف سے نہیں ہوں اور جیسا کہ میری نسبت کہا گیا ہے ملعون اور مردود ہوں، کاذب ہوں اور تجھ سے میرا تعلق اور تیرا مجھ سے نہیں تو میں تیری جناب میں عاجزانہ عرض کرتا ہوں۔ کہ مجھے ہلاک کر ڈال اور اگر تو جانتا ہے کہ میں تیری طرف سے ہوں اور تیرا بھیجا ہوا ہوں اور مسیح موعود ہوں تو اس شخص کے پردے پھاڑ دے جو بزرگ کے نام سے اس اخبار میں لکھا گیا ہے لیکن اگر وہ اس عرصہ میں قادیان میں آکر مجمع عام میں توبہ کرے تو اسے معاف فرما کہ تو رحیم وکریم ہے۔ یہ دعا ہے کہ میں نے بزرگ کے حق میں کی مگر مجھے اس بات کا علم نہیں ہے کہ یہ بزرگ کون ہے اور کہاں رہتے ہیں اور کس مذہب اور قوم کے ہیں جنہوں نے مجھے کذاب ٹھہرا کر میری پردہ دری کی پیشگوئی کی اور نہ مجھے جاننے کی کچھ ضرورت ہے مگر اس شخص کے اس کلمہ سے میرے دل کو دُکھ پہنچا اور ایک جوش پیدا ہوا تب میں نے دعا کر دی اور یکم جولائی ۱۸۹۷ء سے یکم جولائی ۱۸۹۸ء تک اس کا فیصلہ کرنا خدا تعالیٰ سے مانگا ہے۔ اور بزرگ مذکور جس نے ہماری پردہ دری کے پیشگوئی کی اس بات کو یاد رکھے کہ ہماری طرف سے اس میں کچھ زیادت نہیں۔ انہوں نے پیشگوئی کی اور ہم نے بددُعا کی۔ آئندہ ہمارا اور اُن کا خدا تعالیٰ کی جناب میں فیصلہ ہے ...اب حقیقت میں جو رُوسیاہ ہے وہی روسیاہ ہوگا۔ اس بزرگ کو رُوم کے ایک ظاہری فرمانروا کے لئے جوش آیا اور خدا کے قائم کردہ سلسلہ پر تھوکا اور اس کے مامور کو پلید قرار دیا حالانکہ سلطان کے بارے میں میں نے ایک لفظ بھی منہ سے نہیں نکالا تھا...لیکن پھر بھی اس بزرگ نے وہ شعر میری نسبت پڑھا کہ شائد مثنوی کے مرحوم مصنف نے نمرود وشداد اور ابوجہل اور ابولہب کے حق میں بیان کیا ہوگا۔“
(مرزا غلام احمد قادیانی۔اشتہار ۲۵ / جون ۱۸۹۷ء مجموعہ اشتہارات۔ مرزا غلام احمد حصہ دوئم صفحات ۴۳۱ تا ۴۴۲)

حسین کامی اور مرزا غلام احمد صاحب کے درمیان قضیے کے انجام

حسین کامی وائس کونسل ترکی اور حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے درمیان پیدا ہونے والے قضیئے کے نتیجے میں مرزا صاحب نے تین فریقوں کے بارے میں پیشگوئیاں کیں۔ ۱۔سلطان ترکی کے ارکین کی حالت اچھی نہ ہونا اور انجام اچھا نہ ہونا ۔ ۲۔حسین کامی کی سرشت میں منافقت کا ہونا۔ ۳۔چودھویں صدی رسالہ میں درج ”بزرگ“ کی توبہ نہ کرنے کی صورت میں پردہ دری۔ اس قضیے کو گزرے ۹۰ سال سے زائد ہو چکے ہیں اور تینوں پیشگوئیوں کے انجام کا تاریخی ثبوت حیرت انگیز اور عبرتناک ہے ملاحظہ فرمایئے۔ ۱۔اخبار چودھویں صدی میں مذکور بزرگ کی توبہ: اخبار چودھویں صدی نے حسین کامی کے قضیے میں جن بزرگ کا حوالہ دیا تھا وہ راجہ جہانداد خاں رئیس راولپنڈی تھے۔ اگرچہ حضرت مرزا صاحب کی طرف سے انہیں معافی کے لئے ایک سال کا عرصہ دیا گیا تھا مگر وہ چند ماہ کے اندر ہی عاجزانہ طور پر حضرت مرزا صاحب سے معافی کے خواستگار ہوئے۔ انہوں نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو خط لکھا کہ ”سیّدی و مولائی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ایک خطا کار اپنی غلط کاری سے اعتراف کرتا ہوا (اس نیاز نامہ کے ذریعے سے) قادیان کے مبارک مقام پر (گویا) حاضر ہو کر آپ کے رحم کا خواستگار ہوتا ہے۔ یکم جولائی ۹۷ء سے یکم جولائی ۹۸ء تک جو اس گنہگار کو مُہلت دی گئی اب آسمانی بادشاہت میں آپ کے مقابلہ میں اپنے آپ کو مُجرم قرار دیتا ہوں۔ (اس موقعہ پر مجھے القا ہوا کہ جس طرح آپ کی دُعا مقبول ہوئی اسی طرح میری التجاو عاجزی قبول ہو کر حضرت اقدس کے حضور معافی و رہائی دی گئی)...اس وقت تو میں ایک مجرم گنہگاروں کی طرح آپ کے حضور میں کھڑا ہوتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں۔ (مجھ کو حاضر ہونے میں بھی کچھ عذر نہیں مگر بعض حالات میں حاضری سے معاف کیا جانے کا مستحق ہوں) شاید جولائی ۱۸۹۸ء سے پہلے حاضر ہی ہو جاؤں۔ اُمید ہے کہ بارگاہ قُدوس سے بھی آپ کو راضی نامہ دینے کے لئے تحریک فرمائی جائے کہ نِسیَ نعدلَہٗ عرْصًا قانون کا بھی یہ اصول ہے کہ جو جرم عمداً و جان بوجھ کر نہ کیا جاوے۔ وہ قابل راضی نامہ و معافی ہوتا ہے۔ **فاعفوو اصلِحُوا اِنّ اللہَ یُحِبُ المحسنین**۔ میں ہوں حضور کا مجرم...دستخط بزرگ... راولپنڈی ۲۹ / اکتوبر ۱۸۹۷ء“ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی نے ۲۰ / نومبر ۱۸۹۷ء کو شائع شدہ اشتہار میں اس معافی نامہ کے متعلق لکھا کہ ”خدا تعالیٰ اس

بزرگ کی خطا معاف کرے اور اس سے راضی ہو۔ میں اس سے راضی ہوں اور اس کو معافی دیتا ہوں۔"

(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۹۸ء۔ کتاب البریہ صفحہ ۸۷) مرزا غلام احمد قادیانی اشتہار ۲۰ رنومبر ۱۸۹۷ء)

(مجموعہ اشتہارات مرزا غلام احمد۔ حصہ دوم صفحات ۴۷۴ تا ۴۸۲)

۲۔حسین کامی کی مجرمانہ خیانت رُسوائی اور سفارت سے برطرفی

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنے اشتہار ۲۴ رمئی ۱۸۹۷ء میں جناب حسین کامی وائس کونسل ترکی کی بے شمار افترا پردازیوں کے جواب میں یہ کہا تھا کہ مجھے اوّل ملاقات میں ہی اس سے دنیا پرستی کی بو آئی تھی اور اس کا طریق منافقانہ دکھائی دیا تھا لیکن اخبار ناظم الہند لاہور نے مرزا صاحب کی عداوت میں سفیر مذکور کو" پاک باطنی اور دیانت اور امانت کی وجہ سے سراسر نور" قرار دیا تھا آخر وہی سچ ثابت ہوا جو مرزا صاحب نے حسین کامی کے متعلق کہا تھا۔ مرزا صاحب کی اہانت کرنے کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کی جناب سے اُنہیں ایسی سزا ملی کہ مجرمانہ خیانت کے مرتکب ہونے کے باعث اُن کی جائیداد ضبط ہوئی غداری کے مجرم ٹھہرے، زمانے میں رُسوا ہوئے اور بالآخر سفارت سے برطرف کئے گئے۔ اس کا مختصر احوال یوں ہے۔ انہی دنوں یونانیوں نے ترکی کی اسلامی سلطنت کے ایک مقبوضہ جزیرہ کریٹ پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے مسلمانوں کا بے دردی سے قتل عام شروع کر دیا۔ پورے عالم اسلام میں اس کا شدید ردِعمل ہوا اور ساری دنیا کے مسلمانوں نے اپنے ان مظلوم ترک بھائیوں کے لئے چندہ جمع کرنے شروع کر دیئے۔ ہندوستان کے کچھ علاقوں کے مسلمانوں نے اپنے چندے جناب حسین کامی صاحب سفیر ترکی کراچی کے پاس جمع کروائے تاکہ وہ انہیں کریٹ کے مظلوم ترکوں تک پہنچا دیں مگر حسین کامی صاحب یہ سارا چندہ غبن کر گئے اور ستم رسیدوں تک نہ پہنچایا۔ حکومت ترکی کو جب اس غداری کا علم ہوا تو حکومت ترکی کی طرف سے جناب حسین کامی کو سفارت سے برطرف کر دیا گیا اور غبن شدہ رقم کی واپسی کے لئے اُن کی جائیداد ضبط کر لی گئی۔ جناب حسین کامی صاحب کی ان رُسوا کن منافقانہ کاروائیوں کی اطلاع ایک ہندوستانی سیاح جناب حافظ عبدالرحمن صاحب امرتسری کے ذریعے اخبار نیر آصفی مدارس کی ۱۲ را کتوبر ۱۸۹۹ء کی اشاعت میں چھپی۔ اور اس طرح ہندوستانی مسلمانوں کو ان سفیر صاحب کی مکروہ اخلاقی حالت کا علم ہوا۔ حافظ صاحب نے اپنے خط میں لکھا کہ" ہندوستان کے مسلمانوں نے جو گزشتہ دو سالوں میں مہاجرین کریٹ اور مجروحین عساکر حرب یونان کے واسطے چندہ فراہم کر کے قونصل ہائے عدالت عالیہ مقیم ہند کو دیا تھا معلوم ہوتا ہے کہ ہر زر چندہ

ہ تمام و کمال قسطنطنیہ میں نہیں پہنچا اور اس امر کے باور کرنے کی یہ وجہ ہوتی ہے کہ حسین بک کامی وائس قونصل مقیم کراچی کو جو ایک ہزار چھ سو روپیہ کے قریب مولوی انشاء اللہ صاحب ایڈیٹر اخبار وکیل امرتسر اور مولوی محبوب عالم صاحب ایڈیٹر پیسہ اخبار لاہور نے مختلف مقامات سے وصول کر کے بھیجا تھا وہ سب غبن کر گیا ایک کوڑی تک قسطنطنیہ نہیں پہنچائی مگر خدا کا شکر ہے کہ سلیم پاشا ملحمہ کا رکن کمیٹی چندہ کو جب خبر پہنچی تو اس نے بڑی جانفشانی کے ساتھ اس روپیہ کو اُ گلوانے کی کوشش کی اور اس کی اراضی مملوکہ کو نیلام کرا کر وصولی رقم کا انتظام کیا اور باب عالی میں خبر بھجوا کر نوکری سے موقوف کرایا..." حافظ عبدالرحمن امرتسری کے اس خط میں درج انکشاف پر تبصرہ کرتے ہوئے (اخبار نیر آصفی مدراس۔ ۱۲ را کتوبر ۱۸۹۹ء (تریاق القلوب۔ مرزا غلام احمد صاحب ۱۹۰۲ء صفحات ۲۸۵ ۔ ۲۸۶) ایڈیٹر صاحب اخبار غیر آصفی مدراس نے "چندہ مظلومان کریٹ اور ہندوستان" کے عنوان کے تحت لکھا کہ" ہمیں آج کی ولایتی ڈاک میں اپنے ایک لائق اور معزز نامہ نگار کے پاس سے ایک قسطنطنیہ والی چٹھی ملی ہے جس کو ہم اپنے ناظرین کی اطلاع کے لئے درج کئے دیتے ہیں اور ایسا کرتے ہوئے ہمیں کمال افسوس ہوتا ہے۔ افسوس اس وجہ سے کہ ہمیں اپنی ساری اُمیدوں کے برخلاف اس مجرمانہ خیانت کو جو سب سے بڑی اور سب سے زیادہ مہذب و منظّم اسلامی سلطنت کے وائس قونصل کی جانب سے بڑی بے دردی کے ساتھ عمل میں آئی اپنے ان کانوں سے سننا اور پبلک پر اور پبلک پر ظاہر کرنا پڑا ہے جو کیفیت جناب مولوی حافظ عبدالرحمن صاحب الہندی نزیل قسطنطنیہ نے ہمیں معلوم کرائی ہے اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ حسین بک کامی نے بڑی بے شرمی کے ساتھ مظلومان کریٹ کے روپیہ کو بغیر ڈکار لینے کے ہضم کر لیا اور کارکن کمیٹی چندہ نے بڑی فراست اور عرق ریزی کے ساتھ ان سے روپیہ اُگلوایا...ہماری رائے میں ایسے خائن کو عدالتانہ کاروائی کے ذریعے عبرت انگیز سزا دینی چاہئے۔" حسین کامی کی خیانت، رُسوائی اور برطرفی کی خبر جب اخبار ناظم الہند لاہور، دوسرے اخبارات اور مولوی صاحبان تک پہنچی جنہوں نے سفیر مذکور کو امانت و دیانت (اخبار نیر آصفی مدراس۔ ۱۲ را کتوبر ۱۸۹۹ء) (تریاق القلوب۔ مرز غلام احمد۔ صفحات ۲۸۴۔ ۲۸۵)

میں سراپا نور قرار دے کر اس کی مدح سرائی میں زمین وآسمان کے قلابے ملا رکھے تھے تو یہ خبران پر بجلی بن کر گری۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اس موقع پر لکھا کہ" ہماری پیشگوئی حسین کامی کی نسبت نہایت صفائی سے پوری ہوگئی اور وہ نصیحت جو ہم نے اپنے خلوت خانہ میں اس کو کی تھی کہ توبہ کر و تا نیک پھل پاؤ جو کہ ہم نے اپنے اشتہار ۲۴ رمئی ۱۸۹۷ء میں شائع کر دیا تھا اس پر پابند نہ ہونے سے آخر وہ

اپنی پاداش کردار کو پہنچ گیا اور اب وہ ضرور اس نصیحت کو یاد کرتا ہوگا مگر افسوس یہ ہے کہ وہ اس ملک کے بعض ایڈیٹران اخبار اور مولویان کو بھی جو اس کو نائب خلیفۃ المسلمین اور رُکن امین سمجھ بیٹھے تھے اپنے ساتھ ہی ندامت کا حصہ دے گیا اور اس طرح پرانہوں نے ایک صادق کی پیشگوئی کی تکذیب کا مزہ چکھ لیا۔ اب اُن کو چاہیئے کہ آئندہ اپنی زبانوں کو سنبھالیں۔ کیا یہ سچ نہیں کہ میری تکذیب کی وجہ سے بار بار اُن کو خجالت پہنچ رہی ہے؟ اگر وہ سچ پر ہیں تو کیا باعث کہ ہر ایک بات میں آخر کار کیوں اُن کو شرمندہ ہونا پڑتا ہے" (سلطنت ترکی کی پراگندگی اور سلطان عبدالحمید ثانی کی معزولی اگرچہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی اور سلطنت ترکی یا سلطان عبد الحمید ثانی کے مابین کوئی عداوت یا مخالفت نہ تھی تاہم، ہم گزشتہ صفحات میں بیان کرآئے ہیں کہ مرزا صاحب نے جناب حسین کامی صاحب کی درخواست پر کہ آئندہ پیش آنے والے حالات کے (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۲ء۔ تریاق القلوب۔ ضیاء الاسلام پریس قادیان صفحہ ۲۸۴) بارے میں کچھ بتایا جائے۔ مرزا صاحب نے اسے بتایا تھا کہ "سلطان کی سلطنت کی اچھی حالت نہیں اور وہ کشفی طریق سے ان کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا اور میرے نزدیک ان حالتوں کے ساتھ انجام اچھا نہیں" (چنانچہ سلطنت ترکی کے بعد کے حالات بتاتے ہیں کہ وہی ہوا جو مرزا صاحب نے کشفی طور پر دیکھا تھا۔ جس وقت مرزا صاحب نے اپنا کشف بیان کیا تھا اس وقت ترکی ایک وسیع وعریض سلطنت تھی جس میں طرابلس، سرزمین حجاز، عراق، فلسطین، اردن، شام، لبنان اور براعظم ایشیا کے کچھ دوسرے حصے شامل تھے۔ اگرچہ ان کے عمال کی اخلاقی حالت اچھی نہ تھی پھر بھی مرزا صاحب ان مسلمان علاقوں میں اسلامی حکومت کو غنیمت سمجھتے تھے جو کہ مرزا صاحب نے کشفی طور پر دیکھا تھا۔ اس سے بھی آپ کو صدمہ تھا لیکن وہ بہر حال خدا کا الہام تھا۔ چنانچہ ۱۹۰۴ء میں سلطنت ترکی میں تبدیلی کے آثار پیدا ہوئے جو ارکان حکومت کی غداری کے باعث خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ اخبار وکیل امرتسر ترکی کے ان دنوں کے حالات کے بارے میں لکھتا ہے کہ "کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ کسی نہ کسی نمک حرام تُرک افسر کی غداری کی خبریں مشہور نہ ہوتی ہوں۔ اب جو شخص...غداری کے میدان میں نکلا ہے کمال الدین پاشا فرزند عثمان پاشا ہے۔ یہ نوجوان (سلطان ترکی کا ۔ناقل) داماد تھا...کیسا دردناک سبق ہے کہ جس شخص کو سلطنت کی ترقی، اقبال میں ساعی ہونا چاہیے تھا وہ سازش کے جُرم میں (مرزا غلام احمد قادیانی۔ اشتہار ۲۴ رمئی ۱۸۹۷ء (مجموعہ اشتہارات جلد دوئم۔ صفحہ ۴۱۶) زندان میں ڈالا جائے جب تک ترکوں میں اس قسم کے آدمی ہیں وہ اپنے آپ کو کبھی بھی خطرہ سے باہر نہیں نکال سکتے ۔" (غرضیکہ سلطنت کے اراکین کی پے در پے غداریوں سے ملک میں سخت ابتری

پھیل گئی۔ ۱۹۰۹ء میں سلطان عبدالحمید ثانی کو معزول کر دیا گیا اور ان کے بھائی سلطان محمد شاہ پنجم بادشاہ بن گئے۔ ملکی خزانے اور فوج کی حالت ناگفتہ بہ تھی۔ اس کمزوری سے فائدہ اُٹھا کر اِٹلی نے طرابلس پر قبضہ کر لیا۔ ۱۹۱۸ء میں جنگ عظیم اوّل کے اختتام پر اتحادیوں نے اس جرم کی سزا میں، ترکی نے جنگ میں جرمنی کا ساتھ دیا تھا ترکی کے حصے بخرے کر کے آپس مین بانٹ لئے۔ حجاز، عراق، فلسطین اور اردن انگریزوں کے زیر اقتدار چلے گئے۔ فرانس نے شام اور لبنان پر قبضہ کر لیا۔ ایشیائے کوچک یونان کے حصے میں آیا اور اس طرح ترکی کی عظیم سلطنت کا انجام عین مرزا غلام احمد صاحب کے کشف کے مطابق خراب ہوا۔

VIII۔منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ کی طرف سے مرزا غلام احمد صاحب کی مخالفت اور اس کا انجام

منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ لاہور ابتدا میں کافی عرصہ تک مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے عقیدت مندوں میں شامل رہے۔ مرزا صاحب کے لئے معمولی سے معمولی خدمت کرنے حتیٰ کہ پاؤں دبانے تک کے لئے مستعد رہتے۔ اکثر قادیان (اخبار وکیل امرتسر۔ ۲۷ راگست ۱۹۰۴ء۔ صفحہ ۸ کالم ۲)

(دوست محمد شاہد ۱۹۵۹ء۔ تاریخ احمدیت۔ جلد دوم صفحات ۴۳۹۔ ۴۴۰) بھی آتے رہتے اور مرزا صاحب کی تصانیف میں بھی مالی مدد دیتے۔ جب کبھی مرزا صاحب لدھیانہ، انبالہ یا کسی اور جگہ جاتے تو منشی صاحب بھی کوشش کر کے وہاں پہنچتے تا کہ مرزا صاحب کی خدمت کا کوئی موقعہ مل سکے۔ اس طرح منشی صاحب مرزا صاحب کے ساتھ اخلاص اور عقیدت کا برتاؤ کرتے۔ کچھ عرصے کے بعد اُنہیں یہ احساس ہوا کہ انہیں بھی الہام ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی منشی صاحب میں مرزا صاحب کے ساتھ تعلق میں ایک تبدیلی آنے لگی وہ اپنے آپ کو خدا کا پاکیزہ اور برگزیدہ بندہ سمجھنے لگے یہاں تک کہ انہوں نے اور ان کے ایک اور ساتھی منشی عبدالحق صاحب اکاؤنٹنٹ نے ۱۸۸۹ء میں نہ صرف مرزا صاحب کی بیعت نہ کی بلکہ باقاعدہ مخالفت میں بہت آگے بڑھ گئے۔ (مرزا صاحب اور منشی الٰہی بخش صاحب اکاؤنٹنٹ کے درمیان چونکہ کافی عرصہ تک مخلصانہ تعلقات رہے تھے اس لئے طبعاً مرزا صاحب کو ان کی بدلی ہوئی حالت پر افسوس ہوا۔ مرزا صاحب نے ان دنوں ایک رسالہ تحریر کیا جس کا نام اور موضوع بحث ضرورۃ الامام تھا اس میں مرزا صاحب نے لکھا کہ امامت کے لئے کس قدر اخلاق، قوت امامت، بسطت فی العلم، عزم، اقبال علی اللہ کی قوتوں اور کشوف والہامات کا سلسلہ ضروری ہے۔ آپ کا رسالہ لکھنے کا مقصد ایک یہ بھی تھا کہ منشی الٰہی بخش صاحب کے وساوس کو دور کر کے انہیں گمراہی سے

بچایا جا سکے۔ اس کے پڑھنے کے بعد منشی صاحب کھل کر حضرت مرزا صاحب کے مخالف بن گئے نوبت یہاں تک پہنچی کہ انہوں نے (مرزا غلام احمد صاحب ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی۔ تتمہ صفحہ ۵۳۴) اپنے ساتھیوں میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ مرزا صاحب کے الہامات محض جھوٹ ہیں اور منشی صاحب خود اپنے الہامات مرزا صاحب کے بارے میں شائع نہیں کرتے کہ کہیں مرزا صاحب اُن کے خلاف انگریزی عدالت میں مقدمہ نہ دائر کر دیں۔ جب مرزا صاحب کو منشی صاحب کے اس خوف کا علم ہوا تو آپ نے انہیں یقین دلایا کہ وہ ان کے بارے میں الہامات ضرور شائع کرائیں مرزا صاحب کوئی مقدمہ دائر نہیں کریں گے۔ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے منشی صاحب کے نام اپنے خط میں لکھا کہ ''چونکہ مجھے آسانی فیصلہ مطلوب ہے یعنی یہ مُدعا ہے کہ تا لوگ ایسے شخص کو شناخت کر کے جس کا وجود حقیقت میں اُن کے لئے مفید ہے راہ راست پر مقیم ہو جائیں اور تا لوگ ایسے شخص کو شناخت کر لیں جو در حقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے امام ہے اور ابھی تک یہ کس کو معلوم ہے کہ وہ کون ہے۔ صرف خدا کو معلوم ہے یا ان کو جن کو خدا تعالیٰ کی طرف سے بصیرت دی گئی ہے۔ اس لئے یہ انتظام کیا گیا ہے۔

(یعنی یہ کہ بابو صاحب اپنے وہ تمام الہامات جو میری تکذیب کے متعلق ہیں۔ شائع کر دیں) پس اگر منشی صاحب کے الہامات در حقیقت خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو وہ الہام جو میری نسبت اُن کو ہوئے ہیں اپنی سچائی کا کوئی کرشمہ ظاہر کریں گے (یعنی ضرور ان کے بعد میرے پر کوئی تباہی اور ہلاکت آئے گی) اور اس طرح پر یہ خلقت جو واجب الرحم ہے مُسرف کذاب سے نجات پالے گی (یعنی جب کہ بابو صاحب مجھ کو کذاب خیال کرتے ہیں کہ گویا میں نے دعویٰ مسیح موعود کر کے خدا پر افترا کیا ہے تو میں ہلاک ہو جاؤں گا) اور اگر خدا تعالیٰ کے علم میں کوئی ایسا امر ہے جو اس بدظنی کے خلاف ہے تو وہ امر روشن ہو جائے گا (یعنی خدا تعالیٰ کے علم میں در حقیقت میں مسیح موعود ہوں تو خدا تعالیٰ میرے لئے گواہی دے گا) اور میں وعدہ کرتا ہوں کہ نعوذُ باللہ میری طرف سے نہ کوئی آپ پر نالش ہوگی اور نہ کسی قسم کا بے جا حملہ آپ کی وجاہت اور شان پر ہوگا صرف خدا تعالیٰ سے عقدہ کشائی چاہوں گا (یعنی چاہوں گا کہ اگر میں مفتری نہیں ہوں اور میرے پر یہ جھوٹا اور ظالمانہ حملہ ہے تو میری بریت اور بابو صاحب کی تکذیب کے لئے خدا آپ کوئی امر نازل کرے) کیونکہ بریت کی خواہش کرنا سنت انبیاء ہے جیسا کہ حضرت یوسف نے خواہش کی۔'' منشی الٰہی بخش صاحب اکونٹنٹ نے مرزا غلام احمد صاحب کا مذکورہ بالا خط ملتے ہی ایک کتاب ۴۰۰ صفحات پر مشتمل لکھی اور اس کا نام عصائے موسیٰ رکھا۔ اس کتاب میں اپنے اور مرزا صاحب کے متعلق کچھ کلمات لکھے۔ چونکہ اس کتاب کو چھپے ہوئے پون صدی سے زائد عرصہ گزر چکا ہے ہم ان میں سے چند الہامات کا تذکرہ درج کریں گے تا کہ اُن کی صداقت کا تعین کیا جا سکے۔

ا۔ ''تیرے لئے سلام ہے۔ تم غالب ہو جاؤ گے اور اُس پر (یعنی مرزا صاحب پر) غضب نازل ہوگا اور وہ ضرور ہلاک ہو جاوے گا''

(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی۔ تتمہ صفحات ۵۸۴۔۵۸۵)

''جیسا کہ ہزاروں مخالفین چاہتے ہیں اسی کے موافق مرزا صاحب ہلاک ہو جائیں گے۔'' (ترجمہ) ''طاعون نازل ہوگی اور وہ مع اپنی جماعت کے طاعون میں مبتلا ہو جائیگا اور خدا ان ظالموں پر ہلاکت نازل کرے گا''' ''جو خدمت مجھ کو سپرد ہوئی ہے جب تک پوری نہ ہو تب تک ہرگز نہ مروں گا۔'' قضیے کا انجام بالآخر منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ مصنف عصائے موسیٰ اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے درمیان اس روحانی مقابلے کا انجام منشی صاحب کے بیان کردہ الہامات کے بالکل برعکس نکلا۔ منشی صاحب کے الہامات میں سے کوئی بھی صداقت کی کسوٹی پر پورا نہ اُترا۔ منشی صاحب اپنے ایک تعلق دار یعقوب ولد محمد اسحاق جو طاعون سے ہلاک ہوا تھا اس کے جنازے میں شریک ہوئے وہاں سے انہیں طاعون کا مرض لاحق ہوا۔ ایک ہی دن میں ان کے اندر طاعون کی ساری علامتیں ظاہر ہو گئیں اور وہ ۷/اپریل ۱۹۰۷ء کو اس دارِفانی سے کوچ کر گئے۔ ان کی وفات کی خبر اس طرح چھپی کہ ''افسوس منشی الٰہی بخش صاحب لاہوری مصنف عصائے موسیٰ بھی منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ ۱۹۰۰ء۔ عصائے موسیٰ۔ صفحہ ۷۹ (حقیقت الوحی۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ صفحات ۵۴۲، ۵۴۹)

(منشی الٰہی بخش اکونٹنٹ ۱۹۰۰ء۔ عصائے موسیٰ۔ صفحہ ۷۹ حقیقت الوحی۔ مرزا غلام احمد قادیانی۔ صفحات ۵۴۹، ۵۵۰) طاعون سے شہید ہو گئے'' منشی صاحب نے مرزا صاحب کے لئے طاعون سے ہلاکت کا الہام بتایا تھا لیکن فی الواقعہ خود طاعون سے ہلاک ہوئے جب کہ مرزا صاحب کا سارا گھرانہ طاعون سے مکمل طور پر محفوظ رہا۔ جب کہ مرزا صاحب کے چاروں طرف طاعون کے زوردار حملے گیارہ سال تک ہوتے رہے اور سینکڑوں دوسرے لوگ ہلاک ہوئے۔ منشی صاحب نہ ہی سلامت رہے تا کہ غالب آسکیں اور جو خدمت ان کے الہام کے مطابق ان کے سپرد ہوئی تھی اسے پورا کر سکیں اور نہ کوئی دوسرا قابل قدر کارنامہ سرانجام دے سکے۔ آج یہ حالت ہے کہ اچھے اچھے تعلیم یافتہ لوگوں میں سے شائد ہی کوئی ہو جو منشی الٰہی بخش صاحب کے نام اور ان کے کسی علمی کارنامے سے واقف ہو۔ دوسری طرف حضرت مرزا غلام احمد صاحب جن کی ہلاکت کا منشی صاحب نے الہام کی بنا پر دعویٰ کیا تھا ان کی جماعت نہ صرف ختم ہوئی بلکہ بڑھتی اور پھیلتی ہی جا رہی ہے۔ ۱۸۸۹ء میں بیعت اولیٰ کے دن کل ۴۰ مریدوں نے بیعت کی تھی اور منشی صاحب نے رُوگردانی کا پہلا

قدم اُٹھایا تھا۔ ۱۹۰۷ء میں منشی صاحب کی وفات کے وقت مرزا صاحب کے مریدوں کی تعداد ۴ لاکھ تک پہنچ چکی تھی۔ اور آج ۱۹۸۸ء کے وقت بعض اندازوں کے مطابق ایک کروڑ ہو چکی ہے۔ ایک غیر جانبدار قاری کے لئے سوچنے کی بات ہے کہ ہلاک کون ہوا؟ طاعون سے کون مرا؟ غالب کون ہوا؟ کامیابی کی طرف کون گامزن ہے؟ حضرت مرزا غلام احمد صاحب یا منشی الٰہی بخش صاحب اور (اخبار اہل حدیث - ۱۱/ اپریل ۱۹۰۷ء) مرزا غلام احمد قادیانی - حقیقۃ الوحی۔ تتمہ صفحہ ۵۳۸) اس طرح کون مفتری نکلا اور کس کے الہامات غلط ثابت ہو کر شیطانی وساوس نکلے؟ الغرض منشی الٰہی بخش صاحب کی موت ہر پہلو سے مرزا صاحب کی سچائی کی ایک واضح دلیل بن گئی۔

IX۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کی مرزا غلام احمد صاحب کے خلاف شورش مقدمہ حفظ امن اور اس کا انجام

اس سے قبل اسی بات اور باب ہفتم میں بھی ان چند واقعات کا ذکر کر چکا ہوں جن میں مولوی محمد حسین بٹالوی کی مرزا صاحب سے طویل عداوت کا پتہ چلتا ہے۔ ڈاکٹر ہنری مارٹن کلارک کے مقدمے میں (باب ہفتم) حضرت مرزا صاحب کے مقابلے میں مولوی محمد حسین بٹالوی کی شدید توہین کے بعد مولوی صاحب نے مرزا صاحب کی مخالفت میں حد کر دی اور کوئی دن ایسا نہ جاتا جب مولوی صاحب اپنے رسالے (اشاعت السنہ) میں مرزا صاحب کو کذاب، مفتری اور دجال نہ لکھتے۔ اس دوران جو مختلف مباحثات اور مباہلات کے چیلنج مرزا صاحب کی طرف سے دیئے گئے۔ ان میں بھی مولوی صاحب کے کردار کی تھوڑی سی جھلک آپ کی نظروں سے گزر چکی ہے۔ مرزا صاحب کے مباحثوں اور مباہلوں کی دعوت سے تنگ آ کر مولوی صاحب نے ۱۰/ نومبر ۱۸۹۸ء کو مرزا صاحب کے خلاف ایک اشتہار شائع کر دیا جس میں مرزا صاحب کے خلاف بہت گندے اور ناپاک الفاظ استعمال کئے گئے آپ کو رُسوا کرنے میں کوئی کسر نہ اُٹھا رکھی۔

یہ اشتہار مولوی صاحب نے دو اور علماء مولوی ابوالحسن صاحب تبتی اور محمد بخش جعفر زٹلی کے اشتراک کے ساتھ دیا۔ مرزا صاحب کو جب یہ اشتہار ملا تو آپ نے ۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ء کو اس کے جواب میں جو اشتہار دیا۔ اس کا اقتباس درج ذیل ہے۔

''اس وقت وہ اشتہار میرے سامنے رکھا ہے اور میں نے خدا تعالیٰ سے دُعا کی ہے کہ وہ مجھ میں اور محمد حسین میں آپ فیصلہ کرے اور وہ دعا جو میں نے کیا ہے یہ ہے کہ اے میرے ذوالجلال پروردگار! اگر میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل اور جھوٹا اور مفتری ہوں جیسا کہ محمد حسین بٹالوی نے اپنے رسالہ اشاعۃ السنہ میں بار بار مجھ کو کذاب اور دجال اور مفتری کے لفظ سے یاد کیا ہے اور جیسا کہ اس نے اور محمد بخش جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبتی نے اس اشتہار میں جو ۱۰/ نومبر ۱۸۹۸ء کو چھپا ہے میرے ذلیل کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا تو اے میرے مولا میں تیری نظر میں ایسا ہی ذلیل ہوں تو مجھ پر تیرہ ماہ کے اندر یعنی ۱۵/ دسمبر ۱۸۹۸ء سے پندرہ جنوری ۱۹۰۰ء تک ذلت کی مار وارد کر اور ان لوگوں کی عزت اور وجاہت ظاہر کر اور اس روز کے جھگڑے کا فیصلہ فرما لیکن اگر اے میرے آقا میرے مولیٰ، میرے منعم، میری اُن نعمتوں کو دینے والے جو تو جانتا ہے اور میں جانتا ہوں! تیری جناب میں میری کچھ عزت ہے تو میں عاجزی سے دُعا کرتا ہوں ان تیرہ مہینوں میں جو ۱۵/ دسمبر ۱۸۹۸ء سے ۱۵/ جنوری ۱۹۰۰ء تک شمار کئے جائیں گے شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور تبتی مذکور کو جنہوں نے میرے ذلیل کرنے کے لئے یہ اشتہار لکھا ہے ذلت کی مار سے دنیا میں رُسوا کر۔ غرض اگر یہ لوگ تیری نظر میں سچے اور متقی اور پرہیزگار ہیں اور میں کذاب اور مفتری ہوں تو مجھے ان تیرہ مہینوں میں ذلت کی مار سے تباہ کر اور اگر تیری جناب میں مجھے وجاہت اور عزت ہے تو میرے لئے یہ نشان ظاہر فرما اور تینوں کو ذلیل اور رُسوا اور ضربت علیھم الذلۃ کا مصداق کر۔ آمین ثم آمین۔'

اس اشتہار کے اندر ہی مرزا صاحب نے یہ بھی درج کر دیا کہ خدا تعالیٰ نے مجھے الہام کے ذریعے بتا دیا ہے کہ ''میں ظالم کو ذلیل اور رُسوا کروں گا'' ۲۔ ''اور وہ اپنے ہاتھ کاٹے گا''۔ ۳۔ ترجمہ ''بدی کا بدلہ ویسا ہی ہوگا''۔ ۴۔ ترجمہ ''اللہ تعالیٰ ان لوگوں کے ساتھ ہوتا ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور جو نیکوکار ہوتے ہیں'' ترجمہ ''تم صبر کرو اس وقت تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم نافذ کر دے'' ۶۔ اُس الہام کی جس کے کچھ حصے ہم نے شق وار (ا) سے (V) یہاں درج کئے ہیں وضاحت کرتے ہوئے مرزا صاحب نے اپنے ۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار میں لکھا کہ ''یہ خدا تعالیٰ کا فیصلہ ہے جس کا ماحصل یہی ہے کہ دونوں فریقوں۔ (مرزا غلام احمد قادیانی۔ اشتہار ۲۱ نومبر ۱۸۹۸ء تاریخ احمدیت جلد سوئم ۱۹۶۲ء صفحہ ۳۲، مرزا غلام احمد قادیانی۔ اشتہار ۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ء تذکرہ صفحات ۳۲۴-۳۲۵)

میں سے جن کا ذکر اس اشتہار میں ہے یعنی یہ خاکسار ایک طرف اور شیخ محمد حسین اور جعفر زٹلی اور مولوی ابوالحسن تبتی دوسری طرف خدا کے حکم کے نیچے ہیں۔ ان میں سے جو کاذب ہے وہ ذلیل ہوگا۔ یہ فیصلہ چونکہ الہام کی بنا پر ہے اس لئے حق کے طالبوں کے لئے ایک کھلا کھلا نشان ہو کر ہدایت کی راہ ان پر کھولے گا'' مرزا صاحب کے مندرجہ بالا ۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ء کے اشتہار کے جواب میں ۳۰ نومبر ۱۸۹۸ء کو جعفر زٹلی نے ایک اور دُشنام طرازی سے بھرپور اشتہار شائع کیا اور مرزا صاحب کی پیشگوئیوں کی تکذیب کی لیکن حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اس بنا پر اپنی

جماعت کو صبر، نرمی، تواضع اور تقویٰ کی نصیحت کی کہ چونکہ یہ مقدمہ اب خدا کی عدالت میں ہے اس لئے خدا تعالیٰ کی عدالت کی توہین نہ کرو اور اس فیصلے کا انتظار کرو۔

نتائج کا ظہور

اگر چہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے پیشگوئی اور الٰہی فیصلے کے لئے تیرہ ماہ یعنی ۱۵/جنوری ۱۹۰۰ء تک کی مدت کا تعین مانگا تھا لیکن واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدائی فیصلے کا ظہور بہت جلد شروع ہو گیا۔اس بارے میں چند واقعات کا بیان نیچے دیا گیا ہے۔

(الف) مولوی محمد حسین بٹالوی نے ۱۴/اکتوبر ۱۸۹۸ء کو وکٹوریہ پریس لاہور سے(مرزا غلام احمد قادیانی-اشتہار ۲۱/ نومبر ۱۸۹۸ء(تذکرہ صفحات ۳۲۵-۳۲۶) ایک رسالہ انگریزی زبان میں شائع کیا جس میں حکومت سے زمین کے مربعے حاصل کرنے کی خاطر امام مہدی کے ظہور سے نہ صرف انکار کیا بلکہ اس بارے میں احادیث کو غلط ثابت کرنے کی کوشش کی۔حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو جب مولوی صاحب کی اس منافقانہ کاروائی کا علم ہوا تو آپ نے بہت سے مقتدر علماء ہند کو اس سے مطلع کیا اور ایسے شخص کے بارے میں اُن سے فتویٰ طلب کیا جو امام کے ظہور کا منکر ہو چنانچہ وہی کافر، دجال، کذاب، مفتری ہونے کے فتوے جو مولوی محمد حسین اور اس کے ساتھی مرزا صاحب کے بارے میں دیا کرتے تھے وہی ہندوستان کے مولویوں نے اس کے بارے میں دیئے بلکہ خود محمد حسین کے استاد نذیر حسین دہلوی نے اس کی نسبت فتویٰ دے دیا یعنی کہ وہ کذاب اور دجال اور مفتری اور کافر اور بدعتی اور اہل سنت سے خارج بلکہ اسلام سے خارج ہے اور اس طرح حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کی یہ الہامی پیشگوئی پوری ہوئی کہ ''بدی کا بدلہ ویسا ہوگا ''، '' میں ظالم کو ذلیل اور رُسوا کروں گا'' (ب) اگر چہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے نزول امام مہدی کے عقیدے کی تردید کر کے ہندوستان کے مسلمان علماء کی لعنتوں اور سارے زمانے میں ذلت اور رسوائی کے عوض حکومت سے ۴ مربعے اراضی بطور انعام تو حاصل کر لی لیکن اب بھی مرزا صاحب کے مقابلے میں کئی نامرادیاں اور ناکامیاں اُن کی قسمت میں تھیں۔اس کی ایک صورت تو اس وقت پیدا ہوئی جب مرزا صاحب کے اشتہار ۲۱/نومبر ۱۸۹۸ء کے شائع اشتہار میں درج ایک الہام ''اَتَعْجَبُ لِاَمْرِی'' پر مولوی صاحب نے ایک اعتراض کیا کہ یہ گرامر کے لحاظ سے غلط عربی ترکیب ہے۔مرزا صاحب نے اس کا جواب اپنے رسالے راز حقیقت میں شعرائے عرب اور احادیث سے مثالیں دے کر دیا جن سے مرزا صاحب کی ترکیب کی تائید ہوتی تھی تو مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بالکل لاجواب ہو گئے اور ان کی علمیت پر حرف آیا اور خاموشی کے سوا چارہ نہ رہا۔

(ج) تیسری نامرادی کی مولوی صاحب کے لئے یہ صورت پیدا ہوئی کہ انہوں نے انگریزی حکومت سے اس بات کی جھوٹی مخبری کی کہ حضرت مرزا غلام احمد قادیانی انگریزوں کے خلاف والیئِ افغانستان امیر عبدالرحمن سے ساز باز کر رہے ہیں چنانچہ ایک انگریز کپتان پولیس اور رانا جلال الدین انسپکٹر پولیس سپاہیوں کا ایک دستہ لے کر قادیان پہنچ گئے۔مرزا صاحب کے مکان کا محاصرہ کر لیا تا کہ تلاشی لے سکیں لیکن پولیس افسران مرزا صاحب سے فقط ایک ملاقات میں ہی اس قدر متاثر ہوئے کہ انہیں یقین ہو گیا کہ مرزا صاحب ایک راستباز انسان ہیں اس لئے وہ لوگ بغیر تلاشی لئے واپس چلے گئے ۔ یہ بات بھی مولوی حسین کے لئے بہت تکلیف دہ تھی ۔قدم قدم پر ثابت ہو رہا تھا کہ مرزا صاحب کے خلاف ہر تدبیر ناکام ہو رہی ہے۔

۲۔مولوی محمد حسین بٹالوی کا مرزا صاحب کے خلاف مقدمہ

ان مسلسل ہزیمتوں کے بعد جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو گئے تو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرف سے ۲۱/نومبر ۱۸۹۸ء کی پیشگوئی کو بنیاد بنا کر مولوی محمد حسین: ڈاکٹر بشارت احمد۔مجدد اعظم۔جلد اوّل صفحات ۵۹۰-۵۹۲ (تاریخ احمدیت جلد سوئم صفحات ۴۳-۴۴) بٹالوی نے جگہ جگہ ایک چھری دکھا کر یہ شور وغوغا شروع کر دیا کہ جس طرح پنڈت لیکھرام ہلاک ہوا ہے (باب پنجم) اسی طرح مرزا صاحب مجھے بھی قتل کروانا چاہتے ہیں۔مولوی صاحب کے اس شور وغل کا بہانہ بنا کر مرزا صاحب کے ایک شدید مخالف پولیس افسر محمد بخش صاحب ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ نے یکم دسمبر ۱۸۹۸ء کو ڈپٹی کمشنر گورداسپور مسٹر جے۔ایم۔ڈوئی کے پاس ایک رپورٹ بھجوائی جس میں مرزا صاحب کے مذکورہ بالا اشتہار کے باعث نقص امن کا اندیشہ ظاہر کیا۔اس کے ساتھ ہی ۵/دسمبر ۱۸۹۸ء کو مولوی محمد حسین بٹالوی نے بھی ڈپٹی کمشنر گورداسپور کو درج ذیل مضمون کی درخواست دی۔'' مرزا غلام احمد ساکن موضع قادیان نے برخلاف سائل بدیں مضمون اشتہار دیا ہے کہ مولوی ابوسعید محمد حسین کو ۱۳ ماہ کے اندر ذلت کی مار اور رُسوائی ہوگی جس سے مجھ کو اندیشہ ہے کہ وہ اپنی پیشگوئی کا سچا کرنے کے لئے میری جان کو نقصان پہنچانے کی کوئی ناجائز تدبیر کرے گا۔'' اس مقدمہ کے دوران مرزا صاحب کو دو دفعہ گورداسپور، ایک دفعہ دھاریوال اور ایک دفعہ پٹھانکوٹ اور بالآخر فیصلے کے لئے پھر گورداسپور جانا پڑا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی کے شدید مخالفانہ بیان ڈپٹی انسپکٹر پولیس سیّد شبیر حسین صاحب وغیرہ کے مولوی محمد حسین بٹالوی کے حق میں تصدیقی بیان کے باعث مقدمے کی نوعیت (اخبار الحکم قادیان۔۳۰/مارچ ۱۸۹۹ء صفحات ۶-۷) کافی خطرناک ہوگئی

تھی۔ڈپٹی کمشنر کا اپنا روّیہ بھی نارو انظر آرہا تھا۔اس کے باوجود مرزا صاحب نے جوابی بیان میں مولوی صاحب اور پولیس افسران کے مخالفانہ بیان کے مدلل جوابات کے بعد یہ بھی کہا کہ ''امن اور سلامتی کے نشان اور امن اور سلامتی کی پیشگوئیاں جن کو آسودگی عامہ خلائق میں کچھ دست اندازی نہیں ہمیشہ ایک بارش کی طرح نازل ہورہے ہیں لیکن خدا کی قدیم سنت کے موافق ضرور تھا کہ میں اسی طرح عوام کی زبان سے دُکھ دیا جاتا جیسا کہ پہلے پاک نبی گو دیئے گئے۔خاص کر وہ اسرائیلی نبی سلامتی کا شہزادہ جس کے پاک قدموں سے شعیر کے پہاڑ کو برکت پہنچی اور جو قوم کی ناانصافی اور نابینائی سے مجرموں کی طرح پیلاطوس اور ہیروڈوس کے سامنے عدالت میں کھڑا کیا گیا تھا سو مجھے اس بات پر فخر ہے کہ اس پاک نبیؑ کی مشابہت کی وجہ سے میں بھی عدالتوں کی طرف کھینچا جاؤں'' اس بیان کے جلد بعد ۱۸رجنوری ۱۸۹۹ء کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً مرزا صاحب کو فیصلے کے بارے مطلع کردیا۔

''ہم نے دشمنوں کو مغلوب کیا اور اس کے تمام اسباب کاٹ دیئے۔اُن پر واویلا ہے۔کیسے افترا کرتے ہیں۔ظالم اپنے ہاتھ کاٹے اور اپنی شرارتوں سے روکا جائے گا اور خدا نیکوں کے ساتھ ہوگا...'' مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۹۹ء۔بیان عدالت جی۔ایم۔ڈوئی۔۱۱رجنوری ۱۹۰۰ء۔ (تاریخ احمدیت جلد سوئم صفحہ ۵۰)

مقدمے کا انجام

اگرچہ متعصب پولیس افسران نے مرزا صاحب کے خلاف بڑی محنت سے مقدمہ تیار کیا تھا اور اپنی سرتوڑ کوشش کی کہ کس طرح حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کو سزا ہو جائے لیکن ۲۴رفروری ۱۸۹۹ء کو ڈپٹی کمشنر نے پولیس کا مقدمہ خارج کردیا جس کے نتیجے میں پے در پے ایسے واقعات رونما ہوئے جن سے مرزا صاحب کی ایک ماہ قبل کی پیشگوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔ملاحظہ فرمایئے۔I۔ڈپٹی کمشنر گورداسپور نے مقدمے کا فیصلہ سناتے ہوئے جب مقدمے کو خارج کردیا تو اس طرح مرزا صاحب کے الہام کا یہ حصہ پورا ہوا کہ ''ہم نے دشمنوں کو مغلوب کیا'' اور'' اس کے تمام اسباب کاٹ دیئے۔'' II۔ڈپٹی کمشنر صاحب نے مرزا صاحب سے مندرجہ ذیل نوٹس پر دستخط کروائے کہ'' آئندہ کوئی فریق اپنے مخالف کی نسبت موت وغیرہ دلآزار مضمون کی پیشگوئی،کوئی کسی کو کافر اور دجال اور مفتری نہ کہے،کوئی کسی کو مباہلے کے لئے نہ بلاوے۔ایک دوسرے کے مقابل پر نرم الفاظ استعمال کریں، بدگوئی اور گالیوں سے مجتنب رہیں۔اور یہ طریق نہ صرف باہم مسلمانوں میں بلکہ عیسائیوں میں بھی یہی چاہیے'' ڈپٹی کمشنر گورداسپور کا یہ فیصلہ کئی لحاظ سے مرزا صاحب کے دلی منشاء اور مرضی سے (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۹۹ء۔حقیقۃ المہدی۔۲۱ر فروری ۱۸۹۹ء۔طبع اوّل۔صفحات ۱۰ تا ۱۳) مطابقت رکھتا تھا اور وہ چاہتے تھے کہ تکفیر بازی کا مشغلہ بند ہو۔مرزا صاحب ۱۸۹۸ء میں اس خواہش کا اظہار کرچکے تھے کہ علماء'' میری جماعت سے سات سال تک اس طرح صلح کرلیں کہ تکفیر اور تکذیب اور بدزبانی سے منہ بند رکھیں۔''

III۔اگرچہ مولوی محمد حسین بٹالوی اس مقدمے میں فریق نہیں رہے تھے اور پولیس ہی سراسر مقدمے کو چلا رہی تھی لیکن ۲۴رفروری ۱۸۹۹ء کو جب اس کا فیصلہ تھا مولوی صاحب محض تماشا دیکھنے کے لئے اور مرزا صاحب کو سزا سنائے جانے کی اُمید لے کر وہاں آ گئے۔ڈپٹی کمشنر نے ان کو دیکھتے ہی ان سے بھی مندرجہ بالا نوٹس پر دستخط کروائے۔اس طرح مرزا صاحب جو دل سے تکفیر وتکذیب کو ناپسند کرتے تھے ان کی دلی مراد برآئی جب کہ مولوی صاحب جو تا عمر مرزا صاحب کو کافر لکھتے رہنے کے عزم کا بار ہا اظہار کرچکے تھے وہ بھی اب قانوناً اس بات کے پابند ہو گئے کہ آئندہ وہ کسی کی تکذیب نہیں کریں گے۔مرزا صاحب کو اس سے دوہری خوشی ہوئی اور مولوی صاحب نے عدالت میں غیر ضروری طور پر آ کر اپنے'' ہاتھ کاٹ لئے''۔اب وہ اپنے رسالے اشاعۃ السنہ میں مرزا صاحب کو دجال،مفتری،کذاب وغیرہ نہ لکھ سکیں گے اس طرح مرزا صاحب کے الہام کا یہ حصہ پورا ہوا کہ'' ظالم اپنے ہاتھ کاٹے گا اور اپنی شرارتوں سے روکا جائے گا'' ڈپٹی کمشنر گورداسپور۔فیصلہ ۲۴رفروری ۱۸۹۹ء (تریاق القلوب مرزا غلام احمد صفحہ ۱۸۶) مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۹۷ء۔انجام آتھم طبع اوّل۔ضمیمہ صفحات ۲۷۔۲۸)

IV۔ڈپٹی کمشنر گورداسپور جی۔ایم۔ڈوئی نے مقدمہ خارج کرتے ہوئے مرزا صاحب کے متعلق لکھا کہ'' وہ گندے الفاظ جو محمد حسین اور اس کے ساتھیوں نے آپ کی نسبت شائع کئے آپ کا حق تھا کہ عدالت کے ذریعے سے اپنا انصاف چاہتے اور چارہ جوئی کرتے اور وہ حق اب تک قائم ہے'' ڈپٹی کمشنر کے ان الفاظ سے مولوی محمد حسین بٹالوی اور ان کے دوستوں کی دریدہ دہنی اور غیر اخلاقی زبان استعمال کرنے کا یہاں تک اعتراف کیا گیا کہ وہ عدالت کے نزدیک قابل مؤاخذہ گردانے گئے۔یہ بھی مولوی صاحب اور ان کے ساتھیوں کی ایک لحاظ سے تذلیل اور رسوائی تھی۔

۳۔مرزا غلام احمد قادیانی کی پذیرائی

یہ مقدمہ ایک طرف اپنی تمام جُزئیات میں مولوی محمد حسین بٹالوی کے لئے خجالت،رُسوائی اور نامرادی لایا وہاں دوسری طرف مرزا صاحب کی ان سفروں کے دوران جو آپ مقدمے کی پیروی کے لئے کرتے تھے مقبولیتِ عوام قابلِ دید تھی۔ ۲۶رجنوری ۱۸۹۹ء کا دھاریوال میں عدالت میں پیشی کا سفر تو قابلِ دید تھا۔اس سفر

کے کچھ اقتباسات اخبار الحکم قادیان کی ۳۱؍جنوری ۱۸۹۹ء کی اشاعت سے یہاں درج کئے جاتے ہیں" حضرت اقدس (مرزا غلام احمد قادیانی ۔ناقل) معہ رفقا ریلوے مرزا غلام احمد قادیانی ۲۱؍فروری ۱۸۹۹ء حقیقت المہدی طبع اوّل صفحات ۱۰ تا ۱۳) ڈپٹی کمشنر گورداسپور۔فیصلہ ۲۴؍فروری ۱۸۹۹ء (تاریخ احمدیت ۔جلد سوئم ۔صفحہ ۵۶) کی سڑک گزر کر دھاریوال کے کارخانے کے ساتھ گزرتے ہوئے آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک ہجوم حضور کے استقبال کے لئے چشم براہ ہے۔۔۔ذرا اور آگے جب ڈاکخانہ کے متصل پہنچے تو دھاریوال کے مشہور اُون کے کارخانہ کے ہندو، مسلمان ملازم اور ڈاکخانہ کے کلرک دوڑ کر آگے آئے اور کیمپ (عدالت کا کیمپ ۔ناقل) کا پتہ بتایا حضور آگے آگے جارہے تھے پیچھے خلقت کا ایک انبوہِ کثیر تھا۔۔۔اور پھر خیمہ سے کوئی سوقدم کے فاصلہ پر اُتر پڑے۔آپ بیٹھ گئے اور حضور کے مخلصین بھی اردگرد حلقہ بنا کر مؤدبانہ بیٹھ گئے۔۔۔اور چند ہی منٹوں میں کوئی تین چار سو آدمی جمع ہوگیا۔۔۔اور یہ مجمع اس قدر بڑھا کہ حضور کو بیٹھنا ہی دشوار ہوگیا۔۔۔اسی دن آنے والوں کی تعداد۔۔۔ایک محتاط اندازے کے مطابق۔۔۔دو اڑھائی ہزار تک پہنچ چکی تھی۔۔۔(جمعہ کا دن تھا۔ناقل) ڈیڑھ ہزار لوگوں نے نماز جمعہ ادا کی۔۔۔نماز جمعہ کے بعد لوگوں کا ہجوم بہت ہوگیا۔چلنے کو راستہ نہ ملتا تھا۔آخر عبادت علی نام ایک صاحب نے کہا حضور لوگ دور دور سے کاروبار چھوڑ کر آئے ہیں حضور پُل پر کھڑے ہوکر سب کو زیارت کرائیں چنانچہ حضور انور چند منٹ پل پر رونق افروز رہے۔" (دوسری طرف ۔ناقل) مولوی محمد حسین بٹالوی کی حالت یہ (اخبار الحکم ۔قادیان ۔ ۳۱؍جنوری ۱۸۹۹ء (تاریخ احمدیت جلد سوم ۔صفحات ۵۲ ۔ ۵۳) تھی (کہ باوجود اونچی آواز سے بلانے کے ۔ناقل) ان کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کی تعداد ۲۰ سے بڑھ نہ سکی"۴۔مرزا غلام احمد صاحب کو اس مقدمے کے دوران اس بات پر بھی مسرت ہوئی کہ نہ صرف آپ کو مجسٹریٹ کے سامنے ایک صاف، ستھرا اور سچا بیان دینے کا فرض ادا کرنا میسر آیا بلکہ آپ نے عیسائی ڈپٹی کمشنر کے سامنے اپنے مسیح محمدی ہونے کی نہایت احسن رنگ میں تبلیغ بھی کی۔۵۔مؤلف کتاب 'مجدد اعظم' نے مرزا غلام احمد صاحب کے سفر پٹھانکوٹ (بسلسلہ مقدمہ ۔ناقل) کا ایک ایمان افروز واقعہ راجہ غلام حیدر خان تحصیل دار پٹھانکوٹ کے حوالے سے لکھا ہے۔وہ لکھتے ہیں کہ" اتفاق ایسا ہوا کہ جس مقام پر مسٹر ڈوئی ڈپٹی کمشنر گورداسپور کا خیمہ لگا ہوا تھا اس کے نزدیک ہی ایک مکان میں حضرت مرزا صاحب جا کر قیام پذیر ہوئے۔۔۔درمیان میں ایک میدان تھا جہاں حضرت مرزا صاحب اور آپ کے احباب نماز باجماعت پڑھا کرتے تھے۔مغرب کا وقت تھا۔۔۔مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی حسبِ معمول امام بنے۔انہوں نے نماز میں جو قرآن پڑھنا شروع کیا تو ان کی بلند مگر خوش الحان اور اثر میں ڈوبی ہوئی آواز مسٹر ڈوئی کے کان میں پڑی۔وہ اپنے خیمے کے آگے کھڑے ہوئے اور ایک انہماک کے عالم میں کھڑے قرآن (اخبار الحکم ۔قادیان ۔ ۳۱؍جنوری ۱۸۹۹ء) (تاریخ احمدیت جلد سوم ۔صفحات ۵۲ ۔ ۵۳) سنتے رہے۔ جب نماز ختم ہوئی تو راجہ غلام حیدر خاں صاحب تحصیلدار پٹھان کوٹ کو بلا کر پوچھا کہ آپ کی ان لوگوں سے واقفیت ہے؟ انہوں نے عرض کہ ہاں۔کہا کہ میں نے ان لوگوں کو نماز میں قرآن پڑھتے سنا ہے۔میں اس قدر متاثر ہوا ہوں کہ حد سے باہر ہے ۔اس قسم کا ترنم اور اثر میں نے کسی کلام میں نہیں سنا اور نہ کبھی محسوس ہوا کیا پھر بھی یہ نماز پڑھیں گے اور مجھے نزدیک سے سننے کا موقع دیں گے؟ راجہ غلام حیدر صاحب حضرت اقدس (مرزا غلام احمد۔ناقل) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کل ماجرا عرض کیا۔آپ نے فرمایا۔ہمارے پاس بیٹھ کر قرآن سنیں۔چنانچہ اب کی دفعہ نماز کے وقت ایک کرسی قریب بچھادی گئی اور صاحب بہادر اس پر آکر بیٹھ گئے۔نماز شروع ہوئی اور مولوی عبدالکریم صاحب نے قرآن پڑھنا شروع کیا اور صاحب بہادر مسحور ہوکر جھومتے رہے" (نہ صرف مولوی محمد حسین بٹالوی اس سارے قضیے کے دوران خائب وخاسر رہے بلکہ یہ مقدمہ ہر لحاظ سے مرزا صاحب کے لئے پذیرائی، عزت افزائی اور الٰہی بشارتوں کے پورا ہونے کی نوید لے کر ساتھ آیا۔مولوی صاحب کے اپنے ہاتھ بھی کٹ گئے کہ انہیں تکفیر بازی کے مشغلے سے حکماً روک دیا گیا بلکہ یہی حال مولوی صاحب کے ساتھیوں جعفر زٹلی اور ابوالحسن تبتی کا ہوا۔ان کی قلمیں بھی ایسی ٹوٹیں کہ پھر خبر ہی نہ لگی۔(ڈاکٹر بشارت احمد۔مجدد اعظم حصہ اوّل صفحہ ۶۰۶ ۔تاریخ احمدیت ۔جلد سوم صفحہ ۵۵) کہ کہاں گئے اور ان کا کیا ہوا۔ساتھ ہی اس مقدمے کے اہم کردار محمد بخش ڈپٹی انسپکٹر بٹالہ جس نے تعصب کی بنا پر مرزا صاحب کے خلاف ایک جھوٹا مقدمہ بنایا اور اسے سچ ثابت کرنے کے لئے ناخنوں تک زور لگایا وہ بھی طاعون سے ہلاک ہوا اور اپنے کئے کی سزا پا کر اس جہاں سے رخصت ہوا۔

X۔مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی طرف سے مخالف علماء کو مباہلے کی فیصلہ کن دعوت

۱۸۹۷ء میں جب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی تصنیف انجام آتھم منظر عام پر آئی تو مرزا صاحب کے الہام الٰہی کے دعوے کو بیس برس سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا۔اس دوران آپ گوشہ گمنامی سے نکل کر ساری دنیا اور خاص طور پر ہندوستان کے طول وعرض میں رُوشناس ہوئے۔آپ نے ماموریِ وقت ہونے کا دعویٰ کیا اور بلا شبہ ہزاروں نیک اور پرہیزگار اور تعلیم یافتہ لوگوں کی جماع آپ کے ہاتھ پر بیعت کرکے آپ کے گرد جمع ہوگئی۔متعدد آریوں، عیسائیوں اور مختلف مکاتیب فکر کے

مسلمان علماء سے آپ کے مذہبی مسائل پر مباحثے ہوئے۔ اس دوران مرزا صاحب نے ایسا لٹریچر بھی پیدا کیا جس کو بڑے پیمانے پر مسلمان حلقوں میں پسند کیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی مسلمان علماء کا ایک کثیر طبقہ ایسا بھی سامنے آیا جس نے نہ صرف مرزا صاحب پر کفر کا فتویٰ لگایا بلکہ اُن میں سے بہت سے اس فتویٰ پر بضد ہو گئے اور آج تک آپ کی قائم کردہ جماعت احمدیہ کے متعلق ایسا ہی عقیدہ رکھتے ہیں جوں جوں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اپنے دعاوی کی صداقت کے دلائل مہیا کرتے گئے۔ توں توں آپ کی مخالفت بھی بڑھتی گئی۔ مسلمانوں کے ساتھ اس روز روز کے تکفیر کے غلیظ مشغلے کے خاتمے کی خاطر مرزا صاحب نے ۱۸۹۷ء میں ملک کے تمام مشہور قابلِ ذکر علماء اور سجادہ نشینوں کا نام لے کر ان کو مباہلے کی ایک فیصلہ کن دعوت دی تا کہ حق و باطل کے درمیان فیصلہ ہو سکے اور تکفیر و تکذیب کا جو فتنہ بڑھتا جا رہا ہے اس سے نجات حاصل ہو سکے۔ چونکہ تاریخی اعتبار سے اس مباہلے کے دور رس اور عبرتناک نتائج نکلے اس لئے مناسب ہوگا کہ نتائج کا بیان دینے سے پہلے مرزا صاحب کی مجوزہ مباہلے کی عبارت کے ایک طویل اقتباس پر نظر ڈال لی جائے۔ مرزا صاحب نے لکھا کہ ''سو اب چونکہ تکذیب اور تکفیر اُن کی انتہا تک پہنچ گئی اس لئے وقت آ گیا کہ خدائے قادر اور علیم اور خبیر کے ہاتھ سے جھوٹے اور سچے میں فرق کیا جائے۔ ہمارے مخالف مولوی اس بات کو جانتے ہیں کہ خدا تعالیٰ... پر افتراء کرنا اور یہ کہنا کہ فلاں فلاں الہام مجھے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہوا ہے حالانکہ کچھ بھی نہیں ہوا ایک ایسا سخت گناہ ہے کہ اس کی سزا میں صرف جہنم کی ہی وعید نہیں بلکہ... ایسا مفتری اسی دنیا میں دست بدست سزا پا لیتا ہے اور خدائے قادر و غیور کبھی اس کو امن میں نہیں چھوڑتا اور اس کی غیرت اس کو کچل ڈالتی ہے اور جلد ہلاک کر دیتی ہے... سو ایک تقویٰ شعار آدمی کے لئے یہ کافی تھا کہ خدا نے مجھے مفتریوں کی طرح ہلاک نہیں کیا... میں جوان تھا۔ جب خدا کی وحی اور الہام کا دعویٰ کیا اور اب میں بوڑھا ہو گیا اور ابتدائی دعویٰ پر بیس برس سے بھی زیادہ عرصہ گذر گیا۔ بہت سے میرے عزیز جو مجھ سے چھوٹے تھے۔ فوت ہو گئے اور مجھے اس نے عمر دراز بخشی اور ہر ایک مشکل میں میرا متکفل اور متولی رہا... اب بھی اگر مولوی صاحبان مجھے مفتری سمجھتے ہیں تو اس سے بڑھ کر ایک اور فیصلہ ہے اور وہ یہ کہ میں ان الہامات کو ہاتھ میں لے کر جن کو میں شائع کر چکا ہوں مولوی صاحبان سے مباہلہ کروں... اب اے مخالف مولویو اور سجادہ نشینو! یہ نزاع ہم اور تم میں حد سے بڑھ گئی ہے اور اگرچہ یہ جماعت (جماعت احمدیہ۔ ناقل) تھوڑی سی اور فِئَۃٌ قَلِیۡلَۃٌ ہے اور شائد اس وقت تک چار، پانچ ہزار سے زیادہ نہ ہوگی تاہم یقیناً سمجھو کہ یہ خدا کے ہاتھ کا لگایا ہوا پودا ہے اور خدا اسکو ہرگز ضائع نہیں کرے گا وہ راضی نہیں ہوگا جب تک کہ اس کو کمال تک نہ پہنچا وے اور وہ اس کی آبپاشی کرے گا اور اس کے گرد احاطہ بنائے گا اور تعجب انگیز ترقیات دے گا۔ کیا تم نے کچھ کم زور لگایا؟ پس اگر یہ انسان کا کام ہوتا تو کبھی کا یہ درخت کاٹا جاتا اور اس کا نام و نشان باقی نہ رہتا... سو اب اُٹھو اور مباہلہ کے لئے تیار ہو جاؤ... اور یوں ہوگا کہ تاریخ اور مقام مباہلہ کے مقرر ہونے کے بعد میں ان تمام الہامات... کو جو لکھ چکا ہوں اپنے ہاتھ میں لے کر میدان مباہلہ میں حاضر ہو جاؤں گا اور دعا کروں گا کہ یا الٰہی اگر یہ الہامات جو میرے ہاتھ میں ہیں میرا ہی افترا ہے اور تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو اپنی طرف سے بنا لیا ہے یا اگر یہ شیطانی وساوس ہیں اور تیرے الہام نہیں تو آج کی تاریخ سے ایک برس گزرنے سے پہلے مجھے وفات دے یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا کر جو موت سے بدتر ہو اور اس سے رہائی عطا نہ کر جب تک موت نہ آ جائے میری ذلت ظاہر ہو اور لوگ میرے فتنہ سے بچ جاویں... لیکن اے خدائے علیم و خبیر! اگر تو جانتا ہے کہ یہ الہامات جو میرے ساتھ میں ہیں تیرے ہی الہام ہیں اور تیرے منہ کی باتیں ہیں تو ان مخالفوں کو جو اس وقت حاضر ہیں ایک سال کے عرصہ تک نہایت سخت دُکھ کی مار میں مبتلا کر۔ کسی کو اندھا کرے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر، کسی کی جان پر، کسی کی عزت پر اور جب میں یہ دُعا کر چکوں تو دونوں فریق کہیں کہ آمین۔ ایسا ہی فریق ثانی کی جماعت میں سے ایک شخص جو مباہلہ کے لئے حاضر ہو جناب الٰہی میں یہ دعا کرے کہ اے خدائے علیم و خبیر! ہم اس شخص کو جس کا نام غلام احمد ہے درحقیقت کذاب اور مفتری اور کافر جانتے ہیں پس اگر یہ شخص درحقیقت کذاب اور مفتری اور کافر اور بے دین ہے اور اس کے یہ الہام تیری طرف سے نہیں بلکہ اپنا ہی افترا ہے تو اس اُمت مرحومہ پر یہ احسان کر کہ اس مفتری کو ایک سال کے اندر ہلاک کر دے تا کہ لوگ اس کے فتنہ سے امن میں آ جائیں اور اگر یہ مفتری نہیں اور تیری طرف سے ہے اور یہ تمام الہام تیرے ہی منہ کی پاک باتیں ہیں تو ہم پر جو اس کو کافر اور کذاب سمجھتے ہیں دُکھ اور ذلت سے بھرا ہوا عذاب ایک برس کے اندر نازل کر اور کسی کو اندھا کرے اور کسی کو مجذوم اور کسی کو مفلوج اور کسی کو مجنون اور کسی کو مصروع اور کسی کو سانپ یا سگِ دیوانہ کا شکار بنا اور کسی کے مال پر آفت نازل کر اور کسی کی جان پر اور کسی کی عزت پر اور جب یہ دُعا فریق ثانی کر چکے تو دونوں فریق کہیں کہ آمین... اور اس مباہلے کے بعد اگر میں ایک سال کے اندر مر گیا یا کسی ایسے عذاب میں مبتلا ہو گیا جس میں جانبری کے آثار نہ پائے جائیں تو لوگ میرے فتنہ سے بچ جائیں گے اور میں ہمیشہ کی لعنت کے ساتھ ذکر کیا جاؤں گا... اس صورت میں میرا انجام نہایت ہی بد ہوگا جیسا کہ بدذات کاذبوں کا ہوتا ہے۔ لیکن اگر خدا نے ایک سال تک مجھے موت اور آفات بدنی

سے بچایا اور میرے مخالفوں پر قہر اور غضب الٰہی کے آثار ظاہر ہو گئے اور ہر ایک اُن میں سے کسی نہ کسی بلا میں مبتلا ہو گیا اور میری بد دعا نہایت چمک کے ساتھ ظاہر ہو گئی تو دنیا پر حق ظاہر ہو جائے گا...۔ میں یہ بھی شرط کرتا ہوں کہ میری دُعا کا اثر صرف اُس صورت میں سمجھا جائے گا کہ جب تمام وہ لوگ جو مباہلہ کے میدان میں بالمقابل آویں۔ ایک سال تک ان بلاؤں میں سے کسی بلا میں گرفتار ہو جائیں۔ اگر ایک بھی باقی رہا تو میں اپنے تئیں کاذب سمجھوں گا اگرچہ وہ ہزار ہوں یا دو ہزار اور پھر اُن کے ہاتھ پر توبہ کروں گا اور اگر میں مر گیا تو ایک خبیث کے مرنے سے دُنیا میں ٹھنڈ اور آرام ہو جائے گا۔ گواہ رہ اے زمین اور اے آسمان! کہ خدا کی لعنت اس شخص پر کہ اس رسالہ کے پہنچنے کے بعد نہ مباہلہ میں حاضر ہو اور نہ تکفیر اور توہین کو چھوڑے"

ا۔ مرزا غلام احمد قادیانی نے مباہلے کے چیلنج کی عبارت لکھنے کے بعد اُن تمام مشہور علماء اور سجادہ نشینوں کے نام بھی لکھ دیئے جن کو یہ دعوت مباہلہ بذریعہ رجسٹرڈ ڈاک بھجوایا گیا تھا اور یہ بھی لکھ دیا کہ اگر یہ مباہلے کا خط اتفاقاً کسی صاحب کو نہ ملے تو وہ اطلاع دیں تا کہ ان کو دوبارہ بھجوایا جائے۔ آخر میں مرزا صاحب نے یہ بھی لکھ دیا کہ ہر شخص گھر بیٹھے بٹھائے بھی مباہلہ کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ مباہلہ کی معین عبارت کو اپنے دستخطوں سے مشتہر کر دے۔ اگرچہ مکذب علماء مباہلے کے لئے مرزا صاحب کے مقابلے پر تو نہ آئے تا کہ ایک سال کے اندر واضح نشان الٰہی کا نمونہ ٹھہرتا لیکن پھر بھی سچائی کو چھپانے کی پاداش میں بہت سے مخالف علماء جلد یا بدیر پکڑے گئے اور کچھ نے مرزا صاحب کی صداقت کی کھلے عام تصدیق بھی کر دی۔ اس سے پہلے کہ مرزا صاحب کی تکذیب کرنے والے علماء پر وارد ہونے والی آسمانی سزاؤں کا ذکر کریں ہم کم از کم دو مشہور ہستیوں کے تصدیقی بیان درج کریں گے جو انہوں نے مباہلے کی دستاویز کی وصولی کے بعد مرزا صاحب کو بھجوائے۔

(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۹۷ء۔ انجام آتھم صفحات ۴۹ تا ۶۷)

۱۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب سجادہ نشین چاچڑاں شریف کا مرزا صاحب کے نام خط

(عربی سے ترجمہ) "تمام تعریفیں اس خدا کے لئے ہیں جو رب الارباب ہے اور درود اس رسول مقبول پر جو یوم الحساب کا شفیع ہے اور نیز اس کی آل اور اصحاب پر تم پر (یعنی مرزا غلام احمد پر۔ ناقل) سلام اور ہر ایک پر جو راہ ثواب میں کوشش کرنے والا ہو۔ اس کے بعد واضح ہو کہ مجھے آپ کی وہ کتاب پہنچی جس میں مباہلے کے لئے جواب طلب کیا گیا ہے اور اگرچہ میں عدیم الفرصت تھا تاہم میں نے اس کتاب کی ایک ایک جُز کو جو حسن خطاب اور طریق عتاب پر مشتمل تھی پڑھی ہے۔ سوائے ہر ایک حبیب سے عزیز تر! تجھے معلوم ہو کہ میں ابتدا سے تیرے لئے تعظیم کرنے کے مقام پر کھڑا ہوں تا مجھے ثواب حاصل ہو اور کبھی زبان پر بجز تعظیم تکریم اور رعایت آداب کے تیرے حق میں کوئی کلمہ جاری نہیں ہوا اور اب میں مطلع کرتا ہوں کہ میں بلا شبہ تیرے نیک حال کا معترف ہوں اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تو خدا کے صالح بندوں میں سے ہے اور تیری سعی عنداللہ قابلِ شُکر ہے جس کا اجر ملے گا اور خدائے بخشندہ بادشاہ کا تیرے پر فضل ہے۔ میرے لئے عاقبت بالخیر کی دُعا کر اور میں آپ کے لئے انجام خیر و خوبی کی دُعا کرتا ہوں۔ اگر مجھے طول کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں زیادہ لکھتا...۔ سن مقام چاچڑاں"

۲۔ صاحب العلم سندھ کی مرزا صاحب کے متعلق تصدیق

حضرت صاحب العلم سندھ کے مشہور مشائخ میں سے تھے۔ ان کے مریدوں کی تعداد لاکھ سے بھی زائد تھی۔ ان کے خلیفہ عبد الطیف صاحب اور شیخ عبد اللہ عرب صاحب مرزا صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پیر صاحب العلم کی تصدیق شہادت از خود مرزا صاحب کی خدمت میں پہنچائی۔ انہوں نے عام مجلس میں کھڑے ہو کر اور ہاتھ میں عصا لے کر تمام حاضرین کو بلند آواز میں سنا دیا کہ میں ان کو (یعنی مرزا غلام احمد صاحب کو۔ ناقل) اپنے دعوے میں حق پر جانتا ہوں۔ ان کے عربی کشف کا ترجمہ درج ذیل ہے۔ "میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم کشف میں دیکھا۔ پس میں نے عرض کی کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے کیا یہ جھوٹا اور مفتری ہے یا صادق؟ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ صادق ہے اور خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ پس میں نے سمجھ لیا کہ آپ حق پر ہیں۔ اب بعد اس کے ہم آپ کے امور میں شک نہیں کریں گے اور آپ کی شان میں ہمیں کچھ شبہ نہیں ہو گا اور جو کچھ آپ فرمائیں گے ہم وہی کریں گے۔ پس اگر آپ (حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں ۱۸۹۷ء خط بنام مرزا غلام احمد (انجام آتھم۔ مرزا غلام احمد صفحات ۳۲۳۔۳۲۴) یہ کہو کہ ہم امریکہ چلے جائیں۔ تو ہم وہیں جائیں گے اور ہم نے اپنے تئیں آپ کے حوالے کر دیا ہے اور انشاء اللہ ہمیں فرمانبردار پاؤ گے۔" (مرزا غلام احمد صاحب کے مکذبین اور مکفرین مسلمان علماء کا انجام: مرزا غلام احمد قادیانی کی تکذیب اور تکفیر والے علماء میں سے کوئی بھی باقاعدہ مباہلے کے لئے تیار نہ ہوا اس لئے خدائی فیصلے کی ایک سالہ مدت کا ان میں سے کوئی بھی طالب نہ ہوا لیکن بعد کی تاریخ بتلاتی ہے کہ ان میں سے اکثر خاص طور پر ان کے لیڈر جلد یا بدیر ایسے حالات سے دوچار ہو گئے کہ کثرت حادثات اس بات کی دلالت کرتی ہے کہ الٰہی تقدیر جلد یا بدیر انہیں ہی سزا دے رہی تھی۔ محمد یوسف خان

صاحب ہوتی اور مولوی عبدالمجید صاحب لدھیانوی کی کتب عاقبۃ المکذ بین، مرزا صاحب کی اپنی تصنیف حقیقۃ الوحی، تاریخ احمدیت کی دوسری اور تیسری جلدیں اور بعض انفرادی سوانحی واقعات میں بہت سے مخالف علماء کی حسرتناک اموات کا تذکرہ ملتا ہے۔ اس مختصر تذکرے میں ہم مرزا صاحب کے چند مشہور، سرکردہ مخالف علماء پر گذرنے والے حالات کا دردناک ذکر کریں گے تاکہ قارئین اس بارے میں رائے قائم کرسکیں کہ کیا ایسا انجام خدا کے پیاروں کا ہوتا ہے یا درگاہ الٰہی کی سزا پانے والوں کا۔ ۱۰؍اگست ۱۹۰۲ء کو مرزا صاحب نے اپنا الہام بتایا کہ (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۹۷ء۔ انجام آتھم ضمیمہ۔ صفحہ ۳۴۴)"تخرجُ الصدور الی القبور" (یعنی (مخالفین کے) سرکردہ قبروں کی طرف منتقل کئے جائیں گے۔ اس کے بعد بعض سرکردہ مخالفین یکے بعد دیگرے موت سے ہمکنار ہوئے۔

۱۔ اولین ہلاک ہونے والوں میں مولوی نذیر حسین دہلوی، مولوی فتح علی اور اللہ بخش تونسوی تھے۔ شیخ المشائخ مولوی نذیر حسین دہلوی ہندوستان کے اکثر علماء کے اُستاد تھے۔ یہ مرزا صاحب کے خلاف سب سے پہلے کفر کا فتویٰ دینے والوں میں سے تھے۔ انہوں نے اپنے شاگرد مولوی محمد حسین بٹالوی کے ایما پر لکھا تھا کہ مرزا صاحب ضال، مضل اور دائرہ اسلام سے خارج ہیں ایسے لوگوں کو مسلمانوں کی قبروں میں دفن نہیں کرنا چاہیے۔ ابتداً ۱۸۹۱ء میں جب مرزا غلام احمد صاحب دہلی گئے تھے تو مولوی صاحب موصوف اس وقت شیخ الکل کہلاتے تھے۔ مرزا صاحب نے ان کو بھی مباحثے کے لئے للکارا تھا (دیکھیئے اس باب میں۔ مباحثہ الحق۔ دہلی) لیکن مولوی صاحب نے ہر طرح سے مباحثے سے بچنے کی کوشش کی اور پوری سعی کر کے سچائی کو چھپایا۔ مرزا صاحب نے جب ۱۸۹۷ء میں مباہلے کا چیلنج دیا تو بھی مولوی صاحب اوّل المدعوین تھے مگر پھر بھی اس روحانی طریق سے اجتناب کیا۔ بالآخر اپنے لائق بیٹے کی موت کا صدمہ دیکھا اور ابتر حالت میں دنیا سے کوچ کر گئے۔ میاں اللہ بخش تونسوی سنگھڑی بھی مشہور سجادہ نشین تھے۔ ۱۸۹۱ء میں مرزا صاحب نے ان کے لئے متکبر کا لفظ استعمال کیا تھا۔ آپ بھی مرزا صاحب کے شدید مخالفین (مرزا غلام احمد قادیانی۔ اخبار الحکم قادیان۔ ۳۱؍اکتوبر ۱۹۰۲ء تذکرہ صفحہ ۴۳۲) میں سے تھے۔ اسی طرح لدھیانہ کے مفتی مولوی محمد، مولوی عبداللہ اور مولوی عبدالعزیز صاحبان مرزا صاحب کے شروع کے مخالفین میں سے تھے۔ ان کا مختصر ذکر باب سوئم میں کیا جاچکا ہے۔ یہ سب مرزا صاحب کے ۱۰؍اگست ۱۹۰۲ء کے الہام کے بعد دنیا سے کوچ کر گئے۔ اس باب کی ابتدا میں (آئٹم ۔ IV) میں مولوی رشید احمد گنگوہی کا تذکرہ مختصراً آچکا ہے۔ ۱۸۹۱ء میں انہوں نے مرزا صاحب کی طرف سے تحریری یا تقریری مباحثے کی ہر کوشش کو ٹھکرا دیا۔ یہ بھی مرزا صاحب کے شدید سرکردہ مخالفین میں سے تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب کے مقابلے میں نہ صرف یہ کہ "لعنت اللہ علی الکاذبین" کہا بلکہ اپنے ایک اشتہار میں مرزا صاحب کے لئے شیطان نام رکھا۔ مولوی صاحب سانپ کے کاٹے کے لئے دم کرنے کی شہرت رکھتے تھے لیکن مرزا صاحب کی دعا کے بعد پہلے اندھے ہوئے، پھر سانپ نے کاٹا مگر ڈاکٹروں کی پوری کوشش کے باوجود فوت ہوگئے۔ (انہی کی طرح مولوی شاہ دین صاحب جو مرزا صاحب کے سخت مخالف تھے پاگل پن کا شکار ہوکر دنیا سے چل بسے۔ (مرزا صاحب نے لکھا کہ ۱۹۰۷ء تک ان کے مخالف ۵۲۔ مولویوں میں سے صرف ۲۰ زندہ تھے اور وہ بھی کسی نہ کسی بلا میں گرفتار۔ باقی سب موت سے جا ملے۔ (مفتی مولوی غلام رسول عرف رُسل بابا امرتسری نے مرزا غلام احمد قادیانی کے (مرزا غلام احمد قادیانی۔ ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۴۷) (مرزا غلام احمد قادیانی۔ ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۰۰) عقیدہ وفاتِ مسیح کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایک رسالہ حیات المسیح لکھا جس میں مرزا صاحب کے خلاف بہت سخت زبان استعمال کی اور عین اُن دنوں جب طاعون ہر طرف پھیلی ہوئی تھی یہ کہا کہ اگر بقول مرزا صاحب یہ طاعون کی وبا مسیح موعود (غلام احمد کی صداقت کی نشانی ہے تو وہ اسے کیوں نہیں ہوجاتی۔ آخر طاعون نے مولوی رُسل بابا کو آن پکڑا اور وہ ۸؍دسمبر ۱۹۰۲ء کو صبح ساڑھے پانچ بجے اس دارِ فانی سے کوچ کر گیا۔ (مولوی غلام دستگیر قصوری بھی مرزا صاحب کے شدید مخالفین میں شامل تھے جب انہیں علم ہوا کہ خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں شریف نے مرزا صاحب کی صداقت کی تصدیق کی ہے تو وہ اُن کے گاؤں پہنچے اور انہیں مرزا صاحب کی تکذیب پر آمادہ کرنے کی کوشش کی لیکن وہ برابر تصدیق کرتے رہے اور اپنی تصنیف اشارات فریدی میں مرزا صاحب پر مخالفین کے اعتراضات کے مدلل جواب بھی دیئے۔ ۔ مولوی غلام دستگیر نے مرزا صاحب کی مخالفت میں ایک کتاب "فتح رحمانی" لدھیانہ سے ۱۸۹۷ء میں شائع کی جس میں مباہلہ کے رنگ میں مرزا صاحب کے خلاف ایک بددُعا بھی لکھی جس میں لکھا کہ " اللّٰھُمَّ ذوالجلال والاکرام یامالك الملك جیسا کہ تو نے ایک عالم ربانی حضرت محمد طاہر مؤلف مجمع بحار الانوار کی دُعا اور سعی سے اس مہدی کاذب اور جعلی مسیح کا بیڑہ غرق کیا (جو اُن کے زمانے میں پیدا ہوا تھا) ویسا ہی دُعا اور التجا اس فقیر قصوری کان اللہ لهٗ سے ہے جو۔ (مرزا غلام احمد قادیانی۔ ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی۔ صفحات ۲۹۹۔ ۳۰۰) سچے دل سے تیرے دین متین کی تائید میں حتی الوسع ساعی ہے کہ تو مرزا قادیانی اور اس کے حواریوں کو توبۃ النصوح کی توفیق عطا فرما اور اگر یہ مقدر نہیں تو ان کو مورد اس آیت فرقانی کا بنا۔۔۔ یعنی جو لوگ ظالم ہیں وہ جڑ سے کاٹے جائیں گے اور خدا کے لئے حمد ہے۔ تو ہر چیز پر قادر ہے اور دُعا قبول کرنے والا ہے۔ آمین" ا۔ مولوی غلام دستگیر

قصوری نے اس یک طرفہ مباہلے میں ظالم کی جڑ کاٹنے کی دُعا کے بعد مرزا صاحب کے متعلق لکھا کہ وہ اوران کے پیروکار ہلاک کئے جائیں گے۔ مولوی صاحب نے مرزا صاحب کی تکفیر کے لئے بڑے جتن کئے ۔ مکہ معظّمہ تک سے کفر کے فتوے منگوائے لیکن جب مرزا صاحب پر بددُعا کی تو وہ اُلٹی مولوی صاحب پر پڑ گئی اور وہ اپنی دُعا کے چنددن کے بعد ہی فوت ہو گئے اور انہیں اس قدر بھی مہلت نہ ملی کہ اپنی کتاب کی اشاعت ہی دیکھ لیتے جب کہ مرزا صاحب نہ صرف مولوی صاحب کی بددُعا کے بعد ۱۱ سال تک زندہ رہے بلکہ ان کی جماعت کی تعداد بھی لاکھوں تک جا پہنچی ۔مرزا صاحب نے مولوی صاحب کی وفات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا کہ ۔’’پس اب بتلاؤ کہ غلام دستگیر اس بددُعا کے بعد مرگیا ہے یا نہیں لہٰذا بتلاؤ کہ اس میں کیا بھید ہے کہ محمد طاہر کی بددُعا سے تو ایک جھوٹا مسیح مرگیا اور میرے پر بددُعا کرنے والا خود مرگیا ؟ خدا نے میری عمر تو بڑھا۔(مولوی دستگیر قصور ۱۸۹۷ء ۔ فتح رحمانی صفحات ۲۶۔۲۷ (حقیقۃ الوحی ۔صفحات ۳۳۰۔۳۳۱) دی کہ گیارہ سال سے میں اب تک زندہ ہوں اور غلام دستگیر کو ایک مہینہ کی بھی مہلت نہ دی‘‘ (فقیر مرزا صاحب موضع دوالمیال تحصیل پنڈ دادن خاں ضلع جہلم (پنجاب) کے رہنے والے تھے۔ ولی اللہ سمجھے جاتے تھے اور ان کے مریدوں کی بڑی جماعت تھی ۔ وہ بھی حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو اپنے دعوؤں میں جھوٹا سمجھتے تھے اور اپنے اس اعتقاد کی بنیاد الہامی بتاتے تھے۔انہوں نے ۱۹۰۳ء میں ایک حلفیہ بیان اپنے گاؤں کے معززین کے دستخطوں بحیثیت گواہان کے کیا جس میں مرزا غلام احمد صاحب کی تکذیب کے علاوہ اپنی جماعت کی ایک ماہ کے اندر اندر تباہی کا دعویٰ کیا۔ان کا اصل بیان جس میں ان کے علاوہ ۲۳ دوسرے معززین قصبہ کے دستخط تھے درج ذیل ہے۔’’منکہ مرزا (فقیر مرزا دوالمیالی ۔ناقل) ولد فیض بخش قوم اعوان سکنہ دوالمیال علاقہ کہون تحصیل پنڈ دادنخاں ضلع جہلم کا ہوں ۔ میں اس اقرار کورُوبرو اشخاص ذیل لکھ دیتا ہوں کہ میں نے بارہا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت اور خود عرشِ معلّٰی تک میرا گزر ہوا اور یہ مجھ پر ظاہر کیا گیا کہ مرزا غلام احمد صاحب کا سلسلہ ۲۷ ؍رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ (۱۹۰۳ء ۔ناقل) تک ٹوٹ پھوٹ جاوے گا اور بڑے سخت درجہ کی ذلت وارد ہوگی جسے تمام دنیا دیکھے گی۔ اگر یہ پیشگوئی (مرزا غلام احمد قادیانی ۔۱۹۰۷ء ۔حقیقۃ الوحی ۔صفحہ ۳۳۲) پوری نہ ہوئی یعنی اگر مرزا (مرزا غلام احمد صاحب قادیانی ۔ناقل) کا یہ سلسلہ اورعروج ۲۷ ؍رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ تک قائم رہا یا ترقی کی تو میں ہر قسم کی سزا قبول کرنے کو تیار ہوں ۔ اشخاص ذیل کو اختیار ہے کہ خواہ مجھے سنگساری سے قتل کریں یا کوئی اور سزا مقرر کریں مجھے ہرگز انکار نہ ہوگا اور نہ میرے وارثان کو اختیار ہے کہ میری سزا میں کسی قسم کی حجت پیش کر کے میرے سزا دینے والوں کے مزاحم ہوں ۔ لہٰذا میں یہ چند سطور بطور اقرار نامہ لکھ دیتا ہوں کہ سند رہے اور کل مجھے انکار کی گنجائش نہ رہے اور تمام دنیا میں حق و باطل میں تمیز ہو جاوے اور خلق خدا اس واقعہ سے ایک سبق حاصل کرے خصوصاً میرے اہل شہر کو نہایت فائدہ مند اور عبرتناک نظارہ ہے ۔ پس ایک مہینے میں یہ فیصلہ ظاہر جاوے گا۔ المرقوم ۷ ؍رمضان المبارک ۱۳۲۱ھ۔ العبد ۔(دستخط دوسرے معززین ۔ دوالمیال)‘‘ فقیر مرزا ولد ملک فیض بخش سکنہ دوالمیال ۔ نشان انگوٹھا

قارئین ! اس اقرار نامے کی ضرورت اس طرح پیش آئی کہ موضع دوالمیال کے ایک احمدی حکیم کرم داد صاحب اور فقیر مرزا صاحب کے درمیان صداقت مرزا غلام احمد صاحب پر بحث ہوئی اور بالآخر فیصلہ کا یہ طریق بے پایا۔حکیم صاحب نے فقیر مرزا۔

(مرزا غلام احمد قادیانی ۔۱۹۰۷ء ۔حقیقۃ الوحی ۔صفحات ۳۶۸۔۳۶۹)

صاحب کا اصل دستخطی اقرار نامہ برائے اطلاع حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو بجھوا دیا۔اس اقرار نامے کو تحریر کرنے کے ٹھیک ایک سال کے اندر فقیر مرزا اور اس کا خاندان خود کیسے تباہ ہوا۔ اس کا احوال بھی حکیم کرم داد ساکن دوالمیال نے مرزا صاحب کو ان الفاظ میں لکھ کر بھجوایا۔’’ گردونواح کے علاقے میں بھی اس پیشگوئی کی شُہرت ہوگئی اور لوگ کہنے لگے کہ دیکھنا چاہیئے اب کون جیتتا ہے مرزا قادیانی یا مرزا دوالمیالی ؟ بلکہ مخالف لوگ نماز کے بعد اپنے فقیر مرزا کی کامیابی کے لئے دعائیں مانگنے لگے ...تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ علاقہ میں طاعونی لشکر نے ڈیرے لگا دیئے۔ ملہم صاحب (فقیر مرزا۔ناقل) کو اپنے الہامات پر اس قدر فخر تھا کہ میرے طفیل تمام محلہ طاعون سے محفوظ رہے گا۔ جب دوسرا رمضان آیا تو اس کے محلہ میں طاعون شروع ہوگئی ۔اس وقت یہ چار آدمی گھر میں موجود تھے ایک ملہم (یعنی فقیر مرزا ۔ناقل)، دوسری ملہم کی بیوی، تیسری لڑکی، چوتھی لڑکے کی زوجہ ۔ پہلے ملہم کی بیوی کا طاعون سے انتقال ہوا۔ پھر خود فقیر صاحب ۵ یا ۶ رمضان ۱۳۲۲ھ کو شام کو سخت طاعون میں مبتلا ہوگئی ساتھ ہی زبان بند ہوگئی ۔ شدتِ ورم اور حبس دم کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا آنکھوں سے خون ٹپک رہا ہے ۔آخر پورے ایک سال کے بعد جس روز پیشگوئی کی گئی تھی یعنی ۷ ؍رمضان ۱۳۲۲ھ کو ہلاک ہوگیا ۔ دولڑکیاں جو پیچھے رہ گئی تھیں وہ بھی تھوڑے دنوں کے بعد سخت بیمار ہوگئیں ۔ راقم (حکیم کرم داد ۔ناقل) کو علاج کے واسطے بلا کر لے گئے ۔ میں ان کی حالت دیکھ کر ڈر گیا ۔علاج کرانے والوں کو کہا کہ اس گھر میں خدا کا غضب نازل ہو رہا ہے تم اپنی ہمشیرہ کو گھر لے جاؤ ۔ وہ گھر میں لے گئے اور مریضہ کچھ دن بعد اچھی ہوگئی جو ملہم کی لڑکی تھی وہ اُسی گھر میں دوسرے روز باپ سے جا ملی اور بجائے ۲۷ ؍رمضان المبارک کے ۷ ؍رمضان المبارک کو حضرت مرزا صاحب قادیانی کے سلسلہ کے عوض مرزا دوالمیالی کے

گھر کا سلسلہ تباہ ہو گیا'' مرزا غلام احمد قادیانی کے ۱۸۹۷ء کے فیصلہ کن مباہلے کے چیلنج کے مقابلے پر اگر چہ کوئی مولوی کھڑا نہ ہوا لیکن تاخیر سے وارد ہونے والی آسمانی سزاؤں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوا کہ جلد یا بدیر بہت سے علماء کرام ہلاک ہوتے چلے گئے کسی نے اشارۃً بھی چیلنج کیا تو سزا سے بچ نہ سکا۔ حافظ آباد (ضلع گوجرانوالہ۔پنجاب) کے نور احمد صاحب بھی مرزا صاحب کے سخت مخالف تھے۔ ان کا بھتیجا منشی محبوب عالم احمدی تھا۔ نور احمد صاحب نے اپنے بھتیجے سے کہا کہ مرزا صاحب اپنے دعوے مسیحت پر کوئی نشان کیوں نہیں دکھلاتے؟ منشی صاحب نے جواب دیا کہ مرزا صاحب کے نشانوں میں سے ایک نشان طاعون ہے۔ اس پر انہوں نے کہا کہ طاعون ہمیں نہیں چھوئے گی بلکہ یہ طاعون مرزا صاحب کو ہی ہلاک کرنے آئی ہے نیز یہ کہ طاعون کا اثر ہم پر ہرگز نہیں بلکہ مرزا صاحب پر ہوگا۔ یہ الفاظ اپنے اندر (حکیم کرم داد صاحب ۱۹۰۳ء۔ خط بنام مرزا غلام احمد قادیانی حقیقۃ الوحی۔ صفحہ ۳۸۴) مباہلہ کا رنگ رکھتے تھے۔ اس بیان کے چند دن بعد ہی نور احمد صاحب طاعون سے ہلاک ہو گئے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور کے ایک مدرس مولوی زین العابدین صاحب مولوی فاضل اور منشی فاصل نے حضرت بمرزا۔ غلام احمد صاحب قادیانی کی سچائی کے بارے مولوی محمد علی سیالکوٹی کے ساتھ کشمیری بازار لاہور میں ایک دوکان پر کھڑے ہو کر مباہلہ کیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد وہ خود، اس کی بیوی، داماد بکل سترہ افراد طاعون سے ہلاک ہو گئے۔ اسی طرح کریم بخش نامی لاہور کا ایک ٹھیکیدار مرزا صاحب کے بارے میں بہت بے عزتی کے الفاظ استعمال کیا کرتا تھا۔ کئی دفعہ اسے سمجھایا گیا۔ مگر وہ گندی زبان استعمال کرتا ہی رہتا تھا باز نہیں آتا تھا۔ آخر عین جوانی میں موت کا شکار ہوا۔ مرزا صاحب کی سواری گزرے گی اس پر راکھ ڈالے گا۔ آخر ۱۹۰۶ء میں خود مع گھر کے ۹، ۱۰ افراد کے طاعون سے ہلاک ہوا۔ حکیم محمد شفیع سیالکوٹی مرزا صاحب کی بیعت سے مرتد ہو کر سخت مخالفوں کے گروہ میں شامل ہو گیا۔ اس نے مدرسۃ القرآن کی بنیاد ڈالی۔ آخر وہ بھی طاعون کا شکار ہوا، اُس کی بیوی، والدہ اور بھائی سب یکے بعد دیگرے طاعون سے مر گئے اور وہ لوگ بھی ہلاک ہوئے جو اس مدرسہ کے معاون تھے۔ ایسا ہی مرزا سردار بیگ سیالکوٹی کا حشر ہوا۔ وہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے خلاف سخت گندہ زبان اور شوخ تھا۔ ایک دن اس نے ایک احمدی سے کہا کہ کیوں طاعون، طاعون کرتے ہو ہم تو تب جانیں کہ ہمیں طاعون ہو۔ اس بات کے دو دن بعد وہ (مرزا غلام احمد قادیانی۔ ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی۔ صفحات ۲۳۷-۲۳۸) طاعون سے مر گیا۔ حکیم حافظ محمد دین صاحب ساکن موضع ننکر تحصیل وضلع لاہور جو متصل ریلوے اسٹیشن کاہنہ کے رہنے والے تھے مرزا صاحب کے مخالفین میں سے تھے۔ انہوں نے مرزا صاحب کی تکذیب میں ایک کتاب لکھی اور اس کا نام ''فیصلہ آسمانی اور تکذیب قادیانی'' رکھا۔ اس تصنیف میں حافظ محمد دین صاحب نے کئی الفاظ مرزا صاحب کے لئے بطور مباہلہ لکھ کر جھوٹے کے لئے خدا تعالیٰ کے غضب اور لعنت کی درخواست کی تھی۔ مثلاً ایک جگہ مندرجہ ذیل قرآنی آیات لکھیں۔ ''وَیلٌ لِّکُلِّ افاك اثیم ویل یومئذ للمکذبین۔ لعنة الله علی الکاذبین'' حافظ صاحب نے یہ آیت لکھ کر اس طرف اشارہ کیا کہ گویا مرزا غلام احمد صاحب مغزی گنہکار ہیں اور اس کی زندگی میں دردناک عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے لیکن اس کتاب کے شائع کرنے کے ایک سال تین ماہ بعد وہ خود ہلاک ہو گیا اور اس طرح خدا تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا کہ کون افاک اثیم ہے۔ (محمد جان صاحب المعروف ابوالحسن ساکن پنج گرائیں تحصیل پسرور

(مرزا غلام احمد قادیانی۔ ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی۔ صفحات ۲۳۸۔ حکیم حافظ محمد دین۔ فیصلہ قرآنی اور تکذیب قادیانی۔ صفحات ۶۳ تا ۸۵۔ حقیقۃ الوحی۔ صفحات تتمہ ۵۴-۵۵)

ضلع سیالکوٹ کے رہنے والے تھے اور مرزا غلام احمد صاحب کے مشہور مخالف تھے۔ انہوں نے صحیح بخاری کی شرح لکھی تھی اور اس کا نام 'فیض الباری' رکھا تھا۔ مرزا صاحب کی تکذیب میں انہوں نے ایک کتاب لکھی جس کا نام ''بجلی آسمانی برسر دجال قادیانی'' رکھا۔ اس کتاب میں ابوالحسن صاحب نے کئی مقامات پر مرزا صاحب کو کاذب قرار دے کر ان کی موت کے لئے بدُعا کی بلکہ فرضی طور مرزا صاحب کی وفات کا فی الواقعہ ہو جانا ظاہر کر کے ایک ماتم شعروں کی زبان میں لکھا جو پنجابی میں تھا۔ ان میں ابوالحسن صاحب نے دُعا کی کہ خدا مرزا صاحب کی بیخ کنی کرے اور اس کا کچھ بھی باقی نہ رہے اور وہ مر جائے۔ پھر مرزا صاحب کو مخاطب کر کے اس کتاب میں لکھا کہ جلدی توبہ کر تیری موت نزدیک آ گئی ہے اور اے غافل تو آج کل میں مر جائے گا۔ ابوالحسن کی کتاب کا یہ حصہ اوّل تھا۔ انہوں نے کتاب کا دوسرا حصہ تیار نہیں کیا تھا کہ اسے طاعون نے آ پکڑا۔ انیس دن تک جاں کنی کی حالت میں چیختا رہا اور دردناک حالت میں مر گیا۔ قدرت الٰہی کی آسمانی بجلی اُن پر گری۔ اُن کے بعد ابوالحسن عبدالکریم صاحب نے اس کتاب کو دوبارہ چھپوایا۔ وہ بھی طاعون سے ہلاک ہوا۔ ۹۔ امداد علی۔ اسی طرح امداد علی صاحب نے ایک رسالہ بنام'' درہ محمدی'' لکھا جس میں نہ صرف مرزا غلام احمد صاحب کی تکذیب کی بلکہ خدا سے مرزا صاحب کے حق میں بدُعا کی کہ خدا انہیں جلدی موت دے دے۔ ایک جگہ مرزا صاحب کے بارے میں لعنة الله علی الکاذبین بھی لکھ دیا۔ پھر اس نے کتاب کا دوسرا حصہ لکھنے کا پروگرام بنایا مگر وہ اس سے پہلے ہی طاعون میں مبتلا ہو گیا۔ اپنا گوشت اپنے دانتوں (ابوالحسن۔ بجلی آسمانی برسر دجال قادیانی۔ صفحات ۳ تا ۱۵)(حقیقۃ الوحی۔

صفحات تتمہ ۱۶۰۔ حاشیہ) سے کاٹنے لگا آخر اسی دردناک حالت میں خود مر گیا۔

۱۰۔ مرزا غلام احمد صاحب نے ۲؍ سے ۱۶؍ نومبر ۱۹۰۲ء کے دوران ایک قصیدہ عربی زبان میں لکھا اور مع ترجمہ اپنی کتاب اعجاز محمدی کے صفحات ۴۶ تا ۹۷ پر شائع کر دیا۔ مرزا صاحب نے اس قصیدے کی بابت الہامی طور دعویٰ کیا کہ کوئی اس قصیدے کے مقابلے میں اتنی ہی مدت میں ایسی فصاحت و بلاغت پر مبنی قصیدہ نہیں لکھ سکے گا اور کوئی اگر ایسی قابلیت رکھتا بھی ہوگا تو خدا کوئی نہ کوئی روک ڈال دے گا۔ مرزا صاحب نے خاص طور پر اس قصیدے کو اعجازی کلام قرار دے کر مولوی ثناء اللہ امرتسری، مولوی محمد حسین بٹالوی اور پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو چیلنج دیا کہ انہوں نے اس قصیدہ کا جواب اتنی مدت میں چھاپ دیا تو سمجھا جائے گا کہ ”میں نیست و نابود ہو گیا اور میرا سلسلہ باطل ہو گیا۔ اس صورت میں میری جماعت کو چاہئے کہ مجھے چھوڑ دیں اور قطع تعلق کر لیں“۔ ان حالات میں قاضی ظفر الدین صاحب پروفیسر اورینٹل کالج لاہور نے اس قصیدے کا جواب لکھنا شروع کیا تا کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو کسی طرح مفتری ثابت کیا جا سکے۔ قاضی صاحب کو مرزا صاحب سے سخت تعصب تھا۔ ابھی وہ جوابی قصیدہ لکھ رہے تھے کہ ملک الموت نے قاضی صاحب کا کام تمام کر دیا اور نامکمل مسوّدہ اس کے گھر پر پڑا رہا۔ قاضی صاحب کا بیٹا فیض اللہ خاں بھی حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا سخت مخالف تھا۔ (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء ۔حقیقۃ الوحی تتمہ۔ صفحہ ۱۶۰۔ مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۲ء۔ اعجاز احمدی صفحہ ۱۰۱)

اپنے والد کی وفات کے چند سال بعد اس نے موضع جنڈیالہ باغوالہ ضلع گوجرانوالہ پنجاب میں جماعت احمدیہ کے ایک فرد منشی مہتاب علی صاحب سے تحریری مباہلہ کیا۔ ہر دو کی دستخطی تحریروں کا مضمون یوں تھا۔ ”...بعد حمد و صلوات بر سول رب العالمین کے میں قاضی فیض اللہ خان بن قاضی ظفر الدین احمد مرحوم ایک مسلمان حنفی نبویہ کا ہوتا بعد اور اس بات کا قائل ہوں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جو کہ خاتم نبیّین ہو چکے ہیں وحی کا نازل ہونا خلاف مذہب قرآن و حدیث ہے اور مرزا صاحب کے دعوے کی تردید کرتا ہوں کہ وہ مثیل مسیح موعود ہیں اور منشی مہتاب علی صاحب خلف الرشید منشی کریم بخش صاحب سکنہ شہر جالندھر جو کہ مرزا صاحب موصوف کے تابع ہیں دعویٰ کرتے ہیں کہ جو شخص ان کے اس دعویٰ کی تردید کرے اس پر عذاب الٰہی نازل ہوگا مثل موت یا بیماری طاعون یا مقدمہ میں گرفتاری اور میں بمطابق سنت نبوی کے ایک سال میعاد ٹھہراتا ہوں اور یہ شرط کرتا ہوں کہ اگر یہ عذاب میرے یا منشی مہتاب علی کے بغیر کسی اور شخص قرابتی پر ہو تو یہ شرط میں داخل نہ ہوگا۔...قاضی فیض اللہ خان سکنہ جنڈیالہ باغوالہ ضلع گوجرانوالہ مؤرخہ ۱۲؍ جون ۱۹۰۶ء“

اس کے بالمقابل منشی مہتاب علی صاحب کی مباہلے کی تحریر یوں تھی۔ (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء ۔حقیقۃ الوحی تتمہ۔ صفحہ ۱۶۵-۱۶۶)“...میں حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب کو سچا مسیح سمجھتا ہوں اور ان کا ہر دعویٰ جو دین کے متعلق ہے بلا کسی شک و شبہ کے صحیح مانتا ہوں مگر میرے مقابلے پر قاضی فیض اللہ خلف الرشید قاضی ظفر الدین مرحوم یقین کے ساتھ کہتا ہے کہ مرزا صاحب جھوٹا اور ان کا دعویٰ بالکل گھڑا ہوا اور خود تراشیدہ ہے اس لئے میں قاضی صاحب کے مقابلہ میں مباہلہ کرتا ہوں اور پورا پورا اور کامل یقین مجھے ہے کہ جو ہر دو میں سے جھوٹا ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر عذاب الیم نازل کرے گا۔ زمین آسمان ٹل جائیں گے۔ لیکن یہ عذاب نہیں ٹلے گا اور وہ اپنی چمکار دکھا کر رہے گا...پس خدا سے میری دعا ہے کہ وہ جلد تر نتیجہ پیدا کرے ...میں سنت نبوی کے مطابق ایک سال کی میعاد تجویز کرتا ہوں اور وہ عذاب مجھ عاجز پر یا قاضی پر نازل ہونا چاہئے مثلاً موت یا طاعون یا کسی مقدمہ میں ماخوذ ہو جانا...خاکسار عاجز مہتاب علی سیاح جالندھری مؤرخہ ۱۲؍ جون ۱۹۰۶ء اس مباہلے کا نتیجہ یہ نکلا کہ فیض اللہ خاں ۱۳؍ اپریل ۱۹۰۷ء کو ایک سال کی میعاد کے اندر اندر بمقام جموں نہ صرف خود طاعون سے ہلاک ہوا بلکہ دوسرے عزیزوں کو بھی لے ڈوبا اور اس طرح اپنی ہی تحریر کے مطابق خود مر کر اپنے جھوٹے ہونے اور مرزا غلام احمد صاحب کی صداقت پر مُہر لگا گیا۔

(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء ۔حقیقۃ الوحی تتمہ۔ صفحہ ۱۶۵-۱۶۶)

۱۱۔ یہی حال حکیم عبدالقادر صاحب ساکن طالب پوری پنڈوری ضلع گورداسپور کا ہوا۔ انہیں مرزا غلام احمد صاحب سے سخت عناد اور بغض تھا ہمیشہ مرزا صاحب کا تذکرہ مغلظ گالیوں سے کرتے تھے۔ بالآخر انہوں نے مرزا صاحب کی مخالفت میں ایک نظم اس طرح لکھی جس سے مباہلے کا گمان ظاہر ہوتا تھا۔ اس نظم میں حکیم صاحب نے مرزا صاحب کے کریکٹر پر کافی گندگی اُچھالی۔ مرزا صاحب نے ان کی نظم میں سے زیادہ گندے اشعار حذف کر کے کچھ اشعار کا عکس اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں درج کیا۔ چند اشعار درج ذیل ہیں۔

”ابن مریم زندہ حق کی قسم...
صورتِ ملکی بفلک محترم
ذکر فخر اُن کا ہے قرآن سے ثبوت...
جھوٹے کہتے ہیں غلام احمدی
جھوٹ کا بازار تھوڑے روز ہے
بعد اس کے حسرتِ دِلسوز ہے
جب خدا کا قہر ہو تم پر نزول

پھر نہ مرزا مہدی ہوگا نہ رسول
صرف اس کی عقل طومار ہے
عیش و عشرت کے لئے یہ کار ہے
یاالٰہی جلد تر انصاف کر
جھوٹ کا دنیا سے مطلع صاف کر"

(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔حقیقۃ الوحی۔صفحات ۴۹۔۵۰)

شیخ محمد ولد علی محمد ساکن ڈیری والا ضلع گورداسپور جو حکیم عبدالقادر صاحب کے شاگرد تھے نے تحریری طور پر حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے پاس شہادت دی کہ ان اشعار کی تصنیف کے چند روز بعد نہ صرف حکیم عبدالقادر صاحب خود طاعون سے ہلاک ہوگئے بلکہ ایک داماد اورکئی دوسرے عزیز بھی طاعون کا شکار ہوگئے ، اور جیسا کہ ان اشعار کے مصنف نے جناب الٰہی سے دُعا کی تھی کہ وہ انصاف کرے اور جھوٹ کا مطلع صاف کرے ایسا ہی خدا نے جلد تر انصاف کر دیا اور حکیم اور ان کے رشتہ داروں کے مرنے سے جھوٹ کا مطلع صاف ہوگیا۔ ۱۲۔مولوی عبدالرحمٰن محی الدین صاحب لکھو کے والے حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے شدید ترین مخالفین میں سے تھے۔اپنے آپکو صاحب الہام سمجھتے تھے۔انہوں نے حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب کو مندرجہ ذیل خط لکھا۔"...اس عاجز نے دعا کی کہ یاخبیر اخبرنی۔ مرزا کا کیا حال ہے۔ خواب میں یہ الہام ہوا۔"ان فرعون وهامان وجنودهما كا نوا خاطئين وان شانئك هوالابتر" مرزا صاحب کی طرف سے جواب آیا۔کہ یہ الہام محتمل المعانی ہیں۔اس میں میرا نام نہیں اور بڑے زور (سے۔ناقل) دعویٰ کیا۔میرے نام سے الہام نہ بخشا جائے گا۔ہر دو الہام مذکورہ ماہ صفر کو ہوئے تھے جب مرزا کا جواب آ گیا۔بعد ازاں ماہ صفر کو یہ الہام خواب میں ہوا۔"مرزا صاحب فرعون" الحمدلله على ذالك۔اب مرزا کا دعویٰ بھی غلط ہوگیا اور مرزا صاحب مراد کو پہنچ گئے اور جس وقت مجھ کو پہلا الہام ہوا تھا بیدار ہوتے ہی یہ تعبیر دل میں آئی کہ فرعون مرزا صاحب ہیں اور ہامان نُور دین۔ مجھے اہلِ اسلام کی خیر خواہی کے لئے اطلاع دینی ضروری تھی۔العبد...عبدالرحمٰن محی الدین لکھو کے بقلمہٖ بتاریخ ۲۱/ ماہ ربیع الاول ۱۳۱۲ھ"اس خط میں درج الہام کی رو سے مولوی صاحب نے مرزا صاحب کو فرعون قرار دیا جسے خدا نے حضرت موسیٰ کے مقابلے میں عذاب دے کر ہلاک کر دیا تھا مولوی صاحب نے دوسرے الہام میں مرزا صاحب کو ابتر لاولد رہ جانے کی اطلاع دی لیکن یہ عجیب بات ہوئی کہ الہام میں جس ہلاکت اور ابتر رہنے کی طرف اشارہ تھا۔وہ دونوں مولوی عبدالرحمٰن محی الدین لکھو کے والے کے کھاتے میں جاپڑے۔۱۸۹۶ء میں حج کے لئے گئے اور مکہ اور مدینہ کی راہ میں تھے

کہ چل بسے۔مرزا صاحب کے ہاں اولاد نہ ہونے والا الہام بھی جھوٹا نکلا کیونکہ مرزا صاحب کے گھر اس کے بعد بھی تین بیٹے پیدا ہوئے لیکن مولوی عبدالرحمٰن محی الدین کے ہاں کوئی اور لڑکا پیدا نہ ہوا بلکہ پہلے سے موجود ایک بیٹا بھی فوت ہوگیا اور یہ الہام بھی الٹا ان پر ہی پڑ گیا۔مولوی عبدالرحمٰن محی الدین صاحب کے خاندان کی تباہی کے بارے میں مرزا صاحب لکھتے ہیں۔"میں نے بعض عورتوں کو ان کے گھر میں بھیج کر دریافت کیا ہے کہ ان کی بیوی خود اپنی زبان سے کہتی ہے کہ اس بد دعا کے بعد ان کے گھر کا۔(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔حقیقۃ الوحی۔صفحات ۳۵۴۔۳۵۵)تختہ الٹ گیا مولوی محی الدین بہت جلد مکہ اور مدینہ کی راہ میں فوت ہوگئے۔اور اس قدر تنگی اور تکلیف دامنگیر ہوئی کہ اب صرف گداگری پر گذارہ ہے۔چند دیہات سے بطور گداگری آٹا لاتے ہیں تو اس سے پیٹ بھرتے ہیں اور جس دن آٹا نہ آوے اس روز فاقہ۔ان کی بیوی کہتی تھی کہ اب ہمارے پر رات پڑ گئی ہے"مولوی عبدالرحمٰن صاحب علماء کے خاندان میں سے تھے اور ہزاروں مریدوں پر ان کا اثر تھا۔اپنے علاقے میں ان کا خاندان بہت مشہور اور مرجع خلائق تھا۔ اگر ان کے الہام کے مطابق مرزا غلام احمد صاحب ہلاک ہوجاتے اور لاولد مرجاتے تو مولوی صاحب لاکھوں لوگوں میں صاحب کرامات مشہور ہوجاتے لیکن ان کا انجام بتایا ہے کہ ان کے الہام کے سارے اور کچھ مزید بد اثرات ان کی ذات پر پڑے۔عزت،شہرت، خاندان سب جاتے رہے گویا کہ ان پر رات پڑ گئی۔ ۱۳۔چراغ دین ساکن جموں جو چراغ دین جمونی کے نام سے مشہور ہوئے نے مرزا غلام احمد قادیانی کے بالمقابل دعویٰ کیا بلکہ مرزا صاحب کی ہلاکت کی دعائیں اور بالآخر بڑے حسرتناک انجام سے دوچار ہوا۔ چراغ دین صاحب پہلے مرزا صاحب کے مرید تھے پھر بیعت سے منحرف ہوکر مرزا صاحب کے شدید مخالفین میں شمار ہونے لگے۔مرزا صاحب کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے انہوں نے پہلے ایک کتاب"منارۃ المسیح"لکھی اور اس میں بار بار درج کیا کہ انہیں الہام ہوا ہے(کہ مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔حقیقۃ الوحی۔صفحہ ۳۵۷)مرزا غلام احمد صاحب دجال ہیں اور خدا نے انہیں یعنی چراغ دین صاحب کو دجال کو نابود کرنے کے لئے مامور مقرر کیا ہے اور یہ کہ انہیں حضرت عیسیٰ کا عصا دیا گیا ہے تاکہ اس عصا سے دجال کو قتل کر دیا جائے۔کتاب"منارۃ المسیح" کی تصنیف کے ایک سال بعد اسنے ایک اور تصنیف"اعجاز محمدی"لکھی جس میں مباہلہ کے رنگ میں مرزا صاحب کو ایک فتنہ قرار دے کر اللہ تعالیٰ سے ان کی ہلاکت کی دُعا کی۔مرزا صاحب نے چراغ دین کی تحریر کا عکس اپنی کتاب حقیقۃ الوحی میں چھاپ دیا۔ہم ذیل میں اس تحریر کے کچھ اقتباسات درج کررہے ہیں۔"...اے میرے خدا! ...تو جانتا ہے کہ میں وہی شخص ہوں جس کو تونے...اپنے مقدس اور سچے دین اسلام کی

خدمت اور نصرت کیلئے اہل دنیا میں سے چن لیا اور اس کام کے واسطے مخصوص کیا ہے اور تو نے ہی میرے ہاتھ سے وہ روحانی منارہ جس پر نزول ابن مریم مقدر تھا تیار کرادیا ہے اور تو نے ہی مجھے نزول عیسیٰ کی منادی کرنے اور نصاریٰ پر حجت اسلام ثابت کرنے کی خدمت میں مقرر فرمایا ہے۔۔۔لیکن اے میرے خدا تو خود جانتا اور دیکھ رہا ہے کہ دنیا میں ایک شخص نبوت اور رسالت کا مُدعی اور مسیحت کا دعویدار موجود ہے جو کہتا ہے کہ خاتم الانبیاء میں ہوں اور پیشگوئیوں کے مطابق نزول ابن مریم کا مصداق بھی میرا وجود ہے اور کہتا ہے کہ میرے لئے آسمان اور زمین سے نشان ظاہر ہوتے ہیں بلکہ طاعون اور زلزلے بھی میری تائید میں ظاہر ہورہے ہیں تا کہ میرے مخالفوں کو ہلاک اور تباہ کردیں۔۔۔اس لئے اے میرے خدا! دنیا کے دل تذبذب میں ہیں۔۔۔تیرے دین میں گڑبڑ پڑ رہی ہے اور تیرے حبیب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتک کی جارہی ہے۔۔۔اور ایک نئے دین کی بنیاد ڈالی گئی ہے یعنی مرزا قادیانی کی نبوت اور رسالت پر ایمان لائے بغیر کوئی مسلمان خواہ وہ کیسا ہی مخلص، ایماندار مسلمان نہیں رہ سکتا۔۔۔پس اے میرے خدا! اب تو آسمان پر سے نظر فرما اور اپنے دین اسلام اور اپنے مقدسوں کی عزت بچا اور ان کی نصرت کے لئے اپنی قدرت کا ہاتھ ظاہر کر اور فتنہ کو دنیا سے اُٹھا۔۔۔" حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اس کا مباہلہ والا کاغذ ابھی کاتب کے ہاتھ میں تھا اور وہ کاپی لکھ رہا تھا کہ پہلے اس کے دونوں بیٹے جو کُل دو ہی تھے طاعون میں مبتلا ہو کر مرگئے اور پھر خود ۴/اپریل ۱۹۰۶ء کو طاعون سے مرگیا اور لوگوں پر ظاہر کرگیا کہ صادق کون ہے اور کاذب کون۔ وہ اپنی موت کے قریب کہتا تھا کہ "اب خدا بھی میرا دشمن ہوگیا ہے۔ ۱۴۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے دعوت مباہلہ میں بہت سے علماء میں مولوی اصغر علی صاحب اور مولوی عبدالمجید صاحب دہلوی کو بھی مخاطب کیا تھا۔ مولوی اصغر علی صاحب کی بدگوئی اس وقت تک ختم نہ ہوئی جب تک خدائی قہر سے ان کی ایک آنکھ نہ نکل گئی۔ مولوی عبدمجید صاحب دہلوی مرزا صاحب سے دہلی میں پہلی بار ملے اور (چراغ دین جمونی ۱۹۰۲ء۔ اعجاز محمدی (حقیقۃ الوحی۔ صفحات ۴۱۲ تا ۴۱۷) مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی۔ صفحہ ۳۷۳) مرزا صاحب سے کہا کہ یہ الہام شیطانی ہیں۔ اس نے مرزا صاحب کو مسیلمہ کذاب سے مشابہت دی اور کہا کہ توبہ نہ کروگے تو افترا کی سزا بھگتو گے۔

مرزا صاحب نے کہا کہ میں اگر مفتری ہوں تو افترا کی سزا پاؤں گا ورنہ جو شخص مجھے مفتری کہتا ہے وہ مواخذہ سے نہیں بچ سکتا۔ مولوی صاحب نے مرزا صاحب کی تکذیب میں سخت الفاظ استعمال کرتے ہوئے ایک اشتہار بھی چھاپ کر بیجا۔ بالآخر مولوی صاحب دہلی میں ۹/فروری ۱۹۰۷ء کو ہیضہ سے ہلاک ہوگئے۔ ۱۵۔

مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے معاندین میں سے جس نے آپ کے خلاف سب سے زیادہ گندی زبان استعمال کی اس کا نام ماسٹر سعد اللہ لدھیانوی ہے۔ اس کی عداوت کے بارے میں مرزا صاحب نے خود لکھا کہ "وہ میری موت کا خواہاں تھا اور اپنی نظم و نثر میں میرے لئے بددعائیں کرتا تھا اور اپنی سفاہت اور جہالت سے میری تباہی اور ہلاکت کو بدل چاہتا تھا لعنۃ اللہ علی الکاذبین میرے حق میں اس کا ورد تھا، اور تمنا کرتا تھا کہ میں اس کی زندگی میں تباہ ہوجاؤں اور ہلاک ہوجاؤں اور یہ سلسلہ زوال پذیر ہوجائے اور اس وجہ سے جھوٹا ٹھہروں اور مخلوق کی لعنت کا نشانہ بنوں۔۔۔میں باور نہیں کرسکتا کہ جب سے دنیا پیدا ہوئی کسی نے ایسی گندی گالیاں کسی نبی اور مُرسل کو دی ہوں جیسا کہ اس نے مجھے دیں۔ چنانچہ جس شخص نے اس کی مخالفانہ نظمیں اور نثریں اور اشتہار دیکھے ہوں گے اس کو معلوم ہوگا کہ وہ میری ہلاکت اور نابود ہونے کے لئے اور نیز میری ذلت اور نامرادی دیکھنے کے لئے کس قدر حریص تھا۔" (ماسٹر سعد اللہ لدھیانوی نے اپنی کتاب "شہاب ثاقب بر مسیح کاذب" میں فارسی زبان میں شعروں کے اندر مرزا غلام احمد صاحب کی تباہی و نامرادی کی پیشگوئی کی تھی۔ اس کے متعلقہ شعر تھے کہ "اخذ یمین وقطع وتین است بہر تو۔۔۔بے رونقی و سلسلہ ہائے مزوّری۔۔۔اکنوں باصطلاح شمانام ابتلا است۔۔۔آخر بروز حشر وباایں دار خاسری" ("ترجمہ: خدا تجھے پکڑے گا اور تیری رگ جاں کاٹ دے گا۔ تب ترے مرنے کے بعد یہ جھوٹا تیرا سلسلہ تباہ ہوجائے گا اور اگرچہ تم لوگ کہتے ہو کہ ابتلاء بھی آیا کرتے ہیں مگر آخر تو حشر کے دن اور نیز اس دنیا میں ریا کار اور نامراد مرے گا) جب ماسٹر سعد اللہ لُدھیانوی کی طرف سے دریدہ دہنی کی انتہا ہوچکی تو اس کی مندرجہ بالا مباہلانہ انداز میں کی گئی پیشگوئی کے بعد مرزا صاحب نے اس کے لئے جناب الٰہی سے دعا کی تو ۲۹/ستمبر ۱۸۹۴ء الہام ہوا کہ (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی۔ صفحات ۴۔۵) (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی۔ تتمہ صفحات ۱۶۔۱۷۔ ماسٹر سعد اللہ لدھیانوی۔ شہاب ثاقب بر مسیح کاذب ۱۸۹۰ء) "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَر" (تیرا دشمن ہی ابتر ہوگا۔ اس الہام کے بارے میں مرزا صاحب نے اپنی کتاب انجام آتھم میں لکھا کہ "یہ الہام کہ" اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَر "اس وقت اس عاجز پر خدا تعالیٰ کی طرف سے القا ہوا۔ کہ جب ایک شخص نومسلم سعد اللہ نام نے ایک نظم گالیوں سے بھری ہوئی اس عاجز کی طرف بھیجی تھی اور اس میں اس عاجز کی نسبت اس ہندوزادہ نے وہ الفاظ استعمال کئے تھے کہ جب تک ایک شخص درحقیقت شقی، خبیث طینت، فاسدالقلب نہ ہو ایسے الفاظ استعمال نہیں کرسکتا۔۔۔سو یہ الہام اس کے اشتہار اور رسالہ کے پڑھنے کے وقت ہوا کہ "اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَر" سو اگر اس ہندوزادہ بدفطرت کی نسبت ایسا وقوع

میں نہ آیا اور وہ نامراد اور ذلیل اور رُسوا نہ مرا تو سمجھو کہ یہ خدا کی طرف سے نہیں“ (ماسٹر سعد اللہ لدھیانوی نے ۱۸۹۰ء میں مرزا غلام احمد صاحب کی موت اور اس کے سلسلہ کی تباہی اور نابود ہوجانے کی پیشگوئی کی تھی جب کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے ۱۸۹۴ء میں ماسٹر سعد اللہ لدھیانوی کی ہلاکت اور اس کی نسل کے ختم ہوجانے کی الہامی پیشگوئی کی تھی۔ اس دوران یکے بعد دیگرے متعدد ایسے واقعات گزرتے۔ (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۹۴ء۔ اشتہار مندرجہ انوار الاسلام۔ صفحہ ۱۲ (مجموعہ اشتہارات۔ جلد دوم صفحہ ۷۹)

(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۸۹۸ء۔ انجام آتھم۔ حاشیہ صفحات ۵۸-۵۹) رہے جو دونوں میں سے سچے اور جھوٹے کے درمیان تمیز کرنے کا موقع میسر کرتے رہے۔ ان میں سے چند کا تذکرہ درج ذیل ہے۔ ۱۔ جب ماسٹر سعد اللہ کی نسبت مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ ”إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ“ اُسی وقت ماسٹر سعد اللہ صاحب کا ایک ۱۵-۱۶ سال کی عمر کا بیٹا تھا مرزا صاحب کی اس وحی کے بعد ماسٹر صاحب ۱۳ سال تک زندہ رہے اور خدا سے گڑ گڑا، گڑ گڑا کر اولاد کی دعا کرتے رہے لیکن ان کے ہاں بچے پیدا ہو کر مرتے رہے اور کوئی بچہ زندہ نہ بچا اور صرف وہ بیٹا رہا جو پیشگوئی سے پہلے پیدا ہو چکا تھا۔ اس طرح مرزا صاحب کی پیشگوئی کے مطابق ماسٹر صاحب کے ابتر رہ جانے کی پہلی علامت ظاہر ہوگئی۔ (مرزا صاحب نے مسلسل ماسٹر سعد اللہ لدھیانوی کو چیلنج پر چیلنج دیا کہ وہ الہام کے مطابق ابتر رہنے کو جھوٹا ثابت کرنے کے لئے اپنے گھر اولاد پیدا کر کے دکھادے یا پہلے بچے کے گھر اولاد پیدا کرا کے دکھادے۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔ ”اگر سعد اللہ کا پہلا لڑکا نامراد نہیں ہے جو الہام ”إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ“ سے پہلے پیدا ہو چکا تھا جس کی عمر تخمیناً تیس برس کی ہے تو کیا وجہ کہ اس قدر عمر گذرنے اور استطاعت کے اب تک اس کی شادی نہیں ہوئی اور نہ اس کی شادی کا کچھ فکر ہے۔ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ دال میں کچھ کالا ہے۔ سعد اللہ پر فرض ہے کہ اس پیشگوئی کی تکذیب کے لئے یا تو اپنے گھر میں اولاد پیدا کر کے دکھادے اور یا پہلے لڑکے کی (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۶۴) شادی کر کے اور اولاد حاصل کرا کر اس کی مردمی ثابت کرے اور یاد رکھے ان دونوں باتوں میں سے کوئی بات اس کو ہرگز حاصل نہیں ہوگی کیونکہ خدا کے کلام نے اس کا نام ابتر رکھا ہے اور ممکن نہیں کہ خدا کا کلام باطل ہو۔ یقیناً وہ ابتر ہی مرے گا جیسا کہ آثار نے بھی ظاہر کر دیا ہے۔“ ۳۔ ماسٹر سعد اللہ لدھیانوی کے ابتر رہنے کا چیلنج جب مرزا صاحب نے اپنی تصنیف حقیقۃ الوحی میں لکھ کر ۱۹۰۶ء میں چھپنے کے لئے پریس میں دینے کے لئے تیار کیا تو مرزا صاحب کے وکیل اور مرید خواجہ کمال الدین صاحب مرزا صاحب کے پاس گئے اور عرض کی کہ چونکہ ماسٹر سعد اللہ صاحب اور ان کا بیٹا ابھی دونوں زندہ ہیں اس لئے ان کے متعلق ابتر کہنا قابلِ مؤاخذہ قانون ہے اس لئے یہ الہام اخفا میں ہی رکھنا چاہئے لیکن مرزا صاحب نے اس مشورے کو سخت ناپسند کیا اور کہا کہ ”خواجہ صاحب آپ کوئی فکر نہ کریں اگر مقدمہ ہمارے خلاف چل بھی گیا تو ہم آپ کو وکیل نہیں کریں گے۔ میرے نزدیک تو صحیح راہ یہی ہے کہ الہام کی تعظیم مقدم ہے اور اس کا اخفا اللہ تعالیٰ کی معصیت اور کمینگی۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ کے سوا کوئی بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے بعد مجھے حکام کے عتاب کی قطعاً پرواہ نہیں ہے۔ ہم جناب الٰہی میں (جو ہر فضل کا سرچشمہ ہے) دعا کریں گے اگر قضاء قدر میں ہمارے لئے مصیبت لکھی ہے تو ہم اس ذلت کی زندگی پر ہی راضی ہیں مگر (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء حقیقۃ الوحی صفحہ ۳۶۵) خدا کی قسم وہ اس شریر کو مجھ پر ہرگز مسلط نہیں کرے گا۔ اس پر خدا کی آفت نازل ہوگی اور میں جو اس کی پناہ کا طالب ہوں محفوظ رہوں گا۔“ ۵۔ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی پیشگوئی مندرجہ بالا کی موجودگی میں بہت سے دوست احباب سعد اللہ لُدھیانوی کو بار بار کہتے رہے کہ اتنی زیادہ عمر ہوجانے اور ساری تیاری مکمل ہوجانے کے باوجود کیوں اپنے بیٹے محمود کی شادی نہیں کرتا، تاکہ مرزا صاحب کی پیشگوئی کے سچا جھوٹا ہونے کا پتہ چل سکے لیکن جیسا کہ بعد میں مولوی ثناء اللہ امرتسری نے اپنے اخبار میں بڑی حسرت سے لکھا کہ سعد اللہ کے بیٹے کی نسبت حاجی عبدالرحیم صاحب کی دُختر سے طے ہو چکی تھی اور عنقریب شادی ہونے والی تھی کہ سعد اللہ لدھیانوی کا جنوری ۱۹۰۷ء کے پہلے ہفتے میں چند گھنٹے کی نمونیا پلیگ کی بیماری کے بعد انتقال ہوگیا۔ ماسٹر صاحب اس طرح فوت ہو کر مرزا صاحب کی پیشگوئی پر سچائی کی مُہر لگا گئے۔ ۵۔ ماسٹر سعد اللہ لدھیانوی کی وفات کے بعد ان کے اکلوتے بیٹے نے شادی بھی کر لی لیکن ایک لمبا عرصہ زندہ رہنے کے بعد ۱۲/جولائی ۱۹۲۶ء کو بے اولاد مر گیا اور اس کے ساتھ ہی ماسٹر صاحب کی نسل منقطع ہوگئی اور مرزا صاحب کا الہام پورا ہوا کہ ”إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ“ اور سچے اور جھوٹے کا بھی فیصلہ ہوگیا۔ سعد اللہ کے ابتر رہنے کا الہام کے ذریعے اعلان مرزا صاحب نے پہلی دفعہ ۲۹/ستمبر ۱۸۹۴ء کو کیا تھا اور آخری چیلنج ۱۹۰۶ء میں حقیقۃ الوحی کی تصنیف میں دیا تھا۔ (دوست محمد شاہد۔ تاریخ احمدیت۔ جلد سوم صفحہ ۴۹۴) مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔ حقیقۃ الوحی۔ تتمہ صفحہ ۵) ۶۔ اس کے برعکس ماسٹر سعد اللہ لدھیانوی نے مرزا صاحب کی ہلاکت اور ان کے سلسلہ کی تباہی کی ۱۸۹۰ء میں پیشگوئی کی تھی۔ اپنی پیشگوئی کے بعد ماسٹر صاحب ۱۷/ برس زندہ رہے اور ان کے سامنے نہ صرف مرزا صاحب زندہ رہے۔ ان کی جماعت دن بدن بڑھتی رہی، پھلتی، پھولتی رہی۔ جماعت احمدیہ جس میں شامل افراد کی تعداد ماسٹر سعد اللہ کی پیشگوئی کے وقت چند سو تھی بڑھتے

بڑھتے ماسٹر صاحب کی وفات کے وقت جماعت میں شامل افراد کی تعداد لاکھوں میں تھی۔ سب کچھ ماسٹر سعداللہ کی پیشگوئی کے برعکس ہورہا تھا اور آج جب کہ جماعت احمدیہ کی تعداد ایک کروڑ کے لگ بھگ ہے اور یہ ساری دنیا میں پھیل چکی ہے ماسٹر سعداللہ کی پیشگوئی کے جھوٹا ہونے میں کسی کو شک وشبہ نہیں رہتا۔

XI۔حضرت مرزا غلام احمد قادیانی کے خلاف مولوی کرم دین صاحب جہلمی کے مقدمات کا انجام: پس منظر

مرزا غلام احمد صاحب نے ۲۳ رفروری ۱۹۰۱ء کو ایک کتاب ''اعجاز المسیح'' نامی شائع کروائی۔ یہ کتاب سورہ فاتحہ کی فصیح وبلیغ عربی زبان میں تفسیر تھی۔ مرزا صاحب نے یہ تصنیف خاص طور پر پیر مہر علی شاہ آف گولڑہ اور ان کے ہمنوا علماء کو یہ چیلنج دے کر لکھی تھی کہ وہ قرآن کی کسی سورۃ کی تفسیر پر مشتمل ایسی معجزانہ کتاب لکھنے پر قادر نہیں ہوسکتے۔ مرزا صاحب نے کتاب اعجاز المسیح اور بعد میں ۱۹۰۲ء میں چھپنے والی کتاب نزول المسیح۔ دونوں میں اپنا الہام بھی سب کی اطلاع کے لئے شائع کردیا تھا کہ جو شخص اس کتاب کے جواب پر آمادہ ہوگا وہ دیکھ لے گا کہ وہ نادم ہوگا اور حسرت کے ساتھ اس کا خاتمہ ہوگا۔ (مولوی محمد حسن فیضی ساکن موضع بھیں تحصیل چکوال مدرس مدرسہ نعمانیہ شاہی مسجد لاہور نے عوام میں ارادہ ظاہر کیا کہ وہ مرزا صاحب کی کتاب اعجاز المسیح کا جواب لکھیں گے۔ جب وہ اپنی تصنیف کے لئے نوٹ تیار کررہے تھے تو مرزا صاحب کی کتاب میں بیان کردہ بعض حقائق پر انہوں نے ''لعنت اللہ علی الکاذبین'' کے ریمارکس لکھے۔ مولوی محمد حسن فیضی صاحب کو ان تحریروں پر لعنت بھیجے ابھی ایک ہفتہ بھی نہ گزرا تھا کہ وہ خود موت کے پنجے میں آکر ہلاک ہوگئے اور بظاہر خود ہی اپنی لعنت کا شکار ہوگئے۔

مولوی صاحب پیر مہر علی شاہ آف گولڑہ سے قریبی تعلق رکھتے تھے۔ مولوی صاحب کی وفات کے بعد پیر صاحب نے ایک کتاب اعجاز المسیح کے جواب میں لکھی اور اس کا نام ''سیف چشتیائی'' رکھا۔ یہ کتاب اگرچہ مرزا صاحب کی کتاب اعجاز المسیح کے جواب میں تھی لیکن اردو زبان میں تھی نہ کہ مرزا صاحب کی تفسیر کی طرح عربی میں اور نہ ہی قرآن کی تفسیر پر مبنی تھی اس لئے دونوں کتب کا کوئی موازنہ نہ تھا۔ اس کے مقابلے میں مرزا صاحب کی کتب عربی، اردو اور فارسی زبان میں اسلام کی حمایت میں چھپ کر دنیا میں پھیل چکی تھیں اور بے پناہ شہرت اور احترام حاصل کرچکی تھیں پیر صاحب نے اپنی کتاب سیف چشتیائی میں مرزا صاحب کی کتاب اعجاز المسیح کے بارے میں الزام لگایا کہ اس کے کچھ اندرجات سرقہ ہیں۔ مرزا صاحب نے (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۱ء۔ اعجاز المسیح۔ ٹائٹل صفحہ) اس الزام کو اپنی کتاب نزول المسیح کے اندر انصاف اور دیانت کا خون قرار دیا اور مشاہیر عالم نے بھی پیر صاحب کے الزام کو قابل توجہ نہ سمجھا۔ دوسری طرف قدرت کی یہ عجب ستم ظریفی دیکھئے کہ چاہ کن را چاہ درپیش۔ مرزا صاحب کو مولوی محمد حسن فیضی کے دوست میاں شہاب الدین صاحب ساکن بھیں کا خط ملا جس میں انہوں نے مرزا صاحب کو مطلع کیا کہ پیر مہر علی شاہ آف گولڑہ کی تصنیف ''سیف چشتیائی'' دراصل مولوی محمد حسن فیضی کے مسوّدے کی من وعن نقل اور اس لئے مسروقہ مضمون پر مبنی ہے۔ میاں صاحب نے اس سرقے پر افسوس کا ایک خط پیر صاحب کو براہ راست بھی لکھا۔ اس ممکنہ بدنامی کے پیش نظر پیر مہر علی شاہ آف گولڑہ نے مولوی محمد حسن فیضی کے والد کو خط لکھا کہ وہ میاں شہاب الدین صاحب کو مولوی محمد حسن فیضی کا مسوّدہ کتاب نہ دکھائیں۔ اس کے ساتھ ہی پیر صاحب نے ایک خط موضع بھیں کے مولوی کرم دین صاحب کو لکھا کہ انہوں نے اپنی کتاب ''سیف چشتیائی'' میں مولوی محمد حسن فیضی کے صرف نوٹ استعمال کئے ہیں۔ مولوی کرم دین صاحب اور میاں شہاب الدین صاحب نے پیر صاحب کے خطوط، دوسری تفاصل اور مولوی محمد حسن فیضی کے نوٹس اور متعلقہ کتب سب حضرت مرزا غلام احمد صاحب کو بھجوادیئے تاکہ ان کا پیر صاحب کی تحریروں سے مقابلہ کرکے پیر صاحب پر سرقہ کا الزام ثابت ہوسکے۔ چنانچہ مولوی کرم دین صاحب، میاں شہاب الدین اور پیر مہر علی شاہ آف گولڑہ کے سارے خطوط اخبار الحکم قادیان کی ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۲ء کی اشاعت میں شائع کرادیئے گئے تاکہ عوام کو اصل صورت سے آگاہی ہوسکے نیز اس ساری تفصیل کو حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے اپنی تصنیف نزول المسیح (۱۹۰۲ء) میں بھی درج کردیا۔ جب اس پورے قصے کی اخبار میں تشہیر ہوئی اور پیر مہر علی شاہ آف گولڑہ کی علمی اور سماجی دیانت پر حرف آیا تو مولوی کرم دین صاحب ان خطوط کے اصلی ہونے سے صاف مکر گئے جن میں انہوں نے پیر صاحب کے علمی سرقے کا انکشاف کیا تھا۔ اس کے ساتھ ہی مولوی صاحب نے جہلم سے چھپنے والے 'سراج الاخبار' کی ۶ ر۱۳ کتوبر ۱۹۰۲ء کی اشاعت میں ایک مضمون لکھ کر یہ اعلان بھی کردیا کہ الحکم قادیان ۱۷ر ستمبر ۱۹۰۲ء میں چھپنے والے سب خطوط جعلی ہیں نیز یہ کہ حضرت مرزا غلام احمد صاحب کا تمام کاروبار محض مکروفریب ہے اور آپ دعوے میں کذاب اور مفتری ہیں۔ مولوی کرم دین صاحب نے جو دروغ گوئی اور الزام تراشی کا روّیہ مرزا صاحب کے ساتھ اختیار کیا۔ مرزا صاحب نے تین ماہ تک اسے صبروتحمل سے برداشت کیا تاکہ مولوی صاحب از خود اپنے روّیئے پر نظر ثانی کرلیں اور حقائق کو تسلیم کرلیں لیکن جب مولوی صاحب نے اصلاح احوال کی کوئی ضرورت محسوس نہ کی تو مرزا صاحب کے کچھ ساتھیوں نے یکے بعد دیگرے مولوی صاحب پر تین استغاثے دائر کردیئے تاکہ عدالت کے ذریعے دادرسی ہوسکے۔ ان

حالات میں مولوی کرم دین صاحب نے جواب میں پہلا مقدمہ مرزا صاحب کے خلاف دائر کر دیا۔

مولوی کرم دین صاحب کا پہلا مقدمہ

جن حالات میں مولوی محمد حسن فیضی کی وفات ہوئی حضرت مرزا غلام احمد صاحب نے اس کا تذکرہ اپنی تصانیف نزول المسیح (۱۹۰۲ء) اور پھر مواہب الرحمن (۱۹۰۳ء) میں کیا اور واضح کیا کہ کسی طرح مولوی صاحب مرزا صاحب کے ساتھ روحانی (دوست محمد شاہد ۱۹۶۲ء۔ تاریخ احمدیت۔ جلد سوئم صفحات ۲۷۱۔۲۷۲) مقابلے کی کوشش کے باعث ہلاک ہوگئے۔ مولوی کرم دین صاحب نے یہ مؤقف اختیار کیا کہ مولوی محمد حسن فیضی چونکہ ان کے بہنوئی کے باعث قریبی عزیز تھے اور مرزا صاحب نے اپنی کتاب میں ان کی توہین کی ہے جو تعزیرات ہند کی متعدد دفعات کے تحت جرم ہے اس لئے حصول انصاف کی خاطر انہوں نے مرزا صاحب اور ان کے دو احباب کے خلاف رائے سنسار چند مجسٹریٹ درجہ اوّل جہلم کی عدالت میں مقدمہ دائر کر دیا جس کے لئے عدالت میں حاضری کی تاریخ ۱۷ر جنوری ۱۹۰۳ء مقرر ہوئی۔ مولوی کرم دین کے اس مقدمے کا سُن کر مرزا صاحب کے مخالفین میں مُسرت کی لہر دوڑ گئی یہاں تک کہ لاہور کے اخبار 'پنجاب سماچار' نے لکھا کہ "مرزا قادیانی پر نالش ہے۔ ان کا طرز تحریر بھی جہاں تک پڑھا ہے ملک کے لئے کسی طرح مفید نہیں بلکہ بہت دلوں کو دکھانے والا ہے۔ اگر عدالت نالش کو سچا سمجھے تو مناسب ہے کہ سزا عبرت انگیز دیوے تا کہ ملک ایسے شخصوں سے جس قدر پاک رہے ملک اور گورنمنٹ دونوں کے لئے مفید ہے" "خدائے علیم وحکیم نے ایک لئیم شخص کی نسبت اور اس کے بہتان عظیم کی نسبت مجھے خبر دی۔ اور مجھے اپنی وحی سے اطلاع دی کہ یہ شخص میری عزت دور کرنے کے لئے حملہ کرے گا اور انجام کار میرا نشانہ آپ بن جائے گا اور خدا نے تین خوابوں میں یہ حقیقت میرے پر ظاہر کی اور خواب میں میرے پر ظاہر کیا کہ یہ دشمن تین حمایت کرنے والے اپنی (اخبار الحکم قادیان۔ ۳۱ر جنوری ۱۹۰۳ء۔ صفحہ ۱۳ کالم ۱) کامیابی کے لئے مقرر کرے گا تا کہ کسی طرح اہانت کرے اور رنج پہنچاوے اور مجھے خواب میں دکھایا گیا گویا میں کسی عدالت میں گرفتاروں کی طرح حاضر کیا گیا ہوں اور مجھے دکھلایا گیا کہ انجام ان حالات کا میری نجات ہے اگر چہ کچھ مدت کے بعد ہو اور مجھے بشارت دی گئی کہ اس دشمن کذاب مہین پر بلا رد کی جائے گی۔ پھر میں انتظار کرتا رہا کہ کب یہ پیشگوئی کی باتیں ظہور میں آئیں گی۔ پس جب ایک برس گذرا تو یہ باتیں کرم دین کے ہاتھ سے ظہور میں آ گئیں (یعنی اس نے ناحق میرے پر فوجداری مقدمات دائر کئے)۔ پس اس کے مقدمات دائر کرنے سے پیشگوئی کا ایک حصہ تو پورا ہو گیا اور جو باقی حصہ ہے یعنی میرا اس کے مقدمات سے نجات پانا اور آخر اس کا سزایاب ہونا یہ بھی عنقریب پورا ہو جائے گا۔ (مقدمے میں حاضر ہونے کے لئے مرزا صاحب ۱۵ر جنوری ۱۹۰۳ء کو قادیان سے روانہ ہو کر بٹالہ ہوتے ہوئے رات گیارہ بجے کے قریب لاہور پہنچے اور رات وہیں قیام کیا۔ اگلے روز ۱۶ر جنوری کو مرزا صاحب نماز فجر کے بعد پیدل ہی ریلوے اسٹیشن کی طرف چل پڑے تا کہ جہلم جانے والی گاڑی پر سوار ہو سکیں۔ راستہ میں مرزا صاحب نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ رات کثرت سے یہ الہام ہوا ہے کہ (ترجمہ) "میں ہر جانب سے تجھے برکتیں دکھاؤں گا" (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۳ء۔ مواہب الرحمن صفحات ۱۲۹۔۱۳۰) (اخبار البدر قادیان ۲۳، ۳۰ر جنوری ۱۹۰۳ء۔ جلد ۲۔ نمبر ۱۔۲۔ صفحہ ۹) چنانچہ وہ سفر جو مرزا صاحب نے قادیان سے جہلم تک اس لئے اختیار کیا تھا کہ ایک مقدمے میں ملزم کی حیثیت سے پیش ہو کر اپنی صفائی پیش کریں وہی سفر کئی لحاظ سے آپ کے لئے موجبِ خیر و برکت ہوا۔ اس کے چند شواہد درج ذیل ہیں۔ ا۔ لاہور میں مرزا صاحب کا قیام بہت مختصر اور سخت سرد موسم میں تھا یعنی رات گیارہ بجے کے بعد سے صبح نمازِ فجر تک کا پھر بھی ۴۰ کے لگ بھگ افراد مرزا صاحب کی بیعت میں داخل ہوئے۔ اا۔ لاہور سے جہلم تک کا سفر مرزا صاحب کے لئے بے مثال تعظیم و تکریم کا باعث بنا۔ راستہ میں ہر اسٹیشن پر انبوہ خلائق مرزا صاحب کے استقبال اور زیارت کے لئے موجود تھا۔ مولوی عبدالواحد صاحب سیالکوٹی نے وزیر آباد ریلوے اسٹیشن پر استقبالیہ ہجوم کا حال یوں بیان کیا کہ۔

"وزیر آباد... میں حضور علیہ السلام (یعنی مرزا غلام احمد صاحب۔ ناقل) کی ٹرین ہمارے سامنے دوسرے پلیٹ فارم پر کھڑی تھی۔ لوگوں کا ہجوم بہت تھا اور ٹرین کے ڈبے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے۔ یہ دیکھ کر ہمیں مایوسی ہوئی کہ ہم لوگ شائد اس میں سوار نہ ہو سکیں گے۔ لوگ کثرت سے زیارت کے لئے چلے آ رہے ہیں۔ پلیٹ فارم پر ٹکٹ ٹکٹ کا شور مچ رہا ہے اتنے میں... سٹیشن ماسٹر صاحب تشریف لائے اور بکنگ کلرک پر ناراض ہوتے ہوئے بولے ٹکٹ بند کر و گیٹ کھول دو لوگوں کو جانے دو ہجوم میں مرزا صاحب کی زیارت کا جوش ہے کھڑکی جلد بند کرو خطرہ ہے۔ روایات صحابہ غیر مطبوعہ جلد ۹۔ صفحات ۱۸۱۔۱۸۲ (تاریخ احمدیت۔ جلد سوم۔ ۱۹۶۲ء صفحہ ۱۶۲) کہ لوگ کھڑکی نہ توڑ دیں... حضور علیہ السلام کی زیارت کا لوگوں میں اس قدر جوش تھا کہ ہجوم نے ٹرین روک لی اور اسٹیشن ماسٹر نے بھی ٹرین لیٹ کر دی" (خدا تعالیٰ کی برکتوں کے نزول کے راستے میں کئی مشاہدے کرنے کے بعد جب گاڑی جہلم پہنچی تو مرزا صاحب کا استقبال کرنے والوں کا بے مثال ہجوم تھا اس

نظارے پر مرزا صاحب نے خود یوں تبصرہ کیا۔''جب میں جہلم کے قریب پہنچا تو تخمیناً دس ہزار سے زیادہ آدمی ہوگا کہ وہ میری ملاقات کے لئے آیا اور تمام سڑک پر آدمی تھے اور ایسے انکسار کی حالت میں تھے کہ گویا سجدے کرتے تھے اور پھر ضلع کچہری کے اردگرد اس قدر لوگوں کا ہجوم تھا کہ حکام حیرت میں پڑ گئے۔گیارہ سو آدمیوں نے بیعت کی اور قریباً دوسو کے قریب عورت بیعت کرکے اس سلسلہ میں داخل ہوئی ....بہت سے لوگوں نے ارادت اور انکسار سے نذرانے دیئے ...''(IV ۔جہلم ریلوے اسٹیشن اور جہلم میں مرزا صاحب کی قیام گاہ پر رجوع خلائق کا نظارہ مولوی عبدالغنی صاحب جہلمی نے سوانح مولوی برہان الدین صاحب جہلمی صفحہ ۲۹ (غیر مطبوعہ) پر یوں لکھا ہے...مولوی عبدالواحد سیالکوٹی۔(جنوری ۱۹۵۷ء رسالہ خالد صفحہ ۳۹ تاریخ احمدیت ۱۹۶۲ء جلد سوم۔صفحات ۲۷۴۔۲۷۵)

(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔حقیقۃ الوحی۔صفحہ ۲۵۲)'' گاڑی دو بجے کے قریب جہلم پہنچی۔جناب غلام حیدر خاں صاحب تحصیل دار جہلم نے...شائقین کی تڑپ دیکھ کر حضرت اقدس (مرزا غلام احمد صاحب۔ناقل) سے درخواست کی کہ حضور دو،ایک منٹ کے لئے گاڑی کے دروازے میں کھڑے ہوکر اپنے منورہ چہرہ کی زیارت کرا دیں...ازاں بعد حضور ایک گاڑی میں مجوزہ فرودگاہ (بنگلہ سردار ہری سنگھ صاحب رئیس جہلم) کو چلے۔ایک انبوہِ کثیر اس وقت حضور کے ساتھ تھا اور جہاں تک نگاہ جاتی تھی ہر طرف آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے۔اس قدر مخلوق تھی کہ اژدھام اور بھیڑ میں حضور کی گاڑی بڑی مشکل سے آہستہ آہستہ چلتی تھی۔حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کی خوشیوں کا اس دن کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔آپ اس دن ضعیف العمری کے باوجود کمر کے ساتھ چادر باندھے گاڑی کے آگے آگے یہ کہتے جارہے تھے کہ پلی (چیونٹی) کے گھر نارائن (یعنی بروز خدا) آیا ہے۔تین بجے گاڑی بنگلہ کے سامنے آکر رکی...باہر بہت سے لوگ زیارت کی غرض سے کھڑے تھے لہٰذا یہاں بھی حضور سے عرض کیا گیا کہ لوگ حضور انور کو دیکھنے کے لئے ترس رہے ہیں۔یہ دیکھ کر حضور کمرہ سے بنگلہ کی چھت پر تشریف لے گئے اور آرام کرسی پر بیٹھ گئے۔''

V۔۱۷ رجنوری ۱۹۰۳ء کو پیشی کے دن مرزا غلام احمد صاحب گاڑی میں بیٹھ کر کچہری مولوی عبدالغنی جہلمی۔سوانح مولوی برہان الدین جہلمی۔صفحہ (غیر مطبوعہ) (تاریخ احمدیت جلد سوم۔صفحات ۲۷۵،۲۷۶) تشریف لے گئے جس قدر ہجوم ایک دن قبل جہلم ریلوے اسٹیشن پر استقبال کے لئے آیا تھا۔اس سے بھی زیادہ اب موجود تھا۔ مرزا صاحب کی گاڑی جب کچہری کے میدان میں جا کر ٹھہری تو کثرت ہجوم کے باعث مرزا صاحب گاڑی کے اندر ٹھہرے رہے۔آدمی پر آدمی گرا پڑتا تھا۔پولیس ڈنڈوں سے لوگوں کو پیچھے ہٹاتی تھی مگر وہ آگے ہی بڑھتے جاتے تھے۔تین بجے کے قریب مرزا صاحب نے عدالت میں قدم رکھا۔عدالت کا کمرہ لوگوں سے بھرا ہوا تھا حتیٰ کہ جس پلیٹ فارم پر مجسٹریٹ کی کرسی تھی اس پر بھی لوگ کھڑے تھے۔

VI۔مقدمے کا خارج ہونا

۱۹ رجنوری ۱۹۰۳ء کو فاضل مجسٹریٹ رائے سنسار چند نے فیصلہ دے کر مولوی کرم دین صاحب کا حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے خلاف مقدمہ خارج کر دیا۔ مولوی صاحب نے سیشن جج جہلم کی عدالت میں نگرانی دائر کی جو خارج کر دی گئی اور اس طرح مرزا صاحب کی بریت ہوئی۔

بادی النظر میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مرزا صاحب کا قادیان سے جہلم تک اور وہاں قیام اور پھر واپسی کا سفر کسی مقدمہ کو بھگتانے کی خاطر نہ تھا بلکہ الٰہی فضلوں اور برکتوں اور رحمتوں کی بارش سمیٹنے کا باعث تھا۔مرزا صاحب کے مخالف کس طرح اہانت کے درپے تھے اور خدا تعالیٰ کس طرح ان کے سارے منصوبے خاک میں ملا کر آپ کا احترام اور وقار کو بڑھاتا جارہا تھا۔

(دوست محمد شاہد ۱۹۶۲ء۔تاریخ احمدیت۔جلد سوم۔صفحات ۲۷۶۔۲۷۷)(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء۔حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۶۴)

مولوی کرم دین صاحب کا دوسرا مقدمہ

مولوی کرم دین صاحب نے پہلے مقدمے میں ناکامی کے بعد ۲۶ رجنوری ۱۹۰۳ء کو ایک دوسرا فوجداری مقدمہ مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور حکیم فضل دین صاحب کے خلاف رائے سنسار چند صاحب ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ جہلم کی عدالت میں دائر کر دیا۔مولوی صاحب کے اس مقدمے کی بنیاد یہ تھی کہ مرزا صاحب نے اپنی تصنیف مواہب الرحمن (۱۹۰۳ء) میں کذاب مہین کے الفاظ جن کا ذکر گزشتہ صفحات پر مولوی صاحب کے پہلے مقدمے میں آچکا ہے مولوی کرم دین صاحب کے بارے میں استعمال کرکے ان کی توہین کی ہے کیونکہ ان کے بیان کے مطابق یہ الفاظ ایک خاص کافر ولید بن مغیرہ کی نسبت استعمال کئے گئے ہیں۔اس لئے مرزا صاحب نے یہ الفاظ مولوی کرم دین صاحب کے لئے استعمال کرکے انہیں کافر سے تشبیہ دی ہے۔مولوی صاحب کا دائر کردہ مقدمہ تقریباً ۲ سال تک مختلف عدالتوں میں چلتا رہا جس میں کئی اہم شخصیتوں نے مرزا صاحب کی عزت پر ہاتھ ڈالنے کی کوشش کی لیکن دردناک انجام سے دوچار ہوئیں اور مولوی کرم دین صاحب نہ صرف آخر کار عدالت سے کذاب اور لئیم کا خطاب لے کر نکالے گئے بلکہ ان کا انجام بھی بڑی دردناک موت پر ہوا۔ہم واقعات کے تسلسل کو اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ ا۔مقدمے کے بارے میں مرزا غلام احمد صاحب کے الہامات: مولوی کرم دین صاحب نے مرزا

صاحب کے خلاف فوجداری مقدمہ ۔۲۶؍جنوری ۱۹۰۳ءکو دائر کیا مرزا صاحب کواس کے بارے میں وقفے وقفے سے الہامات کا سلسلہ شروع ہوا جنہیں آپ قادیان سے نکلنے والے اخبارات الحکم اور البدر میں چھپواتے رہے ان میں درج ذیل کے ذریعے اس مقدمے کے نتیجے کو سمجھنے کی مدد ملتی تھی۔

i۔(عربی سے ترجمہ)''خدا اپنے بندوں کے ساتھ ہے ۔وہ تیری غمخواری کرے گا۔''(الہام بوقت شام ۔۲۸؍جنوری ۱۹۰۳ء)۔۲۔(عربی سے ترجمہ) ''شاندار رنگ میں تیری عزت قائم کی جائے گی'' (الہام بوقت صبح ۲۹؍جنوری ۱۹۰۳ء)۔۳۔(عربی سے ترجمہ)''روز دوشنبہ اور حنین والی فتح''(الہام ۱۷؍فروری ۱۹۰۳ء) ۴۔(عربی سے ترجمہ)''بے شک خدا اُن کے ساتھ ہے جو پرہیز گار ہیں اور ان لوگوں کے ساتھ جو خدا کے بندوں کے ساتھ ہمدری اور نیکی کرتے ہیں اور پوچھنے والوں کے لئے اس میں کئی نشانات ہیں'' (الہام رات ۲۸؍جون ۱۹۰۳ء) اخبار الحکم قادیان ۱۴؍فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۵۔کالم ۲ (البدر ۳۰؍جنوری ۱۹۰۳ء۔صفحہ ۱۱۔کالم ۲۰ (تذکرہ صفحہ ۴۵۷) ۱۲اخبار الحکم قادیان ۳۱؍جنوری ۱۹۰۳ء۔صفحہ ۱۵۔کالم ۲ (تذکرہ صفحہ ۴۵۷) ۱۳اخبار البدر۔قادیان ۲۰؍فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۳۹۔کالم ۲ (تذکرہ صفحہ ۴۶۴)(اخبار الحکم قادیان ۳۰؍جون ۱۹۰۳ء۔صفحہ ۱۱۔کالم ۲ (تذکرہ صفحہ ۴۷۶) ۲۸؍جون ۱۹۰۳ء کے اس الہام پر مرزا صاحب کی طرف سے مندرجہ ذیل تبصرہ ۳۰؍جون ۱۹۰۳ء کے دن اخبار الحکم میں شائع ہوا۔''میرے خیال پر یہ کشمکش غالب ہوئی کہ یہ مقدمات جو کرم دین کی طرف سے میرے پر ہیں یا بعض میری جماعت کے لوگوں کی طرف سے کرم دین پر ہیں ان کا انجام کیا ہوگا سو اس غلبہ کشمکش کے وقت میری حالت وحی الٰہی کی طرف منتقل کی گئی اور خدا کا یہ کلام میرے پر نازل ہوا...اس کے معنے یہ سمجھائے گئے کہ ان دونوں فریقوں میں سے خدا اس کے ساتھ ہوگا اور اس کو فتح اور نصرت نصیب کرے گا کہ جو پرہیز گار ہیں یعنی جھوٹ نہیں بولتے ،ظلم نہیں کرتے، تہمت نہیں لگاتے اور دغا اور فریب اور خیانت سے ناحق خدا کے بندوں کو نہیں ستاتے اور ہر ایک بدی سے بچتے اور راستبازی اور انصاف کو اختیار کرتے ہیں اور خدا سے ڈر کر اُس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور خیرخواہی اور نیکی کے ساتھ پیش آتے ہیں اور بنی نوع کے وہ سچے خیر خواہ ہیں ۔ان میں درندگی اور ظلم اور بدی کا جوش نہیں بلکہ عام طور پر ہر ایک کے ساتھ وہ نیکی کرنے کے لئے تیار ہیں سو انجام یہ ہے کہ ان کے حق میں فیصلہ ہوگا۔تب وہ لوگ جو پوچھا کرتے ہیں جو ان دونوں گروہوں میں سے حق پر کون ہے؟ ان کے لئے نہ ایک نشان بلکہ کئی نشان ظاہر ہوں گے۔''۵۔(عربی سے ترجمہ)''میں بعد اس کے جو مخالف تیری توہین کریں گے۔(مرزا غلام احمد قادیانی ۔اخبار الحکم۔قادیان ۳۰؍جون ۱۹۰۳ء۔صفحہ ۱۱،تذکرہ صفحہ ۴۷۶)

تجھے عزت دوں گا اور تیرا اکرام کروں گا''

اگرچہ ۶۔۷ ماہ کے اندر یہ ۱۵ الہامات مقدمے کے انجام کو واضح کر رہے تھے لیکن مرزا صاحب نے مقدمے کی کاروائی کے آغاز کے ساتھ ہی اس کے انجام کو وضاحت سے بیان کر دیا۔آپ نے اخبار الحکم میں لکھا کہ ''یہ استغاثہ ہم پر نہیں اللہ تعالیٰ پر ہی معلوم ہوتا ہے کہ لوگ مقدمان کر کے ٹھکانہ چاہتے ہیں ...میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا زور آور حملوں سے سچائی ظاہر کر دے گا اس وقت یہ پورے زور لگائیں گے تاکہ قتل کے مقدمے (ڈاکٹر مارٹن کلارک کا مقدمہ۔ناقل۔دیکھئے باب ہفتم) کی حسرتیں نہ رہ جائیں کہ کیوں چھوٹ گیا۔یہ لوگ ان باتوں پر یقین نہیں رکھتے جو خدا کی طرف سے میں پیش کرتا ہوں مگر وہ دیکھ لیں گے کہ ''اکرام'' عجبا'' (الہام عربی ۲۹؍جنوری ۱۹۰۳ء) کیا ہوتا ہے''

۲۔مقدمے کی کاروائی اور چندرلال مجسٹریٹ کا معاندانہ رویہ

مولوی کرم دین صاحب کا جہلم میں مرزا غلام احمد صاحب کے خلاف دائر کردہ مقدمہ منتقل ہوکر ۲۹؍جون ۱۹۰۳ءکو گورداسپور میں ایک آریہ مجسٹریٹ درجہ اول لالہ چندمل بی۔اے کی عدالت میں آ گیا۔اسی عدالت میں بعض احمدی احباب کی طرف سے مولوی کرم دین صاحب کے خلاف دائر کردہ مقدمات بھی چل رہے تھے اخبار الحکم۔قادیان ۔۱۷؍اگست ۱۹۰۳ء صفحہ ۲۰ (تذکرہ صفحہ ۴۷۹) اخبار الحکم۔قادیان ۔۱۴؍فروری ۱۹۰۳ء صفحہ ۵ کالم ۲ (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۲۹۰) ۱۸؍اگست ۱۹۰۳ء گورداسپور میں اس مقدمہ کی پیشی ہوئی ۔مرزا صاحب کے وکیل خواجہ کمال الدین صاحب نے مرزا صاحب کی طرف سے درخواست دی کہ عدالت اس مقدمہ میں مرزا صاحب کی اصالتاً حاضری معاف کر دے۔عدالت کی طرف سے یہ درخواست رد کر دی گئی ۔چندولال مجسٹریٹ کی طرف سے مرزا صاحب کے خلاف بُغض کا یہ پہلا اظہار تھا۔گزشتہ صفحات پر مولوی کرم دین صاحب کے مرزا صاحب کے خلاف پہلے مقدمے کے بیان میں ان خطوط کا ذکر آ چکا ہے جو مولوی کرم دین صاحب اور مولوی شہاب الدین صاحب نے مرزا صاحب/حکیم فضل دین کو پیر مہر علی شاہ آف گولڑہ کی تصنیف ''سیف چشتیائی'' کے مبینہ طور پر سرقہ ہونے کے بارے میں لکھے تھے اور جن کے بارے میں بعد میں ۶؍اکتوبر ۱۹۰۳ءکو ''سراج الاخبار'' میں چھپوا دیا تھا کہ مذکورہ بالا خطوط جعلی ہیں۔مقدمے کی سماعت کے دوران جرح کے جواب میں مولوی صاحب نے ۶؍اکتوبر ۱۹۰۳ءکو سراج الاخبار میں چھپنے والے اپنے مضمون کے بھی اصلی ہونے سے انکار کر دیا۔آپ نے بیان کیا کہ ''۶؍

اکتوبر ۱۹۰۳ء کو اخبار سراج الاخبار میں جو مضمون چھپا ہے وہ میرا نہیں ہے۔ میں نے کوئی خط فضل دین صاحب کو نہیں لکھا نہ لکھوایا نہ میں نے شہاب الدین کو کوئی اطلاع دی۔ کہ پیر صاحب نے فیضی صاحب کی کتاب سیف چشتیائی سرقہ کی ہے ...مسل مقدمہ مولوی کرم دین جہلمی۔ صفحہ ۵۱، ۵۶، ۵۸، ۶۹، ۷۳ (تاریخ احمدیت۔ جلد سوم صفحات ۲۹۱۔۲۹۲)۔ ۲۔ مقدمے کی اگلی پیشی ۱۳؍جنوری ۱۹۰۴ء کو تھی جس کے لئے مرزا صاحب ۱۲؍جنوری کو پچھلے پہر گورداسپور پہنچ گئے۔ مرزا صاحب کو چندولال مجسٹریٹ کی مخالفانہ اور متعصّبانہ روش کی تفصیلات کا پہلے سے علم ہو چکا تھا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ پہلی پیشی پر ہی آپ کو گرفتار کر کے جیل میں بند کر دے۔ مرزا صاحب کے گرفتار کرنے کی سازش میں چندولال مجسٹریٹ کے ملوث ہونے کی شہادت اور اگلے دن عدالت میں پیش آمدہ واقعات کے باعث مرزا صاحب کی باعزت واپسی کا منظر اور پیش منظر مرزا صاحب کے ایک قریبی معتمد مولانا سیّد سرور شاہ صاحب کے الفاظ میں پڑھیے۔ ”محمد حسین مذکورہ گورداسپور میں کسی کچہری میں محرر یا پیش کار تھا اور سلسلہ (احمدیہ۔ناقل) کا سخت مخالف تھا۔ ڈاکٹر صاحب (ڈاکٹر محمد اسمٰعیل خاں۔ ناقل) نے بیان کیا کہ محمد حسین منشی آیا اور اس نے مجھے کہا کہ آج کل یہاں آریوں کا جلسہ ہوا ہے ...جلسہ کی عام کارروائی کے بعد انہوں نے اعلان کیا کہ ...اب لوگ چلے جائیں کچھ ہم نے پرائیویٹ باتیں کرنی ہیں ...پھر ان آریوں میں سے ایک شخص اُٹھا اور مجسٹریٹ (لالہ چندولال۔ناقل) کو مرزا صاحب کا نام لے کر کہنے لگا کہ یہ شخص ہمارا سخت دُشمن اور ہمارے لیڈر لیکھرام کا قاتل ہے اب وہ آپ کے ہاتھ میں شکار ہے اور ساری قوم کی نظر آپ کی طرف ہے اگر آپ نے شکار کو ہاتھ سے جانے دیا تو آپ قوم کے دُشمن ہوں گے۔ ...مجسٹریٹ نے جواب دیا کہ میرا تو پہلے سے خیال ہے کہ ہو سکے تو نہ صرف مرزا صاحب کو بلکہ اس مقدمہ میں جتنے بھی اس کے ساتھی اور گواہ ہیں سب کو جہنم میں پہنچا دوں مگر ...کوئی ہاتھ ڈالنے کی جگہ نہیں ملتی لیکن اب عہد کرتا ہوں کہ خواہ کچھ ہو اس پہلی پیشی میں ہی عدالتی کارروائی عمل میں لے آؤں گا ...ڈاکٹر صاحب بیان کرتے تھے کہ محمد حسین مجھ سے کہتا تھا کہ ...عدالتی کارروائی ...کا مطلب یہ ہے کہ ہر مجسٹریٹ کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ شروع یا دوران مقدمہ میں جب چاہے ملزم کو بغیر ضمانت قبول کئے گرفتار کر کے حوالات دے دے ...آپ اس کا کوئی انتظام کر لیں اور میرے خیال میں دو تجویزیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ چیف کورٹ لاہور میں یہاں سے مقدمہ تبدیل کرانے کی کوشش کی جاوے اور دوسرے یہ کہ خواہ کسی طرح ہو مگر مرزا صاحب اس آئندہ پیشی میں حاضر عدالت نہ ہوں اور ڈاکٹری سرٹیفکیٹ پیش کر دیں ...ڈاکٹر صاحب نے یہ واقعہ بیان کیا تو ہم سب بھی خوفزدہ ہو گئے ...رات ہو چکی تھی ہم نے یکہ تلاش کیا ..مگر کوئی یکہ والا راضی نہ ہوا۔

آخر ہم نے شیخ حامد علی اور عبدالرحیم باورچی اور ایک تیسرے شخص کو قادیان پیدل روانہ کیا۔ وہ صبح کی نماز کے وقت قادیان پہنچے اور حضرت صاحب (مرزا غلام احمد صاحب۔ناقل) سے مختصراً عرض کیا۔ حضور نے بے پروائی سے جواب دیا۔ خیر ہم بٹالہ چلتے ہیں ...چنانچہ اسی دن حضور بٹالہ آ گئے۔ گاڑی میں مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ صاحب بھی مل گئے۔ انہوں نے خبر دی کہ تبدیلی مقدمہ کی کوشش کامیاب نہیں ہوئی ...جب آپ گورداسپور پہنچے تو ...تھوڑی دیر کے بعد مجھے بُلایا گیا۔ میں گیا ...مجھ سے فرمایا کہ میں نے آپ کو اس لئے بلایا ہے کہ وہ سارا واقعہ سُنوں کہ کیا ہے۔ اس وقت کمرے میں کوئی اور آدمی نہ تھا ...میں نے سارا واقعہ سنایا ...حضور خاموشی سے سنتے رہے۔ جب میں شکار کے لفظ پر پہنچا تو یکلخت حضرت صاحب اُٹھ کر بیٹھ گئے۔ اور آپ کی آنکھیں چمک اُٹھیں اور چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا۔ میں اس کا شکار ہوں میں شکار نہیں ہوں، میں شیر ہوں اور شیر بھی خدا کا۔ وہ بھلا خدا کے شیر پر ہاتھ ڈال سکتا ہے۔ ایسا کر کے تو دیکھے ...اور اس وقت آپ کی آنکھیں جو ہمیشہ جھکی ہوئی اور نیم بند رہتی تھیں واقعی شیر کی آنکھوں کی طرح کھل کر شعلہ کی طرح چمکتی تھیں اور چہرہ اتنا سُرخ تھا کہ دیکھا نہیں جاتا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا۔ میں کیا کروں میں نے تو خدا کے سامنے پیش کیا ہے کہ میں تیرے دین کی خاطر اپنے ہاتھ اور پاؤں میں لوہا پہننے کو تیار ہوں مگر وہ کہتا ہے کہ نہیں میں تجھے ذلت سے بچاؤں گا اور عزت کے ساتھ بری کروں گا۔ پھر آپ محبت الٰہی پر ...تقریباً نصف گھنٹے تک جوش کے ساتھ بولتے رہے۔ لیکن پھر یکلخت بولتے بولتے آپ کو اُبکائی آئی اور ساتھ ہی قے ہوئی جو خالص خون کی تھی ...ڈاکٹر کو بلوایا۔ ڈاکٹر انگریز تھا ...اُس نے کہا اس وقت آرام ضروری ہے۔ میں سرٹیفکیٹ لکھ دیتا ہوں ...خود ہی کہنے لگا۔ میرے خیال میں دو مہینے آرام کرنا چاہئے۔ خواجہ صاحب نے کہا۔ فی الحال ایک مہینہ کافی ہوگا۔ اس نے فوراً ایک مہینے کے لئے سرٹیفکیٹ لکھ دیا اور لکھا کہ اس عرصہ میں میں ان کو کچہری میں پیش ہونے کے قابل نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد حضرت صاحب نے واپسی کا حکم دیا ...بعد میں ہم نے سُنا کہ مجسٹریٹ نے سرٹیفکیٹ پر جرح کی اور بہت تلملایا اور ڈاکٹر کو شہادت کے لئے بلوایا مگر اس انگریز ڈاکٹر نے کہا کہ میرا سرٹیفکیٹ بالکل دُرست ہے اور میں اپنے فن کا ماہر ہوں۔ اس پر میرے فن کی رُو سے کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا اور میرا سرٹیفکیٹ تمام اعلیٰ عدالتوں تک چلتا ہے۔ مجسٹریٹ بُڑ بُڑاتا رہا مگر کچھ پیش نہ گئی“ اس روئیداد سے ظاہر ہوتا ہے کہ لالہ چندولال مجسٹریٹ جو مرزا صاحب کو پہلی ہی پیشی پر گرفتار کر کے جیل میں ڈالنے کا مصمم ارادہ کر چکا تھا ہاتھ ملتا رہ گیا اور مرزا صاحب کا گزشتہ صفحات پر درج الہام ’خدا اپنے بندوں کے ساتھ ہے۔ وہ تیری غمخواری کرے گا“ پورا ہوا۔ مرزا صاحب کے وُکلا نے لالہ چندولال کی کھلم

کھلا معاندانہ روش کے باعث مقدمے کے انتقال کے لئے پہلے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور اور پھر چیف کورٹ لاہور میں درخواستیں دیں جو بالترتیب ۱۲؍فروری ۱۹۰۴ء اور ۲۲؍فروری ۱۹۰۴ء کو نامنظور کردی گئیں۔اس طرح ۲۴؍فروری ۱۹۰۴ء کو جب مقدمے کی سماعت پھر سے شروع ہوئی چندولال مجسٹریٹ کا رویہ پہلے سے بھی زیادہ جارحانہ تھا۔دوتین دفعہ کی پیشیوں کے بعد مقدمہ کی سماعت ۱۴؍مارچ ۱۹۰۴ء کو ہونی تھی کہ کیپٹن۔(مرزا بشیر احمد۔سیرۃ المہدی۔حصہ اوّل طبع دوم صفحات ۹۲-۹۸) پی۔ایس۔سی مقرر سول سرجن گورداسپور قادیان آئے اور انہوں نے مرزا صاحب کو چھ ہفتے تک سفر کے ناقابل ہونے کا سرٹیفکیٹ دے دیا لہٰذا مرزا صاحب اس دن بھی عدالت میں حاضر نہ ہوئے۔چندولال مجسٹریٹ سرٹیفکیٹ دیکھ کر بہت سٹپٹایا لیکن اگلے دن یعنی ۱۵؍مارچ کو ڈاکٹر کی ذاتی شہادت لے کر مقدمے کی تاریخ ۱۰؍اپریل ۱۹۰۴ء مقرر کردی۔

۳۔چندولال مجسٹریٹ کا انجام

اگر چہ اب تک اسے کوئی موقعہ نہ ملا تھا لیکن ایک دن چند غیر احمدی احباب نے مرزا غلام احمد صاحب سے گزارش کی کہ لالہ چندولال مجسٹریٹ کا ارادہ بالآخر آپ کو قید کرنے کا ہے۔مرزا صاحب دری پر لیٹے لیٹے اُٹھ بیٹھے اور فرمایا کہ ''میں تو چندولال کو عدالت کی کرسی پر نہیں دیکھتا''(۲۴؍فروری ۱۹۰۴ء کو مرزا صاحب نے اپنا کشف بیان کیا کہ''میں نے دیکھا کہ کوئی کہتا ہے کہ فلاں شخص کی جگہ شیخ آیا۔خیال گزرتا ہے کہ چندولال کی جگہ آیا۔واللہ اعلم''(واقعات بتاتے ہیں کہ قضاوقدر کا فیصلہ چندولال مجسٹریٹ کے خلاف صادر ہو چکا تھا۔۱۰؍اپریل ۱۹۰۴ء کی مقرر کردہ تاریخ پر چندولال کو مرزا صاحب کے خلاف دائر کردہ مقدمہ کی سماعت نصیب نہ ہوئی اور وہ فی الواقع اس دن عدالت کی کرسی پر نہ(اخبار الحکم قادیان ۱۴؍جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۳،تاریخ احمدیت۔جلد سوم صفحہ ۳۰۰)(مرزا غلام احمد قادیانی الہام ۲۴؍فروری ۱۹۰۴ء،تذکرہ صفحہ ۵۰۶) تھا اور اس کی جگہ ایک دوسرا مجسٹریٹ آچکا تھا۔اس دوران ۱۰؍مارچ ۱۹۰۴ء کے ایک گزٹ نوٹیفکیشن کے ذریعے لالہ چندولال کو مجسٹریٹ درجہ اوّل سے تنزلی کے بعد گورداسپور سے تبدیل کردیا گیا اور ملتان میں ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر بنادیا گیا۔کچھ عرصہ بعد پنشن پاکر ریٹائر ہوئے اور لدھیانہ میں آگئے۔اللہ تعالیٰ کی طرف سے لالہ صاحب کی تنزلی کے اسباب کس طرح پیدا ہوئے اس ضمن میں تین واقعات کا بیان دلچسپی سے خالی نہیں۔۱۔حضرت منشی ظفر احمد صاحب کپورتھلوی بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ لالہ چندولال نے مقدمے کے دوران مرزا صاحب سے دریافت کیا۔آپ کو نشان نمائی کا دعویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا۔ہاں اور تھوڑی دیر بعد آپ نے فرمایا۔جونشان چاہیں میں اس وقت دکھا سکتا ہوں۔یہ سن کر وہ سناٹے میں آگیا اور خاموش ہوگیا۔۲۔ ایک دفعہ چندولال مجسٹریٹ نے عدالت میں حضور کے الہام ''اِنِّیْ مُهِیْنٌ مَنْ اَرَادَ اِهَانَتَكَ'' کے متعلق سوال کیا کہ یہ خدا نے آپ کو بتایا ہے؟حضور نے فرمایا۔یہ اللہ کا کلام ہے اور اس کا مجھ سے وعدہ ہے۔وہ کہنے لگا۔جو آپ کی ہتک کرے وہ ذلیل وخوار ہوگا؟ آپ نے فرمایا۔بے شک۔چندولال نے کہا۔اگر میں کروں مرزا صاحب نے کہا۔چاہے کوئی کرے۔تو اُس نے دوتین مرتبہ کہا۔اگر گورنمنٹ گزٹ نوٹیفکیشن نمبر ۱۰۸۵۔(۱۰؍مارچ ۱۹۰۴ء صفحہ ۱۳۰۹ اخبار الحکم قادیان ۱۴؍جولائی ۱۹۳۵ء صفحہ ۴ کالم ۴ اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ ۱۰۷ تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۳۰۰)میں کروں تو مرزا صاحب یہی فرماتے رہے۔چاہے کوئی کرے۔پھر چندولال خاموش ہوگیا۔ڈاکٹر بشارت احمد مؤلف مجدد اعظم لالہ چندولال مجسٹریٹ درجہ اوّل کی تنزلی کا واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ''گورداسپور جیل میں ایک مجرم کو پھانسی لگنی تھی قاعدہ ہوتا ہے کہ ڈپٹی کمشنر لالہ چندولال کی ڈیوٹی لگی۔انہوں نے ڈپٹی کمشنر کو لکھا کہ میں بہت رقیق القلب ہوں کسی مجرم کو پھانسی لگتے نہیں دیکھ سکتا اس لئے مجھے معاف رکھا جائے۔ڈپٹی کمشنر نے...کسی دوسرے مجسٹریٹ کی ڈیوٹی لگادی لیکن ساتھ ہی گورنمنٹ میں رپورٹ کردی کہ یہ شخص یعنی چندولال اس قابل نہیں کہ اسے فوجداری اختیارات دیئے جائیں...چنانچہ اس کی اس رپورٹ پر...رائے چندولال صاحب ایکسٹرا اسسٹنٹ کمشنری سے تنزل ہوکر منصف بنادیئے گئے''مرزا غلام احمد صاحب اور مولوی کرم دین صاحب کے درمیان مصالحت کی کوششوں کی ناکامی: جون ۱۹۰۴ء میں گورداسپور کے بعض نیک دل مسلمانوں نے مولوی کرم دین جہلمی کو مرزا صاحب کے خلاف دائر کردہ مقدمہ سے دستبردار ہونے پر راضی کرلیا اور (اصحاب احمد جلد چہارم صفحہ ۱۰۷ تاریخ احمدیت جلد سوم صفحات ۳۰۰، ۳۰۱)(ڈاکٹر بشارت احمد مجدد اعظم صفحات ۹۶۶،۹۶۷،تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۲۹۹ حاشیہ) پھر وہ مرزا صاحب کی خدمت میں مصالحت کی غرض سے پہنچے۔مرزا صاحب نے جواب دیا کہ صلح کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ کرم دین صاحب کہہ دیں کہ متنازعہ خطوط انہوں نے ہی لکھے تھے۔وفد کے ایک ممبر نے کہا کہ وہ مقدمہ سے دستبردار ہونا چاہتا ہے۔مرزا صاحب نے کہا کہ یہ مقدمہ ایماء الٰہی سے ہے۔جب تک کرم دین صاحب اپنے خطوط کا اقرار نہ کریں کہ اُن کے ہیں جن کا اس نے عدالت میں انکار کیا ہے تب تک کوئی صفائی نہیں۔وفد نے مرزا صاحب سے کہا کہ حکام کی نظر اچھی نہیں۔مرزا صاحب نے کہا کہ حکام کیا کریں گے مجھے سزا دے دیں گے اور کیا کریں گے؟''اس کے بعد بھی مصالحت کی کوششیں جاری رہیں۔

بالآخر یہ قرار پایا کہ مرزا صاحب اور مولوی کرم دین صاحب متنازعہ خطوط اور سراج الاخبار کے مضمون کے بارے میں خدا کی لعنت کی شرط رکھ کر اپنے اپنے مؤقف پر قسم کھائیں لیکن مولوی کرم دین صاحب اپنے ہی بیان کی سچائی پر قسم کھانے کے لئے تیار نہیں ہوئے کہ لعنت کا لفظ بہت سخت ہے۔ آخر لعنت کا لفظ نکال کر قسم کھانے پر معاملہ طے ہوا مگر مولوی کرم دین صاحب پھر بھی تیار نہ ہوئے۔ اس طرح یہ مصالحت کی کوششیں ترک کر دی گئیں۔ (اخبار الحکم قادیان ۱۴/ اکتوبر ۱۹۳۵ء صفحہ کالم ۱ (تاریخ احمدیت جلد سوم، صفحہ ۳۰۳)

۵۔ دوسرے مجسٹریٹ مہتہ آتمارام کا مرزا صاحب سے غیر معقول سلوک: لالہ چندولال کی تنزلی اور تبدیلی کے بعد مولوی کرم دین جہلمی کا حضرت مرزا غلام احمد صاحب کے خلاف مقدمہ سماعت کے لئے ۱۱/ اپریل ۱۹۰۴ء کو مہتہ آتمارام صاحب کی عدالت میں پیش ہوا۔ انہوں نے بھی مرزا صاحب کے ساتھ غیر معقول اور درشت رویہ رکھا۔ اس سے پہلے مرزا صاحب کو ہر عدالت میں خاندانی وجاہت کے ریکارڈ کی مناسبت سے باقاعدہ کرسی ملتی تھی لیکن مہتہ صاحب نے نہ صرف کرسی دینے سے انکار کیا بلکہ بعض مواقع پر سخت پیاس کے باوجود پانی پینے کی بھی اجازت نہ دی۔ اور سب سے زیادہ تکلیف اس طرح دی کہ مقدمے کی تاریخیں اتنی قریب قریب مقرر کرنا شروع کر دیں کہ مرزا غلام احمد صاحب کو مئی ۱۹۰۴ء سے جولائی ۱۹۰۴ء تک کئی دفعہ گورداسپور آنا جانا پڑا اور اس بارے میں اتنی سختی برتی کہ وسط اگست سے ۱۰/ اکتوبر ۱۹۰۴ء تک مقدمے کی سماعت کی خاطر مرزا صاحب مسلسل گورداسپور میں ہی ٹھہرے رہے اور بالآخر ۱۱/ اکتوبر کو قادیان واپس آئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مہتہ آتمارام نے اپنے پیشرو لالہ چندولال کے حشر سے کوئی سبق حاصل نہ کیا اور آخر تک اس بات کے لئے کوشاں رہا کہ کسی طرح مرزا صاحب کو قید کر سکے۔ اس سلسلہ کے چند واقعات کا بیان خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ i۔ آتمارام مجسٹریٹ نے مقدمہ کو بے حد طویل کر دیا اور سماعت ۱۱/ اپریل ۱۹۰۴ء سے جاری کر کے ۲۴/ ستمبر ۱۹۰۴ء تک کرتا رہا لیکن اس دوران ان گواہوں کو طلب کرنے پر تیار نہ ہوا جن کو مرزا صاحب کے وکیل حکیم فضل دین صاحب بلوانا چاہتے تھے۔ وہ متعدد پیشیوں کے دوران اس بات پر بھی تیار نہ ہوتا تھا کہ مرزا صاحب کو ذاتی طور پر حاضر ہونے سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔ ۲۔ مقدمے کی کاروائی ۲۴/ ستمبر ۱۹۰۴ء کو ختم ہوئی۔ تو اگلی تاریخ یکم اکتوبر ۱۹۰۴ء مقرر کی گئی جو عام روایات کے مطابق فیصلہ سنانے کا دن ہوتا چاہئے تھا۔ اس دن فیصلہ سننے کے لئے مرزا غلام احمد صاحب کی ڈھائی تین سو مرید کراچی، حیدرآباد، پشاور، وزیرآباد، قادیان، لاہور، امرتسر وغیرہ سے احاطہ عدالت میں جمع ہو گئے تھے لیکن مہتہ آتمارام نے اس دن فیصلہ نہ سُنایا بلکہ ایک نئی تاریخ ۸/ اکتوبر ۱۹۰۴ء مقرر کر دی۔ اس طرح نہ صرف دور دراز کے علاقوں سے دشوار گزار سفر طے کر کے آئے ہوئے سینکڑوں احباب کو ذہنی اذّیت دی گئی بلکہ مجسٹریٹ صاحب کی نیت بھی مشتبہ ہوگئی۔ ۳۔ معلوم ہوتا ہے کہ فیصلے کے لئے یکم اکتوبر سے ملتوی کر کے ۸/ اکتوبر ۱۹۰۴ء کا دن بھی ایک منصوبے کے تحت تھا کیونکہ دور دراز کے سینکڑوں احمدی آتمارام کے منصوبے میں رکاوٹ بن سکتے تھے۔ ۸/ اکتوبر ہفتہ کا دن تھا اگلا دن اتوار تھا اور تعطیل بھی مجسٹریٹ کا پروگرام تھا کہ فیصلہ عدالت کا وقت ختم ہونے سے صرف چند منٹ قبل سنایا جائے تا کہ اس کا عائد کردہ جرمانہ فوری طور ادا نہ ہو سکنے کی صورت پیدا ہو اور اس طرح مرزا صاحب کم از کم دو دن یعنی ہفتہ اور اتوار جیل میں بند رکھا جا سکے اسی لئے یکم اکتوبر کو فیصلہ نہ سنایا کیونکہ اتنے سارے احمدیوں کے ہوتے ہوئے جرمانے کی خطیر رقم کی ادائیگی بھی مشکل نہ تھی۔ اس ضمن میں مؤلف مجدد اعظم نے ۸/ اکتوبر کی کاروائی کا نقشہ یوں کھینچا ہے۔

''حضرت اقدس (مرزا غلام احمد صاحب۔ ناقل) اور حکیم فضل دین صاحب کو عدالت میں بُلایا گیا اور عدالت میں پہرہ لگا دیا گیا اور سپاہیوں کو کہہ دیا گیا کہ سوائے مرزا صاحب اور حکیم فضل دین صاحب کے کوئی دوسرا شخص عدالت کے کمرہ میں نہ آوے اور ایک سپاہی ہتھکڑیاں لے کے عدالت کے کمرہ میں کھڑا کر دیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ جرمانہ کا حکم سنتے ہی اگر فوراً جرمانہ ادا نہ ہو تو دونوں صاحبوں کو فوراً ہتھکڑی لگا کر جیل خانہ پہنچا دیا جائے۔ حضرت اقدس ان تمام منصوبوں سے بے خبر نہایت بے پروائی سے کمرۂ عدالت میں داخل ہو گئے اور ساتھ ہی حکیم صاحب بھی۔ خواجہ صاحب حوائج ضروریہ کے لئے گئے ہوئے تھے وہ واپس آئے تو دیکھا کہ حضرت اقدس عدالت کے کمرہ میں اکیلے داخل ہو رہے ہیں۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ مجسٹریٹ نے فیصلہ سنانے کے لئے بلایا ہے اور حکم دیا ہے کہ اور کوئی آدمی کمرہ میں نہ آوے۔ اُن کا ماتھا ٹھنکا انہوں نے سمجھ لیا کہ خیر نہیں۔ بھاگ کر عدالت کے کمرہ کے دروازے پر پہنچے۔ اندر گھسنے لگے تو دو سپاہیوں نے دروازہ پر دونوں طرف سے آگے بڑھ کر روکا۔ انہوں نے کہا۔ میں کیسے اندر نہ جاؤں میں ملزمان کا وکیل ہوں اور ساتھ ہی بغیر کسی جواب کے انتظار کے دونوں ہاتھ پھیلا کر دونوں سپاہیوں کو دروازہ کے باہر دھکیل دیا۔ ماشاء اللہ تنومند آدمی تھے۔ سپاہی پھر نہ بولے۔ کمرہ کے اندر گئے تو مجسٹریٹ فیصلہ سنا رہا تھا۔۔۔ وہاں جو سات سو روپے جرمانہ سنا تو

انہوں نے فوراً سات سو روپے کے نوٹ جیب میں سے نکال کر عدالت کی میز پر رکھ دیئے۔ مجسٹریٹ ہکا بکا رہ گیا۔ اس کا سارا منصوبہ حضرت اقدس کو قید کرنے کا خاک میں مل گیا بہت تلملایا اور چہرہ سیاہ پڑ گیا لیکن نوٹوں کو دیکھ کر پھر چہرہ پر رونق آ گئی۔۔۔ خواجہ صاحب نے جو نوٹ عدالت کے آگے پیش کئے تھے ان پر ''مدراس

،کراچی'' لکھا ہوا تھا۔فوراً مجسٹریٹ بولے کہ یہ نوٹ مدراس، کراچی کے ہیں یہاں قابل قبول نہیں۔خواجہ صاحب نے کہا۔کہ آپ لکھ دیں... چارو ناچار اس نے نوٹ قبول کر لئے اور بصد حسرت و یاس حضرت اقدس اور حکیم صاحب کو جانے کی اجازت دے دی''

۶۔آتمارام مجسٹریٹ کا انجام

آتمارام کے انجام کے بارے میں مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ جب کرم دین صاحب نے ان پر مقدمہ دائر کیا تو'' مخالف مولویوں نے اس کی تائید میں آتمارام اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر کی عدالت میں جا کر گواہیاں دیں اور ناخنوں تک زور لگایا اوران کو بڑی اُمید ہوئی کہ اب کی دفعہ ضرور کامیاب ہوں گے اوران کی جھوٹی خوشی پہنچانے کے لئے ایسا اتفاق ہوا کہ آتمارام نے اس مقدمہ میں اپنی ناقہمی کی وجہ سے پوری غورنہ کی اور مجھ کو سزائے قید دینے کے لئے (ڈاکٹر بشارت احمد مجدد اعظم جلد دوم صفحات ۹۷۶ـ۹۷۷)مستعد ہو گیا۔اس وقت خدا نے میرے پر ظاہر کیا۔وہ آتما رام کو اس کی اولاد کے ماتم میں مبتلا کرے گا۔چنانچہ یہ کشف میں نے اپنی جماعت کو سنا دیا اور پھر ایسا ہوا کہ قریباً بیس پچیس دن کے عرصہ میں دو بیٹے مر گئے۔''

(آتمارام کے ساتھ گزرنے والے واقعات کے بارے میں قاضی محمد یوسف صاحب امیر جماعت ہائے احمدیہ صوبہ سرحد لکھتے ہیں کہ'' حضور (مرزا غلام احمد صاحب۔ناقل) نے رؤیا دیکھا کہ ایک شیر آتمارام کے دونوں لڑکوں کو اُٹھا کر لے گیا اور ادھر حضرت صاحب نے رؤیا سنائی اُدھر آتمارام کو تار آگئی کہ آپ کے لڑکے کو طاعون ہو گیا ہے۔دونوں لڑکے یکے بعد دیگرے طاعون سے مر گئے۔''(بیٹوں کی وفات کا لالہ آتمارام پر کس قدر اثر تھا اس کو بیان کرتے ہوئے مرزا بشیر الدین محمود احمد جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ کہتے ہیں کہ''(لالہ آتمارام۔ناقل)اس غم میں نیم پاگل ہو گیا۔اس پر اس واقعہ کا اتنا اثر تھا کہ لدھیانہ کے اسٹیشن پر مجھے ملا اور بڑے الحاح سے کہنے لگا کہ دُعا کریں۔اللہ تعالیٰ مجھے صبر کی توفیق دے مجھ سے بڑی بڑی غلطیاں ہوئی ہیں اور میری حالت ایسی ہے کہ میں ڈرتا ہوں (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء حقیقۃ الوحی صفحات ۱۲۴ـ۱۲۵۔قاضی یوسف ۔ظہور احمد موعود۔ صفحات ۵۱ـ۵۲ ، تذکرہ صفحات ۵۱۸ـ۵۱۹) کہ میں کہیں پاگل نہ ہو جاؤں'' اس طرح لالہ آتمارام کی مرزا صاحب کے ساتھ غیر معقول روش کی اسے سزا ملی اور وہ قہر الٰہی کی زد میں آکر اپنے دونوں بیٹوں سے ہاتھ دھو بیٹھا اور اس طرح مرزا صاحب کا کشف بھی پورا ہوا کہ (خدا) آتمارام کو اس کی اولاد کے ماتم میں مبتلا کرے گا۔

۷۔مرزا غلام احمد صاحب کی طرف سے اعلیٰ عدالت میں اپیل

اور مقدمے کا انجام

مہتہ آتمارام کی عدالت میں مولوی کرم دین صاحب کا یہ مؤقف تھا کہ مرزا صاحب نے اپنی تصنیف مواہب الرحمن میں جو لئیم اور کذاب کے الفاظ اس کے لئے استعمال کئے ہیں ان میں سے لئیم کے لفظ کے معنی ہیں ولدالزنا اور کذاب کے معنی ہیں جو ہمیشہ جھوٹ بولتا ہو۔اگرچہ مرزا صاحب اور آپ کے وکلاء کا مؤقف یہ تھا کہ لئیم کا لفظ ان معنوں میں مستعمل نہیں لیکن مہتہ آتمارام نے مولوی کرم دین کے معانی کو صحیح تسلیم کر کے مرزا صاحب اور حکیم فضل دین صاحب کو جرمانہ کر دیا مگر عین اس مقدمے کے دوران مرزا صاحب کو الہام ہوا کہ ''معنی دیگر نہ پسندیم ما'' ترجمہ: ہم کسی اور معنی کو پسند نہیں کرتے (مرزا بشیر الدین محمود احمد تفسیر کبیر، سورۃ النور، صفحہ ۳۸۹ کالم ۲، مرزا غلام احمد قادیانی ۔ اخبار الحکم ۲۴ر مئی ۱۹۰۴ء جلد ۸ نمبر ۱۷ صفحہ ۲ ، تذکرہ صفحہ ۱۴) چنانچہ ۵ر نومبر ۱۹۰۴ء کو مرزا صاحب نے ماتحت عدالت کے فیصلے کے خلاف سیشن جج مسٹرا ے۔ای۔ہری امرتسر کی عدالت میں اپیل کی۔مرزا صاحب کو یقین تھا کہ لئیم کے وہ معنی جو مرزا صاحب کا مؤقف تھا عدالت صرف اُنہی کو بالآخر قبول کرے گی اوران الہامات کی روشنی میں جو ہم نے اس مضمون کی ابتدا میں درج کئے ہیں ضرور نچلی عدالت کے فیصلے کو رد ّکر دیا جائے گا تا کہ مرزا صاحب کا احترام و اکرام واضح ہو سکے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا اور عدالت نے ۷ر جنوری ۱۹۰۵ء کو مولوی کرم دین کے خلاف اپیل منظور کرتے ہوئے مقدمے کا فیصلہ مرزا صاحب کے حق میں کر دیا اور مولوی صاحب کے تمام عذرات رد ّکر دیئے گئے ۔ فاضل سیشن جج نے لکھا کہ'' مستغیث (مولوی کرم دین۔ناقل) کذاب اور لئیم وغیرہ الفاظ کا بالکل مستحق تھا تا کہ عوام الناس اس بات کا اندازہ لگا سکیں کہ مستغیث کے قول اور فعل کی کیا اہمیت ہونی چاہیئے۔''(عدالت نے سراج الاخبار میں چھپنے والے مولوی کرم دین صاحب کے مضمون سے ان کی تصنیف کردہ ہونے سے انکار پر لکھا کہ''ان سے (مولوی کرم دین سے ۔ناقل) ایک دانستہ منصوبہ چال بازی اور خلاف بیانی اور جعل سازی کا ظاہر ہوتا ہے۔جس پر بے حیائی سے ایک عام اخبار کی سطروں میں دنیا کے سامنے فخر کیا گیا ہے۔...شہادت سے دلالت ہوتی ہے کہ سوائے مستغیث نے اس تحریر کو جو اس کی بیان کی جاتی ہے شناخت میں اس قدر ٹال مٹول کیا ہے کہ ہم (الحکم قادیان ۲۴ر جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۷، ۸، تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۳۰۹)

اس پر کوئی اعتبار نہیں کر سکتے''۔ا۔سیشن جج صاحب نے نچلی عدالت کے مہتہ رام کے فیصلے اور طویل سماعت کے بارے میں لکھا کہ''بہت افسوس ہے کہ ایسے مقدمے میں جو کارروائی کے ابتدائی مرحلے پر ہی خارج کیا جانا چاہیئے تھا اس قدر

وقت ضائع کیا گیا ہے۔لہٰذا ہر دو ملزمان مرزا غلام احمد و حکیم فضل دین بری کئے جاتے ہیں ۔ان کا جرمانہ واپس دیا جائے گا‘‘(آخری فیصلے کے ساتھ ہی مولوی کرم دین صاحب کے مقدمات کے بارے میں سارے الہامات پورے ہوگئے ۔ مرزا صاحب کو فتح ہوئی۔جہلم کی عدالت میں پیشی کے لئے اختیار کئے گئے سفروں میں بے انتہا برکتیں حاصل ہوئیں۔مولوی کرم دین صاحب نے مرزا صاحب کی اہانت کی پوری کوشش کی مگر خود عدالت سے کذاب اور لئیم کے خطابات پر مہر لگوائی۔ چندولال مجسٹریٹ نے مرزا صاحب کے ساتھ بدسلوکی کی اور مسلسل بدنیتی سے سازش کرتا رہا لیکن ناکام ہوا تنزلی ہوئی اور ہلاک ہوا۔مہتہ آتما رام نے مرزا صاحب سے بدسلوکی کی لیکن بیٹوں سے ہاتھ دھو بیٹھا اور نوبت پاگل پن تک پہنچ گئی اور بالآخر مرزا صاحب کا احترم واکرام قائم کیا گیا۔(الحکم قادیان ۲۴ر جنوری ۱۹۰۵ء صفحہ ۷۔۸ (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحات ۳۰۹۔۳۱۰)(مولوی سمیع اللہ فاروقی ۔اظہار حق صفحہ ۱۱۔۱۲،۲۰ (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحات ۳۱۱۔۳۱۲)

۸۔مولوی کرم دین جہلمی کا انجام

اگرچہ سیشن جج امرتسر کے یہ ریمارکس کہ مولوی کرم دین نہ صرف کذاب اور لئیم بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت الفاظ کا مستحق ہے مولوی صاحب کے لئے بڑی ذلت کا باعث تھے بلکہ ان کی باقی زندگی اور بھی دردناک تھی ۔وہ ۱۹۴۶ء تک زندہ رہے اور کئی قسم کی ذلتوں میں سے گزرے مثلاً ۱۹۴۰ء میں انہوں نے ایک ساس اور داماد کا نکاح پڑھا دیا جس پر گردونواح میں شور پڑ گیا اور علماء نے وہاں کے ۲۰۰ افراد کی مولوی صاحب کے خلاف گواہی سننے کے بعد ان کے لئے ننگ اسلام ہونے کا فتویٰ دے دیا۔(اگلے سال یعنی ۱۹۴۱ء میں ان کا بیٹا منظور حسین چکوال کے ایس۔ڈی۔او کو قتل کرکے فرار ہوگیا چند دن بعد پولیس نے مولوی صاحب کو گرفتار کرلیا اور انہیں جگہ جگہ لئے پھرتی رہی ۔اُن کی بیوی بھی کئی دن تک پولیس کی تحویل میں رہی ۔آخر جب ان کے قاتل ،مفرور بیٹے کا کوئی سراغ نہ لگا تو ۲۵ر جولائی ۱۹۴۲ء کو ان کی جائداد کی نیلامی کا حکم دے دیا گیا۔ان کا بیٹا ۲۹ر نومبر ۱۹۴۲ء کو بنوں پولیس کے ہاتھوں ہلاک ہوا جس کی خبر اخبار (پربھارت) نے تفصیل سے شائع کی اور بالآخر مولوی کرم دین صاحب خود حافظ آباد ضلع گوجرانوالہ پنجاب میں ۱۹۴۶ء میں ایک چھت کی منڈیر سے گر کر راہی ءملک عدم ہوئے اور اس طرح حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی عزت پر حملہ آور ہونے والا ایک معاند بھیانک نتائج کا سامنا کرکے خود ذلیل ہوکر مرگیا۔‘‘

قاضی محمد عابد۔اشتہار’’ ننگ اسلام مولوی کرم دین صاحب کی شکست (تاریخ احمدیت جلد سوم صفحہ ۳۱۶)

۷۔مخالفین کے انجام پر مرزا غلام احمد صاحب کے تبصرے

ہم نے اس پورے باب میں حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی اور ان کے معاندین کے درمیان چیدہ چیدہ معرکوں کا تذکرہ کیا ہے ۔ یہ سب کے سب رُوحانی اور تائید الٰہی کی بنیاد پر تھے نہ کہ دُنیاوی اثر ورُسوخ ،مال و دولت اور جتھے بندی پر۔ ہر معرکے کا انجام بھی آپ نے پڑھ لیا۔مرزا صاحب نے ان نتائج کو دلیل بنا کر لکھا ہے کہ ’’افسوس کہ میرے مخالفوں کو باوجود اس قدر متواتر نامرادیوں کے میری نسبت کسی وقت محسوس نہ ہوا کہ اس شخص کے ساتھ درپردہ ایک ہاتھ ہے جو ان کے ہر ایک حملہ سے اس کو بچاتا ہے۔اگر بدقسمتی نہ ہوتی تو ان کے لئے یہ ایک معجزہ تھا کہ ان کے ہر ایک حملہ کے وقت خدا نے مجھکو ان کے شر سے بچایا اور نہ صرف بچایا بلکہ پہلے اس سے خبر بھی دے دی کہ وہ بچائے گا۔‘‘(’’یہ عجیب بات ہے۔کیا کوئی اس بھید کو سمجھ سکتا ہے کہ ان لوگوں کے خیال میں کاذب اور مفتری اور دجال تو میں ٹھہرا مگر مباہلہ کے وقت میں یہ لوگ مرتے ہیں۔کیا نعوذ باللہ خدا سے بھی کوئی غلط فہمی ہوجاتی ہے؟ ایسے نیک لوگوں پر کیوں قہر الٰہی نازل ہے جو موت بھی ہوتی ہے پھر ذلت اور رسوائی بھی‘‘(مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء حقیقۃ الوحی صفحہ ۱۲۲، (مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۲۷)’’کوئی بھی ان میں سے یہ سوچتا نہیں کہ یہ تائیدات الٰہیہ کیوں ہو رہی ہیں۔کیا کاذبوں ،دجالوں اور فاسقوں کے یہی نشان ہیں کہ ان کے مقابل پر مباہلہ کی حالت میں خدا مومنوں ،متقیوں کو ہلاک کرتا جائے‘‘’’پر چند مولویوں کی طرف سے روکیں ہوئیں اور انہوں نے ناخنوں تک زور لگایا کہ رجوع خلائق نہ ہو یہاں تک کہ مکے تک سے بھی فتوے منگوائے گئے اور قریباً دوسو مولویوں نے میرے پر کفر کے فتوے دیئے بلکہ واجب القتل ہونے کے بھی فتوے شائع کئے گئے لیکن وہ اپنی تمام کوششوں میں نامراد رہے...اگر یہ کاروبار انسان کا ہوتا تو کچھ بھی ضرورت نہ تھی کہ تم مخالفت کرتے اور میرے ہلاک کرنے کے لئے اس قدر تکلیف اُٹھاتے ۔ بلکہ میرے مارنے کے لئے خدا ہی کافی تھا‘‘(مرزا غلام احمد یانی ۱۹۰۷ء حقیقۃ الوحی تتمہ صفحہ ۱۵۱ مرزا غلام احمد قادیانی ۱۹۰۷ء حقیقۃ الوحی تتمہ صفحات ۲۵۰۔۲۵۱)

(از کتاب (حضرت مسیح موعودؑ کے مخالفین کا انجام۔ مصنفہ ڈاکٹر منظور احمد آف کراچی)

***

ختم نبوت کانفرنس اور نوائے جنگ لندن



رانا محمد حسن خاں
ایڈیٹر سہ ماہی پیشوا
لندن

خود کو سمجھ رہا ہے جو جنگل کا حکمراں
گیدڑ ہے فقط جیا چیتے کی کھال میں

جس قوم میں مثبت مباحثہ کا گلا گھونٹ دیا جائے وہاں جہالت کا راج ہوتا ہے۔ خود پسندی برداشت کی قوت کو سلب کر لیتی ہے۔ ویسے تو پاکستان میں ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے افراد عدم برداشت جیسی بڑی بُرائی میں مبتلا ہیں مگر اس لت کو پروان چڑھانے والے وہ نام نہاد علماء ہی ہیں جو منبر رسول ﷺ کو اپنی ناکام و نامراد حسرتوں کو پورا کرنے کے لیے سیڑھی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ اور وہ اخبارات، رسائل اور الیکٹرانک میڈیا جو ریٹنگ بڑھانے کے چکر میں قوم کو اندھیروں میں رنگ بھر کر بھٹکنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

گزشتہ دنوں نوائے جنگ برطانیہ نے ختم نبوت پر خصوصی ایڈیشن شائع کر کے نام نہاد علماء کو خوش کرنے کی کوشش کی ہے۔ جماعت احمدیہ جو کہ ایک نہایت پر امن جماعت ہے، دلائل سے بات کرتی ہے۔ اس جماعت کے افراد کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ قرآن کریم اور احادیث مقدسہ سے ہی دلائل دیئے جائیں۔ ایسی پڑھی لکھی جماعت کیخلاف نوائے جنگ کا نام نہاد مولویوں کے ہاتھوں میں کھیلنا سمجھ سے بالاتر ہے۔ اگر نوائے جنگ کے کرتا دھرتاؤں کو نام نہاد مولویوں کے ہاتھوں میں کھیل کر تماشہ بننے کا اتنا ہی شوق ہے تو ایک ایڈیشن اپنے عقیدے کے متعلق شائع کریں۔ ہم یقین دلاتے ہیں کہ نام نہاد مولوی نہ صرف آپ کو کافر قرار دیں گے بلکہ ننگی کا ناچ نچا دیں گے۔ ویسے بھی پاکستان میں سبھی نے مولویوں کی طرف سے دیئے گئے کفر کے ہار پہنے ہوئے ہیں۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ایک دوسرے کو کافر کہنے والے تمام فرقوں کے مولویوں نے مل کر جماعت احمدیہ کے خلاف کفر کا فتویٰ دیا اور پارلیمنٹ سے اس فتویٰ کو قانونی حیثیت بھی دلا دی۔ نوائے جنگ میں بھٹو کو اس واقعہ کا ہیرو قرار دیا گیا ہے۔ کاش نوائے جنگ کی انتظامیہ سے تعلق رکھنے والا کوئی عقل مند مولویوں سے پوچھتا کہ اپنے اس ہیرو کا بینڈ بجانے کے لیے قومی اتحاد کی صورت میں مولوی نو ستارے کیوں بن گئے تھے؟ وہ مولوی جو ایک دوسرے کو مسلمان نہ سمجھنے کی وجہ سے ایک دوسرے کے پیچھے نماز نہیں پڑھتے ایک پلیٹ فارم پر کیوں اکٹھے ہو گئے تھے؟ مولوی کوثر نیازی لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ پی۔ این۔ اے کے تضادات کو زیادہ سے زیادہ نمایاں کرنے کی غرض سے میں نے ایک جلسہ عام میں چیلنج دیا کہ اگر یہ لوگ نظام مصطفی کے نفاذ میں اتنے ہی مخلص ہیں اور اس کا اتحاد بھی خلوص نیت پر مبنی ہے۔ تو مولانا شاہ احمد نورانی، مفتی محمود کے پیچھے نماز ادا کر کے دکھائیں اور پھر اس کی قضا بھی ادا نہ کریں۔ (یہ وار بہت سود مند ثابت ہوا تھا۔ کیونکہ یہ دونوں حضرات ایک دوسرے کی امامت میں نماز پڑھنا گناہ جانتے تھے) (اور لائن کٹ گئی از مولانا کوثر نیازی صفحہ ۴۰) مولانا کوثر نیازی جانتے تھے کہ یہ نورانی اور مفتی محمود ہیں، محمود و ایاز نہیں۔ اب یہ مولوی خود عمل نہیں کرتے بس لوگوں کو یہ شعر سناتے ہیں۔

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

نوائے جنگ میں مولویوں کی طرف سے بھٹو کی موت کے پیچھے احمدیوں کا ہاتھ بھونڈے انداز سے ثابت کرنے کی کوشش کرنا پرلے درجے کی ناانصافی اور سچائی کا خون کرنا ہے۔ مسعود محمود کو احمدی ثابت کرنا مولوی کا کام ہے۔ جہاں تک بھٹو کو پھانسی دیئے جانے کا تعلق ہے نوائے جنگ ہی میں لکھا ہے کہ ۷۴ء کی تحریک ختم نبوت کے دوران علماء کے ایک وفد نے بھٹو سے ملاقات کی، اس ملاقات میں علماء نے قادیانیوں کی سیاسی سازشوں سے آگاہ کیا، جب علماء ملاقات سے واپس ہو رہے تھے تو بھٹو مرحوم نے قائد وفد کو پیچھے سے آواز دے کر بلایا اور کہا ''مولوی صاحب! میں اس مقدس اور عظیم مطالبے کو دل و جان سے قبول کر چکا ہوں اور انشاء اللہ میری حکومت برسوں پرانے اس فتنے کا آئینی سدّ باب کر دے گی مگر یہ حقیقت بھی جانتا ہوں کہ اس فیصلے کے بعد آپ لوگ میری گردن میں پھانسی کے پھندے کی قربانی کا تقاضہ کر رہے ہوں گے۔'' نوائے جنگ ہی میں روزنامہ مشرق کے سرورق کا عکس موجود ہے اس پر لکھا ہے کہ '' آئین اور قانون کی رُو سے حضرت محمد ﷺ کے بعد ہر شکل اور ہر معنی میں نبوت کے دعوے دار اور اسے پیغمبر یا مصلح ماننے والے افراد غیر مسلم ہیں۔'' اب ذرا مفتی حامد رضا خان سے کیا گیا ایک سوال اور اس کا جواب ملاحظہ فرمائیں۔ سوال: '' سچے مسیح رسول اللہ وکلمۃ اللہ کی نسبت یہ سوال کہ اس دوبارہ رجوع میں وہ نبی نہ رہیں گے اور وہ نبوت یا رسالت سے خود مستعفی ہوں گے یا ان کو خدائے تعالیٰ اس عہدہ جلیلہ سے معزول کر کے اُمتی بنا دیئے گا؟'' جواب

:''حاش اللہ نہ وہ خود مستعفی ہوں گے نہ کوئی نبی نبوت سے استعفیٰ دیتا ہے نہ اللہ عزوجل انہیں معزول فرمائے گا نہ کوئی نبی معزول کیا جاتا ہے وہ ضرور اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور ہمیشہ نبی رہیں گے اور ضرور محمد رسول اللہ ﷺ کے اُمتی ہیں اور ہمیشہ اُمتی رہیں گے۔'' پھر فرماتے ہیں:

''اس عہد عظیم پر حضرت رُوح اللہ علیہ الصلاۃ والسلام اُتریں گے اور باوصف نبوت ورسالت محمد رسول اللہ ﷺ کے اُمتی وناصر دین ہو کر رہیں گے۔''

(فتاویٰ حامدیہ از مفتی حامد رضا خاں قادری صفحہ ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۹)

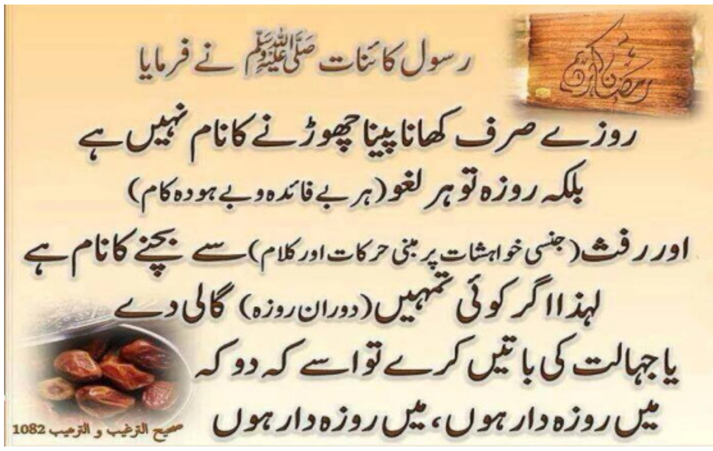
اب صورت حال یہ بنتی ہے کہ اُمت محمدیہ میں آنے والا نبی بھی ہوگا اور اُمتی بھی جماعت احمدیہ کا موقف ہے کہ حضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والا بانی جماعت احمدیہ کی صورت میں آ چکا ہے اور غیر احمدیوں کا عقیدہ ہے کہ حضور ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق آنے والا ابھی نہیں آیا۔ پس آئین پاکستان کی رُو سے نا صرف احمدی غیر مسلم ہیں بلکہ آنے والے کو نبی ماننے کی وجہ سے غیر احمدی بھی غیر مسلم ٹھہرتے ہیں۔ نوائے جنگ میں ایک اشتہار بھی چھپا ہے جس میں لکھا ہے کہ'' گستاخان رسول قادیانیوں کی بوتل شیزان سے پینے والے کل کس منہ سے حشر کے میدان میں شافع محشر محمد رسول اللہ ﷺ سے جام کوثر مانگے گا؟'' (شیزان فیکٹری اور دیگر اداروں کے بلا اجازت لوگو شائع کرنے پر ادارہ نوائے جنگ کے خلاف مقدمہ دائر کیا جاسکتا ہے) شیزان کی مصنوعات حلال اور شیریں پھلوں آم، ایلچی اور دوسرے رسیلے پھلوں سے تیار ہوتی ہیں۔ شیزان کے مشروبات کا مقابلہ کوئی دوسرا مشروب نہیں کرسکتا۔ جس کی وجہ خدا خوفی اور اعلیٰ معیار ہے۔ اب ہم نوائے جنگ اور مولویان سے پوچھتے ہیں کہ علماء کونسل کا چیئرمین جسے شراب کے کریٹوں سمیت تھانے لایا گیا اور اس کے ماتحت مولوی اور ان کے پیروکار، یہود ونصاریٰ کے مال پر عیاشی کرنے والے، کیا عورتوں کے جسم نوچنے والے، پورنوگرافی کرنے اور دیکھنے والے، مال لوٹنے والے، ایک دوسرے کو کافر اور مُرتد کہہ کر مسلمان کہلانے والے ، جہاد کے نام پر معصوم لوگوں کی جان لینے والے، اقلیتوں کی عبادت گاہوں اور مسجدوں کو فرقہ واریت کے جنون میں مسمار کرنے والے اور عبادت گزاروں کو خُون میں نہلانے والے، قرآن اور حدیث کے متوازی عقائد گھڑنے والے، ناچ گانے کے متوالے اور قوالی کے نام پر میوزک سے دِل بہلانے والے، فحاشی اور عریانیت میں ڈوبے ہوئے مدہوش راہبر، مال ودولت کے لیے ایمان بیچنے والے، جھوٹے گواہ اور وکیل، رشوت خور، سود خور، زکوۃ چور، ملاوٹ کرنے والے، بیواؤں اور یتیموں کا مال کھانے والے، قبضہ کی ہوئی زمین پر مساجد بنانے والے اور چوری کی بجلی سے مساجد اور مدرسے روشن کرنے والے، بچوں سے زیادتی اور کم سن بچیوں کی شادی کرنے والے، قرآن سے بچیوں کی شادی کرانے والے، غیرت کے نام پر بچوں اور بچیوں کی زندگی لینے والے، ونی اور کاروکاری کے نام پر عورتوں کی زندگیوں سے کھیلنے والے، اغواء برائے تاوان کے مُجرم، نا انصاف میڈیا والے اور انصاف کرنے والی عدالتوں کے نا انصاف منصف، فلمی اور اشتہاری کمپنیوں کے مالک اور فلموں سے دِل بہلانے والے، مسلمانوں کو نماز سے روکنے والے، حج سے روکنے والے، قرآن کی تلاوت پر تلملانے والے، کلمہ کی توہین کرنے والے، کلمہ گو مسلمانوں کو کافر اور مُرتد قرار دینے والے، السلام علیکم کہنے اور اذان دینے پر مقدمات درج کروانے والے اور پھر ان پاکیزہ جُرائم پر سزائیں سُنانے والے جج رسول اللہ ﷺ سے جام کوثر پا سکتے ہیں؟ یا صرف شیزان جیسے فرحت انگیز مشروب کا بائیکاٹ کر کے تمام جرائم سے نجات پا کر جام کوثر کے مستحق ہو جائیں گے؟ مولانا طاہر اشرفی کے شراب سمیت پکڑے اور تھانہ سے چھوٹ جانے پر ایک صاحب نے ازراہ تفنن کہا ہے کہ شکر ہے مولانا سے شیزان کی بوتل برآمد نہیں ہوئی۔ نوائے جنگ ۹ ستمبر ۲۰۱۵ء میں مولویوں نے وہی بے وزن وبے دلائل باتیں کی ہیں جنہیں وہ تقریباً ایک سو پچیس سال سے دُہرا رہے ہیں۔ حیرت کی بات یہ ہے کہ مولویوں کی ہر قسم کی دھماچوکڑی اور بے ہودہ پروپیگنڈا کے باوجود ۲۰۷ ممالک میں قائم جماعت احمدیہ ۱۲۵ برس سے ترقی کی مسلسل منازل طے کرتی چلی جا رہی ہے۔ یہ بات مولوی حضرات کے لیے لمحہ فکریہ ہونی چاہیے۔ انہیں سوچنا چاہیے اور ان وجوہات کو تلاش کرنا چاہیے کہ جماعت احمدیہ کی مولویوں کی طرف سے شدید مخالفت کے باوجود ترقی کا راز کیا ہے۔ امسال ۱۱۳ ممالک سے تقریباً ۱۳۹ اقوام کے ۵ لاکھ ۶۷ ہزار افراد نے جماعت احمدیہ میں شمولیت اختیار کی ہے۔ ترجمان القرآن کے مدیر صاحب لکھتے ہیں کہ ''میں اکثر اوقات اس پر غور کرتا ہوں کہ کیا وجہ ہے کہ مرزا غلام احمد کو اپنے مشن میں اس قدر کامیابی حاصل ہوئی؟ مجھے مرزا صاحب کی کامیابیوں کا سلسلہ لامتناہی نظر آتا ہے۔ مرزائیوں کی حفاظت کے سامان غیب سے پیدا ہو جاتے ہیں۔ خود دوسری طرف مرزائیوں کے مخالفین کی تباہی کے سامان بھی غیب سے ظہور میں آ جاتے ہیں۔'' (ترجمان القرآن اگست ۱۹۳۴ء صفحہ ۵۷، ۵۸) مولوی حضرات ذرا سوچیں تو سہی کہ احمدی اللہ کے فضلوں پر سجدہ شکر بجالاتے ہیں اور آپ خود ساختہ خدائی فوج دار بن کر لوگوں کو مشتعل کر رہے ہیں۔ احمدیوں کا خلیفہ اپنی جماعت کے افراد کو کہہ رہا ہے کہ ''ہر احمدی کا فرض ہے کہ جہاں وہ عدل واحسان اور ایتاء ذی القربیٰ کو اپنی زندگی پر لاگو کرے وہاں اس پیغام کو دنیا کے ہر شخص تک پہنچائے۔'' اور آپ مولوی حضرات جماعت احمدیہ کی دشمنی میں عدل وسچائی کا خون کرنے کو بھی نیکی قرار دیتے ہیں۔ جماعت احمدیہ قرآن حکیم کے ۷۰ زبانوں میں ترجمہ کر کے لوگوں کے دل منور

کر رہی ہے اور مولوی حضرات سارا سال چندے مانگتے رہتے ہیں اور عید کے چاند پر پھٹ کر لوگوں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں۔اللہ تعالیٰ اُمت کو ہدایت کی راہ دکھائے اور عقل سلیم عطا کرے۔مولوی حضرات کو اپنے فسادانہ روّیے پر غور کرنے کی توفیق دے تاکہ وہ اُمت مسلمہ کے لیے رحمت بنیں نہ کہ راہزنوں کا ٹولہ۔آمین یا ربّ العالمین۔نوائے جنگ ہی میں ایک مولوی نے اپنے اصلی اور حقیقی دکھ کا رونا رویا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ وہ کچھ نہیں کر سکتے۔چنانچہ لکھتے ہیں کہ ''آج قادیانیت کا ناسور ایک الگ تھلگ مذہب کی حیثیت اختیار کر چکا ہے۔اس کی وجہ اسلامی نظام خلافت کا نہ ہونا ہے۔اُمت کو اس فرض اوّل کا حق ادا کرنا ہوگا بصورت دیگر اُمت ایسے ہی گمبھیر مسائل کا شکار رہے گی۔'' جماعت احمدیہ میں گزشتہ تقریباً ایک سو دس سال سے نظام خلافت قائم ہے۔جماعت احمدیہ کی شان وشوکت کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جاری کردہ نظام خلافت ہی مانی جاتی ہے۔یقیناً مولوی صاحب کو دوسرے مولوی حضرات کے ساتھ مل کر اسلامی خلافت کا نظام جاری کرنا چاہیے۔اگر احمدیت کو کچلنے کے لیے اور تمام گمبھیر مسائل کے حل کے لیے خلافت ضروری ہے تو اسے جلد از جلد قائم کریں۔نیک کام میں دیر کس بات کی۔جب تک مولوی حضرات یکسوئی سے یہ نیک کام نہیں کر لیتے اس وقت تک غیر متعلقہ موضوعات پر وقت قطعاً ضائع نہ کریں۔لیکن یاد رہے مولویوں کے ہیرو بھٹو صاحب مولویوں کے متعلق فرما گئے ہیں کہ'' مولوی کسی اور چیز پر تو متفق ہو سکتے ہیں لیکن ''اسلام'' پر کبھی بھی ایک رائے قائم نہیں کر سکتے۔''(بھٹو کے آخری ۳۲۳ دن از کرنل رفیع الدین صفحہ ۶۶۔اس کتاب کا ذکر بھی نوائے جنگ میں موجود ہے) اگر مولوی حضرات خلافت جیسا پیارا اسلامی نظام قائم کرنے میں باہمی جھگڑوں کی وجہ سے ناکام رہیں تو ہم عوام الناس کی خدمت میں درج ذیل شعر پیش کریں گے۔

تا توانی دور شو از یار بد   یار بد بدتر بود از مار بد

''جہاں تک ہو سکے بُرے دوست سے دور رہ کیونکہ بُرا دوست بُرے سانپ سے بھی بدتر ہوتا ہے۔''

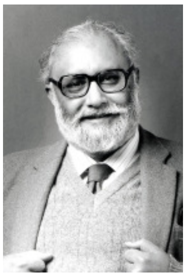
***



اوریا مقبول جان ڈاکٹر عبد السلام اور یزید کی یونیورسٹی



اصغر علی بھٹی۔مغربی افریقہ



علم پڑھیا اشراف نہ ہوون   جیہڑے ہوون اصل کمینے
پتّل کدی نئیں سونا بندا   بھانویں جڑیئے لعل نگینے
شوم تھیں کدی نئیں صدقہ ہوندا   پاویں ہوون لکھ خزینے
بلھیا بھاج توحید نئیں جنت ملنی   بھانویں مریئے وچ مدینے

ماضی قریب کے برصغیر میں جناب مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی کے مخالفین اس بات کی بہت شکائت کرتے نظر آتے ہیں کہ آپ نے لفظ کتے کو حد سے زیادہ اہمیت دی اور اپنے مخالفین کے لئے اس کا بے دریغ استعمال نہ صرف خود کیا بلکہ اپنے شاگردان کرام کو بھی سکھایا۔ایک موقعہ پر آپ نے کتے کے ساتھ ناپاک کا لاحقہ جوڑتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا''ابوالکلام آزاد،حسین احمد مدنی،مفتی کفائت اللہ دہلوی،خان عبدالغفار خاں سرحدی گاندھی،عبدالشکور لکھنوی،احمد سعید،شبیر احمد عثمانی،عطاء اللہ شاہ بخاری،فرقہ احرار اشرار بھی فرقہ نیچریت کی ایک شاخ ہے اس ناپاک فرقے کے بڑے بڑے مکلبین (کتے) یہ ہیں۔

(تجانب اہل السنۃ،صفحہ 160 بحوالہ اعلیٰ حضرت،حیات اور کارنامے صفحہ 27)

آپ کے ایک شاگرد رشید مولوی محمد عمر اچھروی صاحب نے مزید ایک قدم آگے بڑھایا اور مولویانہ جوش میں یہاں تک کہہ گئے''مصنف مذکور(مولوی اشرف علی صاحب تھانوی دیوبندی ناقل) کو جو قرآن شریف نبی کریم ﷺ پر اترا ہے اس کی اتباع کی کیا ضرورت ہے کسی لڑکے،یا دیوانے یا کتے وغیرہ کے نازل شدہ قرآن پر ہی ایمان لے آئے اور آؤ آؤ کرتا پھرے'' (مقیاس حنفیت ص 211 بحوالہ پڑھتا جا شرماتا جا ص 26 مصنف حافظ عبد الرشید حال مقیم اسلامک اکیڈمی مانچسٹر شائع کردہ اسلامک کیڈمی 19 چارٹن ٹیریس آف اپر بروک سٹریٹ مانچسٹر انگلینڈ مکتبہ عزیزیہ ۱۳ اردو بازار لاہور) مولویان کرام کی ایسی ہی بیان بازیوں کی شائد تصویر کشی کرتے ہوئے دیوبندی صحافی و مولوی جناب آغا شورش کاشمیری صاحب نے ایک دفعہ بڑے دکھ سے لکھا تھا کہ

زباں بگڑی قلم بگڑا روش بگڑی چلن بگڑا
خود اپنے ہاتھ سے کافر گروں کا پیرہن بگڑا
چلا تکفیر کا جھکڑ کہ شرق و غرب کانپ اٹھے
اٹھی دشنام کی آندھی مزاج اہرمن بگڑا

گزشتہ روز جناب اوریا مقبول جان صاحب کو فزکس ڈیپارٹمنٹ میں نام کی

تبدیلی کے حوالے سے ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے خلاف ہرزہ سرائی کرتے ہوئے اور ان کو یزید سے تشبیہ دیتے سنا تو مجھے جناب آغا شورش کاشمیری صاحب کے مندرجہ بالا الفاظ یاد آ گئے۔آپ فرمار ہے تھے کہ قوم جیسے یزید سے نفرت کرتی ہے اب بتاؤ کہ یزید کے نام پرتم کوئی نام رکھ سکتے ہو۔اور یا مقبول جان صاحب سچ ہی کسی نے کہا تھا کہ عقل کی حد ہوسکتی ہے مگر بے عقلی کی نہیں۔

دوستو آج مجھے یہ ذکر نہیں کرنا کہ ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کیا تھے اور کیا نہیں تھے۔ اُنہوں نے ملک کے لئے کیا کیا اور کیا نہیں کیا؟۔وطن کو انہیں کیا دینا چاہئے تھا اور کیا نہیں ۔اور اور یا صاحب نے اُن کو یزید سے تشبیہ دے کر اُن کے مقام کے ساتھ کیا نتھی کر دیا؟ آج مجھے سب یہ ذکر نہیں کرنا کیونکہ ایک بونا اگر ایک اونچے قد کاٹھ والے سے نفرت نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا؟ اس لئے ان کو یہ نفرت مبارک لیکن مجھے جو بات کرنا ہے وہ ان کی یزید سے تشبیہ کی منافقت پر ہے۔یہ تو ایک عام فہم سی بات ہے کہ دو چیزوں میں تشبیہ دینے کے لئے کوئی چیز تو common ہوتی ہے۔چلیں ڈاکٹر صاحب کی خدمات اور ان کی مثبت شخصیت کو کچھ دیر کے لئے بھول جاتے ہیں اور اوریا صاحب کی نظر سے اُن کو دیکھتے ہیں کہ اُنہوں نے یزید والی مثال کیوں دی؟ ان کے نزدیک یزید نفرت کا سمبل ہے۔اور احمدی ہونا بھی۔اس لئے دونوں پاکستانی قوم کی نظر میں قابل نفرت ہیں۔لیکن اور یا صاحب مثال تو آپ نے دے دی مگر ہمت کریں اور قوم کو پورا سچ بتائیں کیا واقعی آپ اور آپ کا پورا ٹبر یزید سے نفرت کرتے ہیں؟ یہ کس قبیلے کی آواز ہے ''سیدنا حسن حکومت کو بچوں کا کھیل سمجھتے ہوئے کسی کی کچھ پروانہ کرتے تھے اور بزرگوں کے سمجھانے کے باوجود بھی بعض اوقات جو دل میں آتا کر گزرتے تھے۔'' اور یہ کس فرقے کے ایمانیات ہیں ''حضرت حسین تو آنحضور ﷺ کے سفر عقبیٰ کے وقت 5 سال کے معصوم بچے تھے انکو جلیل القدر صحابی کہنا غلط ہے۔'' اور یہ کس دانشور مولوی کا قول ہے کہ'' امیر المومنین یزید کی مخالفت کے لئے سیدنا حسین معاویہ کی وفات کے منتظر تھے جونہی انہیں سیدنا معاویہ کی رحلت کی خبر ملی تو اپنے دلی مقصد کی برآوری کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔امیر کی اطاعت سے گریز اور اپنی خلافت کی طلب کے نتائج پیدا ہونے تک آپ نے جو کچھ کیا وہی دراصل اس تمام مسئلہ کی روح رواں ہے جسے سمجھ لینے کے بعد قارئین با آسانی اس نتیجہ پر پہنچ جائیں گے کہ سیدنا حسین نے خود ہی ایسے حالات پیدا کئے تھے جو بالا آخر واقعہ کربلا پر منتج ہوئے۔'' اور یہ بھی بتائیے کہ اسلام آباد کی کس مسجد کے خطیب کا یہ خطبہ جمعہ ہے کہ ''سیدنا حسین کوفی تفرقہ بازوں کے سہارے سرکردہ مسلمانوں کی مرضی کے خلاف حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے کوفہ روانہ ہو گئے۔یہ وہ باتیں ہیں جنہیں تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے مسلمان اچھی طرح جانتے ہیں۔یہ تاریخی حالات واضح طور پر ثابت کرتے ہیں کہ امیر المومنین یزید کی خلافت سیدنا علی کی خلافت سے بوجہ خانہ جنگی کے بدرجہ اولیٰ اور اتفاق کی حامل تھی'' اور یہ بھی بتائیے کہ یہ کس سپاہ کے امیر صاحب کا فرمان ہے کہ''اہل حق پر حقیقت سورج کی طرح روشن ہے کہ سب خلافت حاصل کرنے کا جھگڑا تھا اور خلافت کی آرزو میں کربلا کا حادثہ پیش آیا۔''اور یہ کس پاکستانی سینیٹر صاحب کے دل کی اصلی اسلامی قابل محبت آواز ہے کہ یزید صالح تھا اور دنیائے اسلام میں اس کا کردار بہت بلند تھا''وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے عربوں کے دل جیت کر بہادر ترین عرب کا خطاب حاصل کیا اس بہادر صالح امیر یزید کے بارے میں تو دنیا کو یہاں تک غلط راہ پر ڈال دیا گیا ہے کہ آج اس اسلام کے سپوت کا نام لینا بھی بڑی جرات اور صبر آزمائی کا کام ہے۔میری دانست میں دنیا اسلام کے اس بہادر ترین عرب امیر یزید کا کردار بہت بلند تھا''۔اور ہمت کر کے یہ بھی بتائیے کہ پاکستان کی قومی اسمبلی،صوبائی اسمبلیوں،سینیٹ اور اسلامی نظریاتی کونسل میں نمائیندگی کرنے والی کس پاکستانی مذہبی پارٹی کے درج ذیل عقائد ہیں''امیر المومنین یزید مظلوم شخصیت ہے۔'' ''یزید خلیفہ برحق ہے۔''''حضرت حسین نے بے موقعہ افتراق وعداوت پیدا کر کے امت مسلمہ کا شیرازہ بکھیر دیا۔'' ''کربلا کا واقعہ مذہبی جنگ نہ تھی بلکہ سیاسی تھا۔'' ''امیر المومنین یزید کی تکفیر کرنا غلط ہے۔'''' بتاؤ وہ کونسا اسلام ہے جو حضرت امام حسین کی شہادت سے زندہ ہوا۔؟؟'' ''واقعہ کربلا نے اسلام کو مردہ کر دیا۔'' ''امام حسین نے خلیفہ برحق یزید کے خلاف خروج کیا۔'' اور یا مقبول صاحب اگر اس فرقے اور اس سپاہ کا نام زبان پر لاتے ہوئے ہکلاہٹ محسوس ہو رہی ہے تو مجھے بتانا میں آپ کی مدد کروں گا۔کیونکہ حق بات تو یہی ہے کہ آپ اور آپ کی قبیل کے ان مولویان کو ہر معصوم اور ہر حسین سے نفرت ہے اور ہر یزید ہی آپ کا خلیفہ برحق ہے۔اسی لئے تو آپ شوق سے گلی گلی،شہر شہر بائیکاٹ کے بینرز لگواتے ہو اور معصومین کے لئے روز نئی کربلا بناتے ہو مگر ساتھ کے ساتھ منافقت کی زبان میں مکر بھی جاتے ہو۔چلو مزید یاد دہانی کرواتا ہوں مولوی عبداللہ مرحوم لال مسجد اسلام آباد کے امام اور مولوی عبدالعزیز المعروف مولانا برقعہ پوش کے والد ماجد تھے۔بلاشبہ دیوبندی حضرات میں ان کا بڑا نمایاں مقام تھا۔جبکہ دوسری طرف مولوی محمد موسیٰ بھٹو سکہ بند دیوبندی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک عدد ماہنامہ''بیداری'' کے اڈیٹر بھی تھے۔دونوں میں ایک بات پر جھگڑا ہو گیا۔مولانا محمد موسیٰ بھٹو اس دلچسپ لڑائی کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:'' مولانا محمد عبداللہ صاحب خطیب لال مسجد مرحوم ہمیشہ یزید کی حمایت کرتے اور اہل بیت کی تنقیص کیا کرتے تھے۔وہ کراچی اور لاہور سے ناصبیوں اور یزیدیوں کی کتب منگوا کر تقسیم کیا کرتے تھے۔یہ آں مرحوم پر الزام نہیں بلکہ مولانا مرحوم کا یزیدی ہونا خود انہیں کے خطوط اور تحریرات سے حضرت مولانا قاضی مظہر حسین رحمۃ اللہ علیہ بھی اپنے ماہنامہ حق چار یار میں حتمی دلائل سے ثابت کر چکے ہیں۔اسی طرح محمد عظیم الدین صدیقی نے ایک کتاب بنام......''سیدنا یزید رحمۃ اللہ علیہ''......شائع کی اور مولانا کو بھیجی۔کتاب ملنے پر آپ نے انکو درج ذیل خط لکھا جو تقریظ کی صورت میں اس کتاب میں شامل ہے۔

محترم السید الاستاد المکرم محمد عظیم الدین صدیقی صاحب سلام مسنون خط ملا۔ آج ہی شیخ القرآن (مولوی غلام اللہ خان راولپنڈی) سے بات کی کتاب حیات سیدنا یزید ان کو ابھی تک نہیں ملی۔ تبصرہ اور رائے کی درخواست بھی کی۔ انہوں نے قبول فرمالیا۔ ویسے بھی وہ حضرت امیر یزیدؒ کے بارے میں وہی عقیدہ رکھتے ہیں جو ہمارا ہے۔ لیکن وہ بھی میری ہی طرح برملا اظہار بوجوہ نہیں کرتے ...... نہ معلوم ہماری کب چلے گی؟ کوئی آنے والا نہیں ورنہ دستی کتب منگواتا۔'' اور یا مقبول جان صاحب یہ آپ کے ممدوح اور پیارے کس یزید کی عظمت کے انتظار میں مرے جارہے ہیں۔ بولو تو سہی۔ ذرا بتاؤ تو سہی۔ ہر کام میں منافقت، ہر گام میں جھوٹ، دل میں کینہ اور ہونٹوں میں لمبی زبان۔ محبت کرنا اور عزت دینا تو آ ہی نہ سکتی تھی مگر آپ تو نفرت کرنا بھی نہ سیکھ سکے۔ شائد آپ جیسے ہی ایک نیم دانشور، نیم مولوی اور ریٹائرڈ سرکاری بابو کے لئے ایک فل وقتی مولوی جناب شورش صاحب نے ہفت روزہ چٹان کے 19 مئی 1952ء کے شمارہ 20 کا ایک ضمیمہ شائع کیا جس میں فرمایا تھا ''اختر علی خاں تمہارے اخبار کی زد سے کون بچا؟ تم نے کسے گالی نہیں دی۔ ایک نام بتاؤ جس کا تم نے قصیدہ لکھا ہو اور دوسری دفعہ گالی نہ دی ہو۔ اختر علی خاں تمہاری فطرت کے صحیح خدوخال صرف اس ایک فقرے میں سموئے جاچکے ہیں ''تم دولت والے کے پیچھے چلتے اور ڈنڈے والے کے آگے آگے دوڑتے ہو'' اور یا صاحب آپ ایک اچھے سرکاری بابو ہوگے۔ ایک اچھے ڈرامہ نویس ہوگے۔ آپ کے گلے کا والیم بکس بھی اچھا ہے۔ میں نے آپ کو اچھے اونچے سُر میں چیختے اور دوسروں کو بے عزت کرتے دیکھا۔ یقیناً آپ یہ کام اچھا کر لیتے ہو لیکن یہ کس نے آپ کو کہہ دیا کہ آپ ایک مفتی بھی ہو۔ جناب شورش صاحب کی ہی ایک اور نصیحت آپ کے نام کرتا ہوں جو اُنہوں نے مولوی اختر علی خان فرزند گرامی مولانا ظفر علی خان کو دی تھی ''اختر علی خاں گریباں میں جھانکو۔ اپنی موٹائی اور گولائی کو دیکھو۔ اپنی چربی کو پگھلاؤ اپنے ضمیر کو ٹٹولو پھر سوچو کہ تم کیا ہو رب ذوالجلال کی قسم! تم سے بڑھ کر ضمیر فروش۔ کذاب قوم کا تاجر۔ غدار۔ دانی الطبع اور خائن آج تک کرہ ارض میں پیدا نہیں ہوا۔ تم سالک کے الفاظ میں ''شوردار مٹی کی پیدوار ہو'' محمد علی مرحوم نے تمہارے متعلق کہا تھا ''کمہار کا..... جس کے ...... پر مٹی لگی دیکھتا ہے اس کے پیچھے ہوجاتا ہے''۔''

(ہفت روزہ چٹان کے 19 مئی 1952ء کے شمارہ 20 کا ایک ضمیمہ بحوالہ مذہب کا سرطان صفحہ 106 تا 108 زیر عنوان ''جہاد شورش مصنفہ کوثر جمال ناشر لڑکیاں کہانیاں پبلی کیشنز سانده کلاں لاہور)

اور یا صاحب یہ بات درست ہے کہ آج کے پاکستان میں آپ جیسے لوگ کسی بھی عزت دار کے در پے ہوسکتے ہیں مگر سالک صاحب نے بہت پہلے سے کہہ رکھا ہے کہ ''جو شخص حفظ مراتب نہیں کرتا اس کی زندیقیت میں کسی کو شبہ نہیں۔ کسی کو توفیق نہیں ہوتی کہ اس بے ادب کو برسرجلسہ ٹوک ہی دے۔ جب تک قوم خود اپنا مذاق درست نہ کرلے گی اس قوم کے خودغرض فرعون برابر اس پر مسلط رہیں گے''۔ (اخبار انقلاب 5 اگست 1936ء)

آغا شورش کاشمیری اور سالک صاحب تو ایک بڑا نام تھے ان کی نصائح اور ان کے الفاظ تاریخ کا حصہ ہیں مگر میں تو ایک عام قاری کی حیثیت سے آپ کو یہی یاد کرواؤں گا کہ عزتیں دینا سیکھیں ورنہ عزتیں اُچھالنے والے، خواہ علماء کے سابقے لاحقے والے بھی ہوں تو بھی تاریخ کے کوڑے دان کے علاوہ ان کی کہیں جگہ نہیں ہوتی۔

جے کر دین علم وچ ہوندا تے سر نیزے کیوں چڑھدے ہو
اٹھاراں ہزار جو عالم آہے سن اوہ اگے حسین دے مردے ہو
جے کجھ ملاحظہ سرورؐ دا کردے تے خیمے تمبو کیوں سڑدے ہو
جے کر مندے بیعت رسولی تاں پانی کیوں بند کردے ہو
ہے صادق دین تساں دے باہو جو سر قربانی کردے ہو



ابن کریم

خلافت کی گھنی چھاؤں میسر آگئی ہم کو
یہ دولت بعد صدیوں کے میسر آگئی ہم کو
نہیں دارو رسن کا خوف نہ زنجیریں ہیں
سدِّ راہ امامت ہی کچھ ایسی یہ میسر آگئی ہم کو
بھٹکتے ہیں وہ ہر سو، ٹھوکریں کھاتے ہیں در در کی
بصیرت کی مگر ہر رَہ میسر آگئی ہم کو
اُدھر ظلمت کے گہرے سائے ہیں
اور خوف کے بادل اِدھر روشن تریں صبح میسر آگئی ہم کو
ستم کے ہر جزیرے سے صحیح سالم گزرنا ہے
''ہے آگ اپنی غلامی میں'' میسر آگئی ہم کو
نہیں ہے جان کی پروا کروڑوں بار واریں گے
یہاں قربان گہ ایسی میسر آگئی ہم کو
''مرے مسرور تیرے ساتھ ہوں'' مالک نے فرمایا
یہی کنجی دعاؤں کی میسر آگئی ہم کو
یہاں پیتے ہیں صبح و شام اور پھر جھومتے ہیں ہم
کہ اک روحانی آپ جُو میسر آگئی ہم کو
اے حافظؔ خوش نصیبی کا سُہانا دور آیا ہے
کہ طاعت بھی عقیدت بھی میسر آگئی ہم کو



عمران خان صاحب کی ریاستِ مدینہ اور سیالکوٹ حملہ کیس

اصغر علی بھٹی مغربی افریقہ

ابھی دو دن قبل پاکستان کے متوقع وزیر اعظم جناب عمران خان صاحب اپنی ممکنہ حکومت کے پہلے سو دن کے پلان کا اعلان کرتے ہوئے اُسے ریاست مدینہ کے ماڈل پر استوار کرنے کی بات کر رہے تھے۔ اور فرما رہے تھے کہ ریاست مدینہ کیا تھی وہ پہلی فلاحی ریاست تھی جس میں قانون کی نظر میں سب برابر تھے۔ جس میں قانون طاقت ور کے لئے الگ اور کمزور کے لئے الگ نہ تھا۔ جس میں فرات کے کنارے ایک کتا بھوکا مرجانے پر حضرت عمرؓ اپنے آپ کو قصوروار بتاتے تھے۔ ریاست مدینہ کے حوالے سے آپ کی بات تو سو فیصد درست ہے کہ وہ ریاست یقیناً ایک آئیڈیل اور فلاحی ریاست تھی۔ اگر اس ریاست میں ہم آنحضور ﷺ کو مقام نبوت سے ہٹ کر ایک سربراہ ریاست مملکت کے طور پر بھی دیکھیں تو بھی فلاح کے تمام پیمانے اپنی اکمل ترین صورت میں پریکٹیکل صورت میں نظر آتے ہیں۔ اور عمران خان صاحب آپ کی یہ بات بھی سو فیصد درست ہے کہ اس فلاحی ریاست کی اساس تھی قانون کی حکمرانی اور ظلم کے خلاف جہاد۔ لیکن ان تمام خوبصورت باتوں اور آپ کی رومانوی شخصیت اور مستقبل کے سہانے پاکستان کے سپنوں کے ساتھ کیا کریں جب آپ کے ٹیم کے سیالکوٹی ممبر جناب حافظ حامد رضا صاحب کے کل کی ''فتوحات'' کے بعد کے خطبہ مبارکہ کو سنتے ہیں اور اس واقعہ کو گزرے 12 گھنٹے سے زائد ہو گئے ہیں مگر آپ کی طرف سے بھی اس پر کسی قسم کے ردعمل کا اظہار نہیں کیا گیا ہے۔

جناب عمران خان صاحب یا تو آپ ریاست مدینہ اور نبی پاک ﷺ جیسی طرز حکومت سے علیحدگی کا اعلان کر دیں یا مولوی حافظ حامد رضا صاحب جیسے ممبران کے شنیع اعمال سے برآت کا اظہار کریں جو ایک ہجوم لے کر طاقت کے زعم میں کسی بھی اقلیت کی عبادت گاہ پر حملہ کر دیں کہ اس عبادت گاہ کی یہ چیز مجھے ناپسند ہے اس لئے میں اپنے جتھے کے ساتھ اسے مسمار کرتا ہوں۔ ریاست مدینہ تو دور کی بات یہ تو ایک عام فہم سی بات ہے کہ ریاست میں کوئی مسلم ہو یا کافر۔ کوئی اکثریت میں ہو یا اقلیت میں سب کی جانمال اور عزت کی حفاظت کرنا ریاست کی اول ذمہ داری ہے۔ ظلم صرف یہ نہیں ہے کہ حافظ حامد رضا صاحب سینکڑوں لوگوں کا مجمع لے کر جماعت احمدیہ کی 100 سال سے پرانی مسجد پر حملہ آور ہو گئے۔ عبادت گاہ کے تقدس کو پامال کیا، ہتھوڑوں سے میناروں کو چکنا چور کیا، قرآن مجید کے نسخوں کو نکال کر پھاڑ دیا، محراب میں کھڑے ہو کر پیشاب کیا، جو ہاتھ میں آیا تہس نہس کر دیا، دیواریں گرا دیں اور گالیوں سے فضا کو پراگندہ کیا، ظلم صرف یہ بھی نہیں ہے کہ یہ سب افعال اسلام کے نام پر اسلام کی سربلندی کے لئے کئے۔ اور ظلم صرف یہی بھی نہیں ہے کہ رمضان کے مقدس مہینے میں اللہ کے مقدس الفاظ پر ہتھوڑے چلائے اور اُسے زمین بوس کیا ظلم عظیم یہ ہے کہ یہ سب قانون شکنی قانون کے رکھوالوں کی مدد اور نگرانی اور زیر سرپرستی ہوا۔ پی ٹی آئی کے سیالکوٹ کے راہنما جناب حافظ حامد رضا صاحب جن کی زیر سرپرستی یہ کریہہ واقعہ ہوا اُنہوں نے یہ ''سیالکوٹی پانی پت'' فتح کرنے بعد وکٹری سٹینڈ پر کھڑے ہو کر صحافیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا ''میں تمام غیور مسلمانوں کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ آج ہم انتظامیہ کے بھی شکرگزار ہیں اور اہل سنت کی جتنی تنظیموں نے اس کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہم سب کے مشکور ہیں۔ الحمدللہ نعرہ تکبیر اسلام زندہ باد۔ سیالکوٹ کی انتظامیہ اور خاص طور پر ڈی پی او صاحب ڈی سی او صاحب اور ٹی ایم اے کے عملے کا بھی دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں انتظامیہ کا پھر سے شکریہ ادا کر رہا ہوں۔ ڈی پی او صاحب آپ نے بہت بڑا عظیم کام کیا ہے ڈی سی او صاحب آپ نے بہت بڑا عظیم کام کیا ہے اور اس علاقے کے چیئرمین جناب مجاہد صاحب آپ کو اور آپ کی پوری ٹیم کو ہم خراج تحسین پیش کرتے ہیں اور یہ مینار میں نے خود گرائے ہیں۔ میرے اگر کسی کارکن پر کسی نے مقدمہ قائم کیا تو ہم اس پورے شہر کو بند کر دیں گے'' ایک بار پھر سے نعرہ تکبیر اسلام زندہ باد۔

عمران خان صاحب اور '' نومولود فاتح'' صاحب اگر سماعت پر بوجھ نہ ہو تو میں آپ کو ریاست مدینہ کا ایک واقعہ سنانے کی جسارت کروں گا۔ غزوہ خندق کے بعد ریاست مدینہ اور ریاست مکہ کے دوران ایک معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے اگر کوئی مسلمان مکے سے بھاگ کر مدینہ آ جائے گا تو مسلمان اُسے واپس کر دیں گے لیکن اگر کوئی مدینے سے مکہ چلا جائے تو اُسے واپس نہیں کیا جائے گا۔ شرط گو سخت تھی ناانصافی تھی مگر سرکار دو عالم ﷺ نے اسے عظیم اور دوررس مقصد کے لئے قبول کر لیا۔ چنانچہ کچھ ہی عرصے بعد مکہ سے ایک مسلمان حضرت ابو بصیرؓ کفار کی ظلم ستم کے چنگل سے کسی طرح نکل بھاگے اور مدینہ پہنچ گئے۔ تھوڑے دنوں بعد پیچھے پیچھے مکے والوں

کا دورکنی وفد بھی آپ کو لینے کے لئے آگیا۔زخمی حضرت ابوبصیر جن کی واپسی یقیناً ظلم وستم کی انتہا میں بدلنے والی تھی لیکن سرکارِ دو عالم جو قانون کے پاسدار اور مدنی ریاست کے سربراہ تھے اُنہوں نے حضرت ابوبصیر کو واپس کر دیا۔احادیث کا مطالعہ کریں اُس وقت مدینے کی سوگواریت کی کیا حالت تھے۔حضرت ابوبصیر رحمت دو عالم سے بلک بلک کر فریاد کناں تھے۔اور واپسی روکنے کے لئے آہ و فغاں کر رہے تھے صحابہ کی داڑھیاں رو رو کر بھیگ چکی تھیں مگر رحمت دو عالم سرکارِ مدینہ کوہ وقار کوہ گراں بنے قانون کی حکمرانی، اور وعدوں کی وفا کا اعلان کرتے ہوئے حضرت ابوبصیر کو مشرکین مکہ کے حوالے کر دیتے ہیں۔پھر یہی نہیں مزید بتا دیا کہ ریاست مدینہ دنیا کی پہلی فلاحی ریاست کیسے بنی اور اگر کسی نے اس ماڈل کو فالو کرنا ہے تو ہمت بھی اور جرات بھی ایسی ہی ہونی چاہیئے ۔حضرت ابوبصیر مدینہ سے نکلنے کے بعد کچھ ہی دور گئے تھے کہ اُنہوں نے اُن دو مشرکوں میں سے ایک کو مار گرایا اور دوسرا بھاگ گیا۔چنانچہ آپ پھر مدینہ لوٹ آئے۔جب نبی پاک ﷺ کو ان کے لوٹ آنے کی خبر ہوئی تو آپ نے خوشی کا اظہار نہیں فرمایا بلکہ ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا جس پر حضرت ابوبصیر مدینہ چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے۔ تو سرکار یہ ہے قانون کی حکمرانی اور ریاست مدینہ۔اب اس ماڈل پر اپنے غیور حافظ صاحب کو پرکھیں اور پھر اپنی خاموشی کو بھی پرکھیں کیا پھر بھی آپ سمجھتے ہیں کہ آپ ریاست مدینہ کی نیابت کا دعویٰ کر سکتے ہیں یقیناً اس منافقت کے ساتھ آپ ایک اچھے سیاستدان تو ہو سکتے ہیں مگر کمزوروں اور اقلیتوں کے محافظ، حق بات کہنے والے، قانون کے محافظ اور مذہبی بلیک میلنگ میں نہ آنے والے ریاست مدینہ کے حکمران نہیں۔فیصلہ آپ پر ہے کہ آپ کھڑے ہونا پسند کریں گے؟؟؟

***



دُشوار کام کس قدر آسان ہوگیا
ابلیس خود بھی ششدر و حیران ہوگیا
مسمار کرکے گھر کو خدائے عظیم کے
شہر سیالکوٹ ... مسلمان ہوگیا
(عرشی ملک)

کرو تیاری بس اب آئی تمہاری باری
یونہی ایام پھرا کرتے ہیں باری باری
ہم نے تو صبر و توکل سے گزاری باری
ہاں مگر تم پہ بہت ہوگی یہ بھاری باری